کلامِ اشرف
کمالِ حسن

ترتیب و تدوین
نوشابہ صدیقی



کلامِ اشرف کمالِ حسن

ترتیب و تدوین نوشابہ صدیقی

RB

رب پبلشرز
کراچی

نوشابہ صدیقی ——— جیون روپ

نوشابہ سے میری ملاقات 1975ء میں ہوئی جب وہ میرے ابّا کی پسند پر میری بیوی بن کر گھر آئی۔ آج ماشاء اللہ 36 برس سے میرے ساتھ رہ رہی ہے اور باوجود میرے اصرار کے کبھی ایک دن کے لیے بھی میکے نہیں گئی۔ شاید اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ کوئی اور نہیں جان سکتا۔ ہاں اسکول، کالج، یونی ورسٹی، ملازمت اور تقریبات کے حوالے سے لوگوں نے اسے مجھ سے زیادہ گہری نظروں سے دیکھا اور سمجھا ہو۔ مگر ایک مکمل عورت ہونے کے ناتے کہ وہ کیسی ہے مَیں اس کا شرعی گواہ ہوں۔

نوشابہ کی ساری تعلیم کراچی میں ہوئی۔ وہ اس شہر سے عشق کرتی ہے۔ نیو ٹاؤن گرلز اسکول سے میٹرک۔ نیشنل کالج سے انٹر اور کراچی یونی ورسٹی سے اکنامکس میں بی۔اے (آنرز) ایم۔اے کرنے کے بعد دوسرا، تیسرا ایم اے (صحافت) اور (اردو ادب) میں کیا۔ اخبارِ جہاں کا پہلا شمارہ نکالا۔ پریمیئر کالج اور سرسیّد کالج میں کچھ عرصے پڑھایا لیکن لگا تار 39 سال علامہ اقبال کالج ایئر پورٹ سے وابستہ ہو کر ایک ریکارڈ بھی قائم کیا۔ لیکچرر، پروفیسر اور پرنسپل کے عہدے کے علاوہ اس کالج کے تمام انتظامی امور پہلے دن سے انجام دیے۔ یونین انچارج ہونے کی حیثیت سے سیکڑوں ایسی تقاریب کرائیں جو تاریخ بن گئیں۔ اُس نے اِس کالج سے محبت بھی کی اور وہ اس کی شناخت بھی بن گیا۔ وہ کہتی ہے کہ سرسیّد، حالی سے مدّو جزرِ اسلام لکھوا کر جنّت میں جانے کی سند حاصل کریں گے تو مَیں بھی اپنی تمام تدریسی زندگی میں طالب علموں کو طالب علم بنانے کی جدوجہد کے باعث اللہ سے اِس کا صِلہ جنّت سے کم نہیں مانگوں گی۔

25 سال لگا تار ادبی انجمن کی نظامت۔ تحریر و تقریر اور دیگر سرگرمیاں یقیناً اُس کی شخصیت کا حصہ ہیں لیکن مَیں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ نوشابہ مزاجاً صرف ایک گھریلو عورت ہے۔ کپڑے دھونا۔ برتن مانجنا۔ گھر صاف کرنا۔ روٹی پکانا، دوستوں کی دعوت کر کے خوش ہونا اور کام کے دوران بے معنی چیختے چلّاتے رہنا اس کے مزاج کا ضروری حصہ ہیں۔ وہ گھر کو بے حد سلیقے سے چلاتی اور سنوارتی ہے اور انتہائی بیماری میں بھی ان تمام کاموں سے نہیں چوکتی۔ حتیٰ کہ اُسے آدھی رات کو نیند سے بیدار کر کے کھانا پکانے کے لیے کہہ دیا جائے تو سیدھی کچن میں چلی جائے گی۔

(باقی آخری فلیپ پر)

اپنے بیٹے اشعر

کے لیے

کہ یہ بھی اسی کا شجرۂ نسب ہے

14/ فروری 2012ء

کلامِ اشرف، کمالِ حَسن

ترتیب و تدوین

نوشابہ صدیقی

RB رب پبلشرز، کراچی

کتاب: کلامِ اشرف، کمالِ حسن

ترتیب وتدوین: نوشابہ صدیقی

اہتمام: نثاراختر
Email: nisar.akhtar.noor@gmail.com
Phone: 92-21-35870600

سرورق: آیت اللہ طاہر، رب پبلشرز

کمپوزنگ، لے آؤٹ: نصراللہ ناصر

طبعِ اوّل: جنوری 2012ء

طابع، پبلشرز: رشید بٹ، حمیرااطہر،

رب پبلشرز، 10۔مہرٹیرس، اسٹریٹ۔6،

برنس روڈ، کراچی۔74200، فون: 021-32636133
Email: contact_rb44@yahoo.com

قیمت: -/800 روپے

ISBN: 978-969-9466-21-2

contact author: ashernoor@gmail.com

اپنی جائے پیدائش

حسن منزل

کے نام

جہاں مَیں نے پہلی سانس لی۔ جہاں اپنی کمزور آواز میں
پہلی صدائے احتجاج بلند کی

اور

جہاں میرے دو عزیز ترین لوگوں نے جو میری
تخلیق پر مامور تھے اپنا تعارف مجھ سے کرایا

جنھوں نے

مجھے یقین دلانے کے لیے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر
تحفظ کا احساس دیا۔ میرے رخساروں اور پیشانی پر
اپنے نرم، گرم ہونٹوں سے محبت کے میٹھے احساس کا مزہ بخشا

اور

سینے سے لگا کر اپنے دل کی دھڑکن کو میرے ننھے سے
دل کی کمزور دھڑکن میں آہستہ سے منتقل کر دیا

یوں

خاموشی کی زبان میں میرا شجرۂ نسب سمجھا دیا

حُسنِ ترتیب

☆☆☆

نوشابہ صدیقی

اپنی بات

ہجرت کا اثر برِ صغیر کے ہر گھر کی طرح ہمارے گھر پر بھی پڑا۔ خاندان منتشر ہو گیا۔ آباؤ اجداد سے بھرے قبرستان بے وارث ہو گئے۔ مکان، باغ، کھیت اور دیگر املاک اُن لوگوں کو مل گئیں جو حق دار بھی نہ تھے۔ ہم سے پہلے ہماری دو پھوپھیاں پاکستان ہجرت کر گئیں۔ ایک نے ایک رات خواب دیکھا کہ ہمارے ابّا اُن سے شکوہ کر رہے ہیں، ''ہماری اماں کو ہم سے ملاؤ۔ وہ کیوں ہندوستان میں رہ گئیں''۔ پھوپھی نے اپنے بھائی سے خواب میں ہی جوابی شکوہ کیا، ''آپ کا بھی تو کچھ پتہ نہیں آپ کہاں ہیں؟''

چار سال پہلے انتقال کر جانے والے بھائی نے کہا۔ ''میرا پتہ تو بہت آسان ہے۔ نوٹ کر لو اور میری اماں کو لا کر مجھ سے ملا دو۔'' پھوپھی ہندوستان گئیں۔ خواب سنایا۔ ابا کی اماں تیار ہو گئیں۔ پاکستان آئیں اور ایک رات چپ چاپ جنّت الفردوس کے اُس پہلے کمرے میں اپنے بیٹے کی تلاش میں چلی گئیں۔

اپنے ابّا کے انتقال کے وقت مَیں بہت چھوٹی تھی۔ اتنی چھوٹی کہ اُن کی شبیہہ تک میری آنکھوں میں کہیں موجود نہیں۔ تحریکِ پاکستان سے وابستہ ایک نوجوان تھے لیکن منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے۔ اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر کے جنّت الفردوس سدھار گئے۔ بعد میں پاکستان بن گیا۔

ابّا کے انتقال کے بعد سے دادی نے مجھے اپنی گود سے نہیں اتارا۔ مَیں اُن کی لاڈلی، بے حد لاڈلی پوتی تھی۔ مجھے وہ تمام دن بس سائے کی طرح آنکھوں کی پتلیوں میں گردش کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ ایک دن اُنہوں نے اپنے بیٹے سے ملنے کی چاہ میں مجھے گود سے اتار دیا۔ پاکستان آئیں اور ایک رات چپ چاپ پاکستان سے بھی چلی گئیں۔

جب ہم پاکستان آئے، بڑے ہوئے، اُن کے قصے سنتے گئے تب سے مَیں نے دادی کی دنیا میں رہنا شروع کر دیا۔ ہر ایک سے اُن کی باتیں کرتی۔ ہر ایک سے اُن کی باتیں سنتی۔ سب نے یک زبان ہو کر بتایا وہ بے حد مذہبی خاتون تھیں۔ بریلی درگاہ میں شاہ نظام الدین سے بیعت تھیں۔ اپنے پیر کی بہن بنی ہوئی تھیں۔ وہاں کے ایک ستون پر اُن کا نام کندہ ہے۔ اچھی نعت گو شاعرہ تھیں۔ کم از کم دو ڈھائی سو نعتیں لکھ لی تھیں۔ اِس کے علاوہ مختلف مواقع کی شاعری بھی کرتی تھیں جس میں ایک عطیہ بیگم فیضی کی ''پردے سے باہر آؤ کی تحریک'' کے خلاف اُن کی نظم تھی جو انہوں نے غازی پور کے وکٹوریہ اسکول کے سامنے خواتین کے جلسے میں جوش کے ساتھ پڑھی تھی۔ سہرے بھی لکھا کرتیں اور خوشی، غمی کا اظہار شاعری میں کرتیں۔

دادی جنّات سے بھی باتیں کرتیں۔ اُن کے اپنے گھر میں بھی جن رہتے تھے جن کے بچے قرآن پڑھنے اُن کے پاس آتے۔ دیکھنے والوں نے آنکھوں دیکھا حال بتایا کہ کمرے سے بچوں کی آوازیں آتیں ہیں مگر وہ نظر نہیں آتے تھے۔ جنّات کی طرف سے مٹھائیاں بھی گھر آتیں۔ اور اُن میں سے کئی جن جو اُن کے بھائی بنے ہوئے تھے، آتے۔ وہ باتیں کرتیں سب سنتے۔ ہاں جواب دیتے ہوئے جن نہ دکھائی دیتے، نہ سنائی دیتے۔ وہ اپنے لوگوں سے کہتیں ہماری سات پشتوں تک بھی جنّات بھائی نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ کبھی اُنہیں پریشان نہیں کریں گے بلکہ خیال رکھیں گے۔

اُن کے پاس بہت سے وظائف تھے جنہیں وہ استعمال کرتیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ اُن کے خاطر خواہ فوائد بھی حاصل ہوئے۔ جادو ختم ہو جاتا۔ بخار اُتر جاتا۔ بچوں کو لگنے والی نظرِ بد اُن کے وظیفے سے غائب ہو جاتی اور اِسی طرح کے کئی وظیفوں کی وہ امین ٹھہرادی گئی تھیں۔ اُنہوں نے حج بھی کر لیا تھا اور مزید حج عمرے کی تمنائی تھیں۔ دن رات اپنے آپ نعتیں پڑھتی رہتیں۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے۔ وہ بِلک بِلک کر اللہ کے حضور اپنی مرادیں پہنچاتی رہتیں۔ ایک چودہ سالہ بیٹے کو کھو

چکی تھیں۔ دوسرے چالیس سالہ ہونہار قابلِ رشک بیٹے کا دکھ سہہ کر آدھی جان ہو چکی تھیں۔
وہ اکثر کہتیں مَیں ہندوستان میں نہیں مروں گی اور یہ بات درست ثابت ہوئی۔ دوسری بات وہ یہ کہتیں میرے دفن ہونے کے دوسرے دن ہی میری قبر غائب ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ اُن کی باتوں اور طرزِ زندگی کو ملا جلا کر دیکھا جائے تو اُن کی زندگی میں عشقِ رسول اور اپنے اللہ کی بندگی کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔

سنتے ہیں ظاہری حُسن میں بھی یکتا تھیں جس کے چرچے تھے۔ اُس زمانے میں کیمرہ عام نہیں تھا پھر بھی موجود تھا۔ تصویر کھنچوانے سے گریز کرتی تھیں۔ جوانی کی ایک تصویر یادگار بن گئی۔ اگرچہ بہت دھندلی ہے لیکن بعد کی نسلوں کے لیے یہ دھندلا عکس بھی غنیمت بنا۔

مَیں جب بڑی ہوئی اور اتنا شعور پیدا ہوا کہ اُن کا کلام تلاش کر سکوں تب بہت وقت گزر چکا تھا۔ جن کے پاس ہو سکتا تھا وہ بھی موجود نہیں رہے تھے۔ اُن کا پرانا سامان دو چھتیوں پر ڈال دیا گیا کہ گمان بھی نہ تھا کہ اُس میں یہ قیمتی کاغذات بھی دفن ہوں گے۔ میری اماں کے سامان سے کچھ اوراق برآمد ہوئے جن کا کہنا تھا کہ ابا کے انتقال کے بعد وہ برابر کی مسہری پر میری دادی کے ساتھ سویا کرتیں۔ جب رات کے سناٹے میں اُن پر آمد ہوتی تب کاغذ قلم تکیے سے نکال کر لکھنا اُن پر واجب تھا۔ پھر صبح سویرے وہ اُس میں اصلاح کرتیں۔ بقیہ کلام مکمل طور پر گم یا تلف ہو چکا تھا لیکن میری جستجو میں اتنا دم تھا کہ اِدھر اُدھر تلاش کے بعد کچھ اور کلام بھی ہاتھ آ گیا۔ مَیں اُن بچوں کی مشکور ہوں جنھوں نے وقت نکال کر دھول سے اَٹا سامان کھنگالا۔ تشنگی کا احساس تو رہا لیکن جتنا اور جیسا کچھ بھی میسر آیا اس ڈر سے شائع کرنے کی ٹھان لی کہ مَیں بھی اب عمر کے اُس حصے میں ہوں کہ بلاوا اب آیا تب آیا۔

مجھے اپنے آبا وَ اجداد میں رہنے اور اُن کا تذکرہ کرنے میں بڑا لطف محسوس ہوتا ہے۔ ساری لکیروں میں شجرۂ نسب کی لکیریں مجھے سب سے اچھی لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شجرۂ نسب بھی قابلِ فخر ہے۔ جس شخصیت کے بارے میں سنوں یا پڑھوں اپنے وقت کا بڑا لگتا ہے۔ مَیں نے اپنی بساط کے مطابق پَردادا سے اپنی معلومات کا آغاز کیا۔ حافظ مولوی محمد علی قاریؔ فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ اُردو میں بھی شاعری کرتے تھے مگر وقت نے اُردو کلام

محفوظ نہیں رہنے دیا اور ہجرت نے اُس پر گرد کی دبیز چادر ڈال دی۔ کہتے ہیں جو لفظ چھپ گیا وہ رہ گیا۔ کلیاتِ قاریؔ لائبریریوں میں محفوظ رہی۔ اُن کی شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے تعلقات وقت کے کتنے بڑے بڑوں سے تھے۔ پھر بڑوں سے تعلقات بڑوں کے ہی ہوتے ہیں۔ مَیں نے اپنی اِس کتاب میں اُن کے کلام کا کچھ حصہ یوں شامل کیا ہے کہ میرا شجرۂ نسب اُن ہی سے شروع ہوتا ہے۔

اِس کے بعد میرے دادا مولوی ابوالحسن جنہیں اللہ نے عمر بھی دی، مرتبہ بھی، شان وشوکت بھی، جاہ وجلال بھی اور جمال بھی، دیر تک خاندان میں رہے۔ میری اُن سے قربت رہی۔ اُن کے حالاتِ زندگی اُن کی ہی زبانی سنے اور اُن کا کمال خود اُن کے ہی ہاتھوں مجھ تک پہنچا جس حد تک بھی وہ بچا کر ہندوستان سے لا سکے تھے۔ اُن کا غذات کی امین ہونے کے ناطے انہیں محفوظ کرنے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی عائد ہوتی تھی۔ اب سوا صدی گزر جانے کے بعد ان کاغذات کا دم خم ختم ہو چکا ہے۔ شان وشوکت کے لکھے الفاظ مٹ رہے ہیں۔ صفحات شکستگی اور بھر بھرے پن کا شکار ہو گئے ہیں۔ قریب ہے کہ وہ وقت کی دھول میں تبدیل ہو جائیں لہٰذا انہیں SCAN کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ سو مَیں نے جدید سائنسی ٹیکنالوجی سے یوں استفادہ کیا۔

ابّا کا کلام 2007ء میں ''افکارِ حسن'' کے نام سے شائع کر چکی ہوں جو میری ملازمت سے فراغت کے بعد اور پوری زندگی کا بھی اوّلین اور واحد کارنامہ ہے۔ کچھ قطعاتِ تاریخ جس کے وہ ماہر تھے، ''افکارِ حسن'' میں جگہ نہیں پا سکے تھے انہیں اِس کتاب میں جگہ مل گئی ہے۔

میری دو پھوپھیوں میں بھی شاعری کے جراثیم تھے۔ اُنہیں نہ شاعر ہونے کا دعویٰ تھا، نہ شہرت کی خواہش۔ جو چند صفحات مجھے مل پائے مَیں نے اُن کے ہی باپ دادا، امّاں اور بھائی سے جوڑ دیا۔ یوں اب وہ بھی محفوظ ہو گئے ہیں۔

یہ سب کام بہت دیر سے ہوا ہے لیکن ہو گیا ہے۔ ''افکارِ حسن'' کے بعد اسے بھی میں ''کمالِ حسن'' سمجھتی ہوں۔ اِن دو کاموں سے جوڑ کر اپنے آپ کو اس فرض کی ادائیگی پر آپ ہی آپ داد دے لیتی ہوں۔

شاید یہ کام قدرت نے فرض کے طور پر مجھ پر عائد کیا تھا۔ اپنے فرض کی ادائیگی پر کون خوش نہیں ہوتا۔ دنیا کی ساری تاریخ قلم کے ذریعے ہی محفوظ رہی ہے۔ قلم کے ذریعے کو ہی مَیں نے بھی استعمال کیا۔ تحقیق کی جاتی، ہندوستان کا سفر کیا جاتا، آبائی جگہوں پر جانے کا موقع ملتا، اُن کے عہد کے لوگوں سے اُن کی کہانی سنی جاتی تب یہ کتاب اور بھی معتبر و مستند اور ضخیم تر ہوتی لیکن کچھ نہ ہونے سے کچھ تو بہتر ہے۔ مَیں اپنے اُن رشتوں کے حضور یہ چھوٹا سا کام پیش کر کے مطمئن ہونا چاہتی ہوں خصوصاً اپنی دادی کے حضور جن کے دن رات مَیں نے اپنے لاڈ کے لئے وقف کروالئے تھے۔ دادی لیٹے نہیں، دادی بیٹھے نہیں، دادی صرف کھڑے کھڑے مجھے گود میں لیے ٹہلاتی رہیے۔ یہ میری ضد ہوتی تھی۔ مجھے اپنی یہ ضد یاد نہیں لیکن بڑوں نے جب بھی اُن کی باتیں کیں مجھے یہ احساس دلاتے رہے کہ مَیں بے رحمی کی حد تک اُن پر سوار رہتی، نہ دن دیکھتی نہ رات۔ مَیں اُن تکالیف کا ازالہ تو کر ہی نہیں سکتی کہ وقت کے زخم کب بھرتے ہیں؟ مگر آج کچھ سکون محسوس کر رہی ہوں کہ مَیں نے اُن کے کلام کے کچھ حصے کو ہی سہی، محفوظ کر دیا ہے۔ شاید وہ اپنی بے پایاں چاہت کا یہ صلہ قبول کر کے مجھے سرشار کر دیں۔

مجھے نہیں امید کہ میرے بچے اِس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں مر جانے والوں، خصوصاً اُن سے جن کو اُنہوں نے نہیں دیکھا، کوئی دلچسپی نہیں۔ قصۂ پارینہ سے آج کے بچوں کو کیا واسطہ؟ دوسرے وہ بچے نہ ہندوستان میں رہتے ہیں نہ پاکستان میں۔ تیسرے ملک کے دوسرے درجے کے شہری ہونے کے ناطے اُنہوں نے اپنا وقت ملازمت کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اُن کے پاس مطالعہ کے لیے نہ دن ہے نہ رات۔ خود اپنے بچوں کو گود میں اٹھانے کا وقت نہیں ہے۔ تیسری اور سب سے اہم وجہ اُردو زبان سے ناواقفیت ہے۔ میرے ایک بیٹے نے میری کتاب یہ کہہ کر پڑھنے سے انکار کر دیا کہ یہ اُردو زبان میں ہے۔ مگر اِن تینوں وجوہات کے باوجود ایک موہوم سی امید مجھے آنے والی نسلوں میں سے کسی ایک بچے سے ہے جس کے سر میں ماضی کا سودا سمائے گا۔ جو اپنی Roots معلوم کرنا چاہے گا۔ جو اپنی بھولی بسری مادری زبان اردو سیکھنے کے شوق میں دیوانہ کہلائے گا۔ جو کسی نہ کسی طرح مجھ سے کوئی بھی رشتہ نکال کر اپنی دادی مانے گا۔ بس میری یہ

ساری کوشش اپنی آنے والی نسلوں میں سے چُنے ہوئے اُس بچے کے لیے ہے جو یہ کتاب کسی لائبریری یا اپنے باپ دادا کے گھر کی بک شیلف سے نکال کر گرد جھاڑے گا اور پڑھے گا۔ میری یہ محنت اپنا مول بس اسی دن وصول پائے گی۔ مَیں اُس دن بہت خوش ہوں گی۔ چاہے وہ دن کسی بھی صدی میں آئے۔ بالکل اس طرح جیسے آج میرے دادا، دادی، پَردادا، امّاں، ابّا خوش ہوں گے۔ جو میرے شجرۂ نسب کی لکیریں ہی نہیں، میرے لیے شجرِ سایہ دار بھی ہیں۔

❑



حسن عبداللہ حسنؔ

نوشابہ صدیقی

زیرِلب۔ اپنے ابّا سے مخاطب ہوں

مَیں سمجھتی ہوں کہ ہر بچے کا یہ پیدائشی حق ہوتا ہے کہ وہ جب دنیا میں آئے تو اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ تھام کر چلانے والے دونوں افراد جو ماں اور باپ کہلاتے ہیں ضرور موجود ہوں۔ بچہ باپ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر اُس کے شجرۂ نسب کا حصہ بن جاتا ہے اور یہی اُس کی شناخت ہوتی ہے۔ ماں سے وہ زندگی کے ضروری کام سیکھتا ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو کیوں نہ ہو؟ یوں تو اللہ کے ہر فیصلے کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ مصلحت کا علم انسان کو ہو۔ کیونکہ انسان کا علم ناقص ہوتا ہے۔ پھر بھی مجھے یہ جاننے کی زندگی بھر کرید رہی کہ آخر میرا دایاں یا بایاں ہاتھ پکڑ کر چلانے والا میرا باپ کیوں نہیں ہے۔ مَیں نے زندگی بھر اس بات کا شکوہ اپنے اللہ سے کیا ہے اور کرتی رہوں گی کہ اِس کمی نے زندگی کا سب سے خوبصورت اور دلکش احساس مجھے محسوس ہونے نہیں دیا۔

مَیں دنیا میں آئی۔ میرا نام میرے باپ نے دیا بلکہ میری تاریخ پیدائش درج کرتے ہوئے اپنی ڈائری کا ایک پورا صفحہ میرے نام کیا اور لکھا یہ بیٹی ''نخلِ باغِ آرزوئے دل'' ہے۔ مگر اس سے پیشتر کہ بیٹی یہ جملہ پڑھنے کے قابل ہوتی یا بیٹی کی آنکھیں اسے پہچانتیں۔ انگلیاں اُسے ٹٹولتیں۔ اُس کی خوشبو سے لپٹتی۔ وہ شخص ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ بعض لوگ بعض کام بہت غلط وقت پر کرتے ہیں۔ میرے باپ نے بھی اپنے لوٹ جانے کا وقت غلط چنا۔ ہندوستان تقسیم ہورہا تھا۔ ایک نیا ملک بن رہا تھا۔ جس کے بننے میں اُس نے بحیثیت طالب علم جدوجہد بھی کی تھی۔ صدیوں سے آباد اُس کا خاندان ہجرت کرکے اِس نئے ملک میں

آ گیا۔ مجھے اِس کی بھی شکایت نہیں کہ زمانہ اکثر قیامت کی چال چلتا ہے۔ مجھے معاشرتی اور معاشی ناہمواریوں کی بھی کوئی شکایت نہیں۔ وہ محل دو محلے۔ وہ باغ، کھیت، کھلیان، وہ عہدے، پیشے، شناخت پہچان سب سرحد کے اُس پار رہ گئے اور یہاں بس ہم اپنا ذاتی نام لے کر ایک نئی شناخت بنانے کے لیے آ گئے۔ مجھے ان محلوں دو محلوں سے واقعی کوئی لگاؤ نہیں۔ مگر مَیں اُن دیواروں میں رچی بسی اُس خوشبو کو سونگھنے کا تو حق رکھتی تھی جو میرے خاندان کی خوشبو تھی۔ مَیں اُس چھت کے نیچے رہ کر کچھ خواب تو دیکھ سکتی تھی۔ وہ آوازیں دالانوں اور صحن میں کہیں نہ کہیں تو موجود ہوں گی۔ اُنہیں سنتی۔ وہ آسمان، وہ زمین، وہ موسم تو مَیں ضرور محسوس کرنا چاہتی تھی جہاں سے میرا خمیر اٹھا تھا۔ مَیں اُس چاند سے باتیں کرنا چاہتی تھی جو میرے آنگن میں روز اترتا تھا۔ مَیں اُن ستاروں کو اپنے آنچل میں سمیٹنا چاہتی تھی جو ساری رات جلتے بجھتے تھے۔ وہ شاید مجھ سے باتیں کرنا چاہتے رہے ہوں۔ مَیں اُن کتابوں کاپیوں اور دیگر اشیاء کو ہاتھ تو لگاتی جن کا لمس میرے لوگوں کا لمس تھا۔ کچھ ورثے میرے لیے تھے اُنہیں مجھے اپنے نام کرنا تھا۔ کچھ تحریریں جو شاید میرے نام ہوتیں، جنہیں میں پڑھنا چاہتی تھی۔ میرے آنگن کے درخت جن پر آم، جامن، شریفے، امرود، کگروندے اور دوسرے پھل لگتے جو ہمارے صحن میں برسوں سے ایستادہ تھے۔ مجھے اُن پھلوں کو چکھنا تھا۔ اُن کی شیرینی، اُن کا کھٹا پن، اُن کا کچا پن، مجھے اُن سب کا مزہ لینا تھا۔ مجھے نیم اور پیپل کے سائے میں بیٹھنا تھا۔ مجھے موگرے، گلاب کی کیاری میں پانی دینا تھا۔ رات کی رانی اور ہار سنگھار کے پھول صبح سویرے چاندی کے کٹورے میں بھرنے تھے۔ کچے صحن کے چھڑکاؤ کی سوکھی سوندھی خوشبو مجھے اپنے وجود میں سمونی تھی۔ گھڑونچی پر رکھے ہوئے مٹکے اور صراحی جو چنبیلی کے پھولوں کے ہار پہن کر صحن کی شان بڑھاتے تھے، اُن کا پانی چاندی کے اُس کٹورے میں پینا تھا جو اُن پر اوندھا کر رکھے جاتے تھے۔ زنجیر والی کنڈی کو ہلا ہلا کر بجانا تھا، خوش ہونا تھا، رونا تھا، سونا تھا۔ مجھے ''حسن منزل'' کو اپنی ملکیت کہنا تھا، اپنے آنگن کے کنوئیں میں اپنا عکس دیکھنا تھا۔ مجھے آبائی حویلی کی دیوار پھلانگ کر گنے کے کھیت، آم کے باغ، سنگھاڑے کے ڈھیر دیکھنے تھے۔ مجھے غازی پور اور علی گڑھ کی تمام روایتوں کو محسوس کرنا تھا۔ تو کیا یہ سب کچھ میرا حق نہ تھا؟ مگر محسوس

کرنے سے پہلے ہی مَیں وہاں سے جدا کر دی گئی۔ مَیں آج تک اس فیصلے کو پورے طور پر قبول نہیں کر پائی۔ مَیں ہجرت کرتی۔ مَیں ضرور یہاں آتی۔ مَیں پاکستان کو ہی اپنا وطن بناتی۔ لیکن اپنے کیے ہوئے فیصلے کے بعد۔ میرے لیے جس نے بھی یہ فیصلہ کیا مجھے زندگی بھر اُس سے شکایت رہی اور رہے گی۔ میری زندگی سے جُڑے سارے فیصلے دوسروں نے کیے۔ غلط وقت پہ کیے اور مجھے نظر انداز کر کے کیے اور یہ دوسرے مجھے کبھی اچھے نہیں لگے کیونکہ وقت نے ثابت کیا کہ یہ لوگ میرے تھے ہی نہیں!

میری عمر صرف چند سال کی تھی۔ مجھے نہ اپنے نام کے ہجے آتے تھے نہ مفہوم معلوم، کہ مجھے تو اُسی عمر سے اپنے آپ جینے کا قرینہ سیکھنا تھا۔ اماّں جائے نماز پر بیٹھی اللہ سے جانے کیا کیا باتیں کیا کرتیں۔ چھوٹے بھائی اور بڑی بہن سب ہی کٹی پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر کسی نہ کسی چھت، کسی نہ کسی درخت کی شاخوں میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ مَیں نے اُسی عمر سے خواب دیکھنے شروع کیے۔ میرے خوابوں کی ابتداء میں میری کسی اپنی خواہش کے بجائے ضرورت کا دخل تھا۔ اور ہر ضرورت کا سرا اپنے باپ سے جا کر جُڑ جاتا۔ مجھے پڑھنا تھا، نام کمانا تھا، خاندان کے بنائے ہوئے اصولوں کو برتنا تھا۔ اور بس اپنے آپ کو سڑک کے اس کونے تک پہنچانا تھا جہاں میرا خیال تھا کہ میرے ابّا کھڑے ہوں گے اور جب میں سڑک پار کر کے اُن تک پہنچوں گی تو وہ مجھ سے پوچھیں گے۔ تم نے کیا پڑھا ہے۔ تم نے آج تک کیا کیا ہے؟ مَیں اپنے جاننے میں سارے وہ کام کر رہی تھی جو کام اُنہیں پسند آ سکتے تھے۔ چونکہ کوئی خوبی مجھ میں اللہ کی طرف سے ودیعت نہیں ہوئی تھی اس لیے جو کچھ بھی کیا بس یونہی سا کیا۔ لیکن یہ بات کبھی نہیں بھولی کہ میرے ابّا کا نام حسن عبداللہ ہے جو کم عمری میں انتقال کر گئے اور جو اپنے عہد اور اپنے شہر کے نامی گرامی شخص تھے۔ جو لوگوں کے دلوں میں بستے تھے۔ جن کی خوبیوں سے ہر شخص واقف تھا۔ اور ہر محفل میں اُن کا تذکرہ تھا۔ ہر بڑا اور چھوٹا اُنہیں جانتا تھا اور اُن کے لیے اچھے جذبات و الفاظ رکھتا تھا۔ مَیں اسی غرور کو لیے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سیڑھیاں چڑھتی عملی زندگی میں آ گئی۔ معاشیات پڑھی، پڑھائی، ادب پڑھا۔ صحافت میں چکر لگایا۔ تحریر و تقریر اور پھر ایک درسگاہ میں جا کر پناہ ڈھونڈ لی۔ زندگی کے چالیس سال اُسے دے دیئے۔ ایسے دیئے کہ وہ

زندگی کا جزو نہیں بلکہ میری زندگی ہی بن گیے۔

اِن سب دنوں کے گزارنے میں یہ توفیق نہ ہوئی کہ باپ کی ہاتھ آئی ایک نامکمل ڈائری پر کچھ کام کر ڈالوں۔ فرصت کے رات دن تلاش کرتی رہی جو نہ ملے۔ شادی اور بچوں نے میرے چوبیس گھنٹوں میں سے پچیس گھنٹوں پر قبضہ کرلیا۔ دراصل مَیں بنیادی طور پر صرف ایک عورت تھی۔ گھر شوہر اور بچے میری چاہت کی تکون تھے۔ مَیں نے اپنے رات دن اُن پر لٹا دیئے اور اب۔ اب جب کہ تمام ذمہ داریاں نبھا چکی تو بہت سا پانی پلوں تلے سے بہہ چکا تھا۔ وہ سب لوگ جو میرے ابا کو جانتے تھے، اُن سے ملنے اُن کے پاس چلے گئے۔ اُن پر لکھنے والا اور اُن پر بولنے والا کوئی نہ بچا۔ وہ سارے خاندانی رشتے جن میں میری تین پھوپھیاں اور میری ماں شامل تھیں جو میری زندگی کا محور اور عزیز از جان تھیں، وہ بھی چلی گئیں۔ یہاں مَیں کہہ دوں مَیں اُن سب کی گنہگار ہوں۔ کاش جو کچھ مَیں آج کرنے چلی ہوں، اُن کی زندگی میں کرلیتی تو مَیں اپنی پُھوپھیوں کی گود میں سمٹ کر خوب روتی اور وہ ہمیشہ کی طرح مجھے اپنی بانہوں میں بھر کر اتنی گہری سانسیں لیتیں کہ مَیں اُن سانسوں کے ذریعہ اپنے ابا کے لمس کو محسوس کرلیتی۔ اپنی ماں کے ہاتھوں میں یہ کتاب پکڑاتی تو میری اماں اپنی دن بھر کی نمازوں اور تسبیح سے جو چند لمحوں کا خالی وقت پاتیں تو یہ کتاب سینے پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیتیں۔ اپنی جوانی کے وہ چند سال یاد کرتیں جو انہوں نے میرے ابّا کے ساتھ گزارے تھے۔ اور پھر آنکھیں کھولتیں اور جو بھی سامنے ہوتا کہتیں۔ دیکھا میری بیٹی کو، ابّا کی لاڈلی کو، اُس نے ہی وہ کام کیا جو اور کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر بتاتیں۔ تمہیں ابّا بہت چاہتے تھے۔ ہر وقت گود میں لیے ہوتے۔ مجھ سے کہتے اسے مجھے دے دو۔ بس یہ میری ہے۔ مَیں کہتی اور بھی تو بچے ہیں، اِس میں کیا خاص بات ہے۔ تب وہ کہتے۔ ''میری آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں وہ تم نہیں دیکھ سکتیں۔'' مَیں شرما جاتی، مَیں ڈر جاتی، ہائے ابّا مجھ میں کیا دیکھ رہے تھے؟ کیا دیکھنا چاہتے تھے؟ مَیں اُنہیں کتنا مایوس کر رہی ہوں۔ مَیں نے اُنہیں کتنا دکھ دیا ہوگا۔ مَیں نے محبت کا وہ سارا زمانہ گزار دیا۔ اب کوئی بھی نہیں۔ بس میرے اور میرے لوگوں کے بچے ہیں۔ کیا وہ

میری قربانیاں سمجھیں گے کہ مَیں نے اپنے ابا کا وقت بھی اُن پر وار دیا۔ اور کیا وہ اپنا وقت مجھ پر واریں گے؟ شاید نہیں کہ نسلیں ترقی کر رہی ہیں۔ سمجھ دار ہوگئی ہیں کہ ترقی میں پیچھے نہیں آگے دیکھا جاتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو وقت دیں گے کہ ہم تو گزرا زمانہ ہوں گے۔ آہ سارا زمانہ ہمارے ہی عہد میں بدلنے کو رہ گیا تھا!

چلیے آگے بڑھیے۔ آپ مجھ سے پوچھیے تو سہی میرے ابا کا یہ کلام میرے ہاتھ کیسے آ گیا؟ مَیں تو اپنے آپ سے بھی یہ پوچھتی ہوں کہ میری ولدیت ہندوستان سے سفر کرتے وقت مجھ سے کسی نے چھین کیوں نہ لی؟ جیسے میرے باپ کے محلے دو محلے۔ زمینیں، جائیداد، باغ، کتابیں، کپڑے، تصویریں، میرا بچپن، غرض کہ میری زندگی، میرا ابھرا پرا گھر۔ مَیں نے کئی گھروں میں اپنے باپ کے نام سے جُڑی چیزیں دیکھی ہیں۔ لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ میرے مکان پر اپنے نام کا بورڈ لگائے ہوئے ہیں۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا یہ تمہارے ہیں۔ تمہارے باپ کے ہیں۔ وہ صرف یہ اقرار کر لیتے، ہم اُن سے یہ سب کچھ چھین تو نہ لیتے۔ چند بوسیدہ کاغذات، پاسپورٹ، مختلف سندیں، تحریریں، شاعری کے صفحات اور ایک بالشت برابر ڈائری جس کے صفحات کبھی شاید سفید رہے ہوں، اب زمانے کی پیلاہٹ کا شکار ہیں۔ مجھے خواب میں یہ تمام چیزیں کسی فرشتے نے چپکے سے دے دیں اور مَیں نے اُنہیں پوٹلی بنا کر اِس طرح سنبھالا کہ پھر خود بھی کبھی کھول کر نہ دیکھا۔ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوئی تو اسے یوں تھامے رکھا جیسے یہ ابھی ابھی پیدا ہوا میرا بچہ ہے۔ اور سواری میں بیٹھ کر یہ دعا مانگ کر دوسرے گھر تک کا سفر پورا کیا کہ راستے میں کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ مَیں ان کاغذات سے محروم نہ ہو جاؤں کہ پھر تو میں بالکل ہی مفلس ہو جاؤں گی۔ مَیں تو بس مر ہی جاؤں گی۔ واقعی مَیں نے محسوس کیا کہ پھر ہرگز جی نہیں پاؤں گی۔ یہ کاغذات ہمیشہ میرے پاس حفاظت سے رہے، اتنی حفاظت سے کہ مَیں نے انہیں دیکھا بھی نہیں۔ بس یہ عہد دل ہی دل میں ہمیشہ رہا کہ ایک دن مَیں اسے ترتیب دے کر ''افکارِ حسن'' نام دوں گی۔ شاید وہ وقت اللہ نے اب ہی رکھا تھا کہ مَیں جیتی رہی، صدی بدل گئی اور میری ماں مر گئی!

''افکارِ حسن'' کی ترتیب میں صفحات پلٹتے وقت میری انگلیوں کی تھرتھراہٹ، میرے دل کی دھڑکنیں اور میری آنکھوں کی برسات۔ مَیں شاید اُن کٹھن لمحوں کا بیان الفاظ میں ڈھال نہیں پاؤں گی۔

کاغذات کا ایک دوسرے سے چپکنا دراصل اُن پر وقت گزرنے کی داستان سے متعلق ہے۔ حرف مٹ گئے ہیں۔ مگر ہر تحریر، ہر غزل سے پہلے مقام، موقع، شہر، تاریخ اور کس کی فرمایش پر لکھا گیا، اِس طرح درج ہے کہ بند آنکھوں سے کہانی کی روانی پڑھی جا سکتی ہے۔ وہ کب کہاں کس کس سے ملے، کس کے کہنے پر لکھا، کس موقع پر لکھا، کس شہر میں گئے، کب کب ہم سے دور رہے۔ کتنی داد پائی یہ تو ہم نہ جان سکے لیکن اُس زمانے کی شاعری کے معیار سے اس کے معیار کو ملایئے اور پھر فی البدیہہ شاعری کو مدِنظر رکھ کر ان کی شعر گوئی پر بلا کی گرفت کو محسوس کیجیے۔ وقت نے مہلت دی ہوتی تو آج تک اُن کی زندگی میں کتنے مجموعے آ چکے ہوتے۔ کتنی تنقیدی کتابیں چھپ چکی ہوتیں۔ اُن کا ادب میں یقیناً کوئی مقام بن چکا ہوتا۔ مگر جانے کی جلدی میں بس وہ اپنی یہ چھوٹی سی ڈائری، چند چھپے ہوئے کاغذات اور کچھ ادھوری تحریریں چھوڑ گئے۔ یا ہوسکتا ہے کہ وہ اور بھی بہت کچھ چھوڑ گئے ہوں۔ اپنے وسیع گھر کی عظیم لائبریری میں اُن کی کتنی ہی ذاتی تحریریں دب کر رہ گئی ہوں اور ہم تک پہنچنے سے قاصر رہ گئی ہوں۔ اُن کی چیخیں مجھے بارہا سنائی بھی دی ہیں۔ لیکن ملبے میں دبی زندگی زیادہ دیر زندہ کہاں رہتی ہے؟

مَیں اُن بُری اولاد میں سے ایک ہوں جس نے اپنے باپ کی قبر تک نہ دیکھی۔ اُن کی گزرگاہوں پر چل کر قدم پر اپنے قدم بھی نہ رکھے۔ اس شہر کو بھی نہ دیکھا کہ جس سے اُنہوں نے عشق کیا اور جہاں وہ آسودۂ خاک بھی ہوگئے۔ مَیں شاید آج بھی اُس ملک جاؤں، اُس شہر جاؤں، علی گڑھ جاؤں، اُس گھر جاؤں، یونیورسٹی کے قبرستان میں اُس قبر کے سرہانے کھڑی ہوں تو اپنے آنسوؤں کے سمندر میں غرق نہ ہوجاؤں کہ مَیں بھی تو اپنے اَن دیکھے ابّا کے عشق میں دیوانی ہوچکی ہوں۔ مَیں ایسا عشق پھر کسی سے نہ کرپائی۔ اپنی ماں سے بھی نہیں جو اگر میری زندگی

میں دیر تک نہ ہوتیں تو مَیں اللہ سے باغی ہو جاتی اور کفر بکنے لگ جاتی۔ اپنے شوہر، اپنے بچوں سے بھی نہیں، اپنی پُھوپھیوں سے بھی نہیں، اپنی بہن اور اپنے بھائیوں سے بھی نہیں، اپنے دوستوں سے بھی نہیں جو میری زندگی میں مجھے جینے کا بھرپور حوصلہ دیتے ہیں اور مَیں جنہیں بہت بہت چاہتی ہوں۔ لیکن مَیں اپنی اِن تمام چاہتوں کا مقابلہ اُس شخص کی چاہت سے کیسے کروں جو میری زندگی میں کبھی آیا ہی نہیں اور میری ساری زندگی اپنے ساتھ لے گیا۔ ساری چاہت اپنے نام کرا گیا۔

اُس نے مجھے اپنا نام دیا، شناخت دی، مَیں اُس کی شکر گزار ہوں۔ اُس نے مجھے اپنا جیتا جاگتا وجود اور پھیلی ہوئی بانہیں اور اپنی گود نہیں دی۔ آج مَیں تمام محرومیوں کے باعث جس قدر کم علم اور کم سمجھ ہوں اُس کی ہی مطابقت سے اپنا چھوٹا سا دیر سے کیا ہوا کام ''افکارِ حسن'' کے نام سے اُس کے حضور پیش کر رہی ہوں۔ اس کی ''نخلِ باغِ آرزوئے دل'' ہونے کا دعویٰ ہے مگر ایک ایسی کام چور اور نالائق طالب علم کے طور پر جس نے اپنا ہوم ورک وقت پر نہیں کیا، مَیں اپنے ابا سے مخاطب ہوں۔

''سینٹ جانس کالج آگرہ کے پروفیسر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کنٹرولر اور اسٹیوارڈ حسن عبداللہ صاحب آپ جو بھی سزا تجویز کریں، آپ کی اس نالائق بیٹی کو بسر و چشم قبول ہے۔ مگر میرے ابا ''افکارِ حسن'' کو میرے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیجیے۔ اس میں باقی رہ جانے والی غلطیوں کو نظر انداز کر دیجیے۔ اس بات کی داد دیجیے کہ وقت کی بہت پابند آپ کی بیٹی نے بہت وقت گزر جانے کے بعد بھی آپ کے افکار کو بے نشان نہیں چھوڑا۔ ذرا سا مسکرا دیجیے اور میری ماں سے کہیے جنہیں مَیں نے اپنے ہاتھوں سے نہلا دھلا کر اور سفید لباس پہنا کر آپ کے پاس بھیج دیا ہے کہ اُن کی مُنّی نے آج اپنی زندگی کا سب سے بڑا کام کر دیا ہے۔ مَیں اُن کا جواب جانتی ہوں۔ وہ کہیں گی ''یہ کام تو صرف میری مُنّی ہی کر سکتی تھی''۔ بس یہی تو میری محنت کی اجرت ہے۔ مگر ابا آپ میرے زندگی بھر کے اِس واحد کارنامے پر مجھے کس طرح داد دیں گے کہ مَیں تو آپ کو جانتی ہی نہیں اور ساری زندگی اِسی خواہش میں گزار دی

کہ مَیں آپ سے ملی ہوتی اور آپ کو جانتی۔

آپ نے جتنی زندگی گزاری اُس میں مَیں نہیں تھی اور جو زندگی مَیں نے گزاری اُس میں آپ نہ تھے۔ مگر شجرۂ نسب کہتا ہے کہ ہم باپ بیٹی تھے۔ آپ نے مجھے نام دیا، آج مَیں آپ کو اپنا کام دے رہی ہوں۔ آپ کے مرتبے سے بہت کم اور میری صلاحیتوں کے مقابلے میں بڑا کام۔ آپ کے افکار آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ قبول کیجیے۔

□

امّاں کی چند یادگار تصاویر



فریئر ہال، کراچی میں پھولوں کی نمائش دیکھتے ہوئے



امّاں اپنے خیالوں میں



شجرِ سایہ دار

نوشابہ صدیقی

میری امّاں

حسن منزل سے...... حسن منزل تک

مَیں نے پوری زندگی اپنے آپ سے سوال کیا ہے کہ لمحے جو گرد بن کر فضاؤں میں تحلیل ہو چکے ہیں، انہیں اپنی آیندہ زندگی میں جوڑ دوں یا گھٹا دوں......؟

یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ یہ سوال بے معنی ہے۔ بھلا زندگی میں کوئی چیز خود سے جوڑی یا گھٹائی جاسکتی ہے؟ قدرت نے تو ازل سے ہی ہماری تقدیر لکھ دی ہوتی ہے اور پھر سب کچھ ویسا ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن ہم لکھی ہوئی ہر بات کو چیلنج کرنے میں اپنی عمر گزار دیتے ہیں۔ میرے بھی نصیب میں یہ ازل سے لکھا تھا کہ مَیں کہاں پیدا ہوں گی......؟ کس کی گود میں آنکھ کھولوں گی؟ کس کی بانہیں مجھے نصیب ہوں گی۔ اور کن یادوں میں مَیں اپنی تمام زندگی گزار دوں گی۔ مَیں نے بار ہا بہت سارے لمحے یہ سوچ سوچ کر بسر کیے ہیں کہ میرے ماضی کا سفر کہاں سے شروع ہوا اور کس کس موڑ سے ہوتا ہوا آج کہاں تک آ پہنچا ہے۔ یقین جانیے مَیں ماضی پرست نہیں مگر پھر بھی اس سے انکار نہیں کہ مَیں ماضی پسند ضرور ہوں۔

مَیں آپ کو سچ بتاؤں مَیں نے مستقبل کا کوئی بھی منصوبہ کبھی نہیں بنایا اور اگر بنایا ہے تو وہ آپ ہی آپ ٹوٹ بھی گیا ہے۔ مَیں ہر بات فوراً اور ابھی کرتی رہی۔ یوں مَیں ہمیشہ لمحوں ہی میں جیتی رہی۔

جب مجھ میں سمجھ آئی تب مَیں نے اپنے آپ کو ایک ایسی لکیر پر کھڑے پایا کہ اگر پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو بہت سارے پیارے رشتوں کے نشان بھی مٹ چکے تھے۔ بہت سارا اور شہ مجھ سے

چھن چکا تھا۔ اور زندگی گزارنے والی میری آنکھوں کے سامنے والی لمبی لکیر دھندلی تھی مگر دور تک جاتی تھی۔ کئی ایک رشتوں کی موجودگی کے باوجود صرف ایک سفید ساڑھی، سونی کلائی اور ہاتھوں میں تسبیح تھامے ایک ایک دانے کا شمار کرتی میری ماں بس میرے پاس تھی۔ جس کے پاس ایک وقت کا کھانا دینے کی سکت نہیں تھی۔ ایک جوڑا کپڑے بنانے سے وہ عاری تھی۔ مجھے کتاب کاغذ اور قلم تک خرید کر پکڑانے سے مجبور تھی۔ مَیں نے جب اسے اس کے ماضی کی لکیر پر کھڑے دیکھا تب وہ ڈھیروں وراثتوں کے پلندے اٹھائے ہوئے تھی۔ بڑی بڑی حویلیاں، کھیت، باغ، زمینیں، بینک بیلنس، لاکر میں رکھے سیونگ سرٹیفکیٹس، آن بان شان، عزت، نام، پہچان۔ اچانک اس نے قائد کی ایک تصویر کے قدموں میں یہ سب چیزیں رکھ دیں۔ ہجرت اختیار کی، مہاجر بنی اور ''ننگی بھوکی'' کہلائی۔ مَیں نہیں جانتی یہ کون سا جذبہ تھا۔ صحیح تھا یا غلط تھا۔ شاید میری عمر یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کی ابھی آئی ہی نہیں تھی۔ لیکن میرے حافظے میں یہ بات ضرور موجود تھی کہ میرے لیے میرے ابا روز ایک جوڑی جوتا لاتے۔ مجھے نئے نئے جوتے پہننے کا بہت شوق تھا۔ رات میں جب سونے کے لیے وہ جوتا اتارا جاتا تب مَیں اس کے تلے میں مٹی دیکھ کر بہت روتی۔ یہ گندہ ہوگیا مجھے دوسرا چاہیے۔ میرے لیے وہ جوتا صاف نہ کیا جاتا بلکہ دوسرا آجاتا۔ مزاج تو بچپن ہی میں بنتا ہے۔ بچوں کے لاڈ میں انہیں خراب کرنے والے دوسرے نہیں اس کے اپنے ابا اماں ہی ہوتے ہیں۔

نئے ملک میں آکر مَیں بڑی ہوچکی تھی مگر میرے اندر کا وہ بچہ ابھی بھی موجود تھا۔ ایک دن مجھے اپنے سفید سوٹ کے لیے سفید جوتا چاہیے تھا۔ اس کی قیمت 28 روپے تھی جو اس وقت کے لحاظ سے اور اپنی حیثیت کے مطابق بھی بڑی رقم تھی۔ میری ماں کی جمع پونجی صرف تیس روپے تھی۔ جانے اُس نے اِس رقم کے ساتھ کتنی ہی ضرورتوں کو جوڑ رکھا تھا۔ میری ماں نے وہ ساری رقم میرے ہاتھ پر رکھ دی۔ آنے جانے کا کرایہ اور بوہری بازار کی چاٹ پر 2 روپے خرچ ہو گئے اور مَیں 28 روپے کا وہ جوتا لے کر گھر آ گئی۔ بلیز ابوٹ ہاؤس آج بھی بوہری بازار میں اسی جگہ قائم ہے۔

مَیں اکثر اس بازار سے اب بھی گزرتی ہوں۔ وہاں ٹھہر جاتی ہوں۔ آنکھیں بھر آتی ہیں۔

اور مَیں اپنے آپ کو بہت بُری لگتی ہوں۔ یقین نہیں آتا کہ بلا تکلف مَیں نے اپنی ماں سے وہ ساری جمع پونجی کیوں کر حاصل کر لی تھی۔ اُن کی بھی تو سو ضرورتیں رہی ہوں گی اور اپنی کون سی۔ اُن کے اور بھی تو بچے تھے۔ یہ روپۓ لیتے وقت میرا احساس کیوں سو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم وہ رات یا بعد کی راتیں میری ماں پر کیسے گزری ہوں گی۔ مگر اُس تاریخ سے لے کر آج کی تاریخ تک مَیں اپنے احساسِ جرم سے باہر نہیں آ پائی۔

جرم تو مَیں نے اور بھی بہت سے کیے ہیں۔ مگر میری زندگی کا سب سے بڑا جرم وہی ہے جو ابھی ابھی مَیں نے آپ کو بتایا ہے۔ اُس کے بعد سے مَیں نے پھر اپنی ماں سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ صرف ماضی کی داستان سنانے کی فرمائش کرتی رہی۔ اب سوچتی ہوں تو یہ بھی میرا جرم تھا۔

مَیں نے تو ابھی اپنی زندگی کے چند قدم ہی اٹھائے تھے مگر وہ تو میرے باپ سے جدا ہونے کے بعد بہت سارے قدم اٹھا چکی تھیں۔ بہت سارے نوکیلے پتھروں نے اُن کے پاؤں لہولہان کیے تھے۔ جانے کتنی ٹھوکریں کھائی ہوں گی۔ اپنے سر پر بارہا آسمان بھی تلاش کیا ہوگا۔ کئی بار آنکھیں بند کر کے گزرے ہوئے بے مثال دنوں کی تصویر بھی دیکھی ہوگی۔ وہ دن جو سایہ بن کر اُن کا پیچھا کرتے رہے ہوں گے۔

اُن کے گھر کا مہکتا آنگن۔ اُن کے اردگرد کھِلتے مسکراتے پھول، ہاتھوں میں چمکتی دمکتی چوڑیاں، مہندی سے رنگے لال لال ہاتھ، اُن کی خوب صورت بارڈر والی ساڑھی اور کبھی کبھی ڈھلا ڈھلایا غرارہ، کروشیا کی بیل ٹکا چُنا ہوا دوپٹہ، اُن کے جسم کو گدگداتا تو ہوگا۔ مگر اُن کی آنکھوں میں چُھپے آنسو اور ذہن میں گھر کی ہوئی یادوں کو محسوس کرنے والا پھر کوئی بھی نہیں تھا۔

اب اُن کے پاس اُن کے اپنے بچے تھے۔ وہ اُن کا باپ اور ماں دونوں تھیں۔ بچوں نے اُن کی عزت کی۔ محبّت بھی کی۔ اُن کی ضرورتوں کو پورا بھی کیا۔ اُنہیں محروم نہیں رہنے دیا لیکن ہم نے اُن کی آنکھوں کی اس حیرت کا راز کبھی نہیں جانا۔ مگر آج جب مَیں اُن کی آخری عمر کی حدوں تک تقریباً پہنچ گئی ہوں، تب مَیں نے اُن کی حیرتوں کا کسی قدر سراغ پالیا ہے۔

مَیں بھی اُن ہی کی طرح پانچ بچوں کی ماں ہوں۔ میرے بھی بچے مجھے چاہتے ہیں۔ یا کم از کم چاہنے کا دکھاوا ضرور کرتے ہیں۔ مَیں دکھاوے کی بڑی قائل ہوں۔ جانے آپ مجھ سے اتفاق

کریں نہ کریں۔ مگر زندگی کو کسی قدر سکون بخشنے کے لیے دکھاوا بڑا کام کر جاتا ہے۔ وہ مجھے اپنے گھر بلاتے ہیں۔ میری ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے تفریح بھی فراہم کرتے ہیں۔ مگر اولاد کی طرف سے عطا کردہ تمام مسرتیں اور ضرورتیں ایک طرف، اپنے شریکِ سفر کا دیا ہوا ایک روپیہ، ایک بُندہ، ایک انگوٹھی یا ایک جوڑا اُن سب مال و متاع پر بھاری ہوتا ہے۔ اب مَیں نے جانا ہے کہ ماں بچوں کو کچھ بھی دے دے ٹھیک ہے مگر بچے ماں کو دیں تو کچھ بھی ٹھیک نہیں۔ اِس سے زندگی کے دن تو پورے ہو جاتے ہیں مگر زندگی بسر نہیں ہوتی۔ مَیں یاد کرتی ہوں اپنے گھر کا وہ دالان جہاں وہ اپنی چار پائی پر لیٹی چھت پر لٹکے پنکھے کو یک ٹُک دیکھا کرتی تھیں۔ مَیں نے تب کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ اُس چلتے پنکھے کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہن کا پنکھا بھی تو چلتا رہا ہوگا! ماضی کی تمام راتیں، تمام دن، تمام رشتے، تمام ہنگامے، تمام چیزیں، اپنا گھر، اپنا آنگن، اپنا کمرہ، اپنی الماری، الماری میں لٹکے بے شمار جوڑے، صندوق میں رکھے بہت سارے زیور، موقع موقع سے ملتے ہوئے تحفے، تصویریں، تحریریں، کتابیں...... بس ایک ہجرت نے سب سے بے دخل کر دیا۔ اُنہیں وہ سب کچھ یاد تو آتا ہی ہوگا نا۔ وہ آنگن جہاں کھیلتے اُن کا بچپن گزرا۔ اُن کے ابّا امّاں جہاں کی وہ اکلوتی لاڈلی تھیں۔ وہ آنگن جہاں اُن کی ڈولی اُتری تھی۔ سجا سجایا وہ کمرہ جہاں اُنہوں نے ہمارے ابّا کا پہلی بار سامنا کیا تھا۔ کیا کچھ نہ تھا اُن کی یادوں میں! مَیں مجرم ہوں مَیں نے اُن دنوں اُن کی محرومیوں کو محسوس ہی نہیں کیا۔ بس یہ دیکھتی رہی کہ وہ پانچ نہیں دن میں آٹھ نمازیں پڑھتی ہیں۔ رات بھر وقفے وقفے سے جاگتی ہیں۔ بار بار وضو کرتی ہیں۔ طویل سجدوں میں کھو جاتی ہیں۔ آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکاتیں مگر ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ بھی تو نہیں لاتیں۔ مَیں کیوں محسوس نہیں کر پائی کہ اُن کے دل میں سب کچھ خون کیوں ہو چکا ہے۔ اور یہ کہ وہ کتنی اکیلی ہیں۔ مَیں اُن سے اپنے لاڈ کراتی رہی۔ کروشیا کی بیلیں اپنی چادروں پر لگواتی، سلمٰی ستارے کے کام قمیص کی آستین اور دامن پر بنواتی رہی۔ گوٹا کرن دوپٹے پر ٹکواتی رہی۔ وہ ریشمی لال نیلے کپڑوں پر مجھ سے ماشاء اللہ، یا محمد اور یا اللہ لکھواتیں۔ اُن پر ستارے ٹانکتیں پھر فریم کرا کے دیوار پر سجاتی رہیں۔ وہ محلے بھر کی لڑکیوں کی شادی پر جہیز میں اپنی طرف سے یہ فریم اور قرآن شریف کے جگمگاتے جُزدان کا تحفہ دیتی رہیں۔ ڈوری والے گول بٹوے، رنگین ساٹن کی

بنائی ہوئی جائے نماز میں بھی ستارے چُن دیتیں۔ تب بے وقت بھی نماز پڑھنے کو جی چاہنے لگتا۔

وہ کتنی ہنر مند تھیں۔ خاندان کی تمام لڑکیوں کے جہیز میں اُن کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزیں شامل ہونا ضروری تھیں۔ ساڑھی پر فال لگانا اور دوپٹوں پر گوٹا ٹانکنا تو گویا اُن کی ذمہ داری تھی ہی۔

میرے جہیز میں دستر خوان بنانے بیٹھیں تب مَیں نے کہا امّاں اب تو میز پر کھانا کھایا جاتا ہے۔ دستر خوان کی کیا ضرورت ہے۔ وہ سنی اَن سنی کرتے ہوئے دستر خوان کا کپڑا پھیلا دیتیں۔ پلیٹ، چھری کانٹے ریشمی دھاگوں سے کاڑھتیں۔ کھانے سے متعلق فارسی کے اشعار درمیان میں لکھتیں۔ تکیے کے غلاف پر ''اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی'' میری ہی لکھائی میں لکھواتیں۔

امّاں آپ تو سونے سے پہلے اُٹھانے پر تُلی بیٹھی ہیں۔

زیادہ سونا اچھا نہیں۔ راتوں کو بھی جاگنا چاہیے۔ اللہ ہمیں رات میں نیند دے کر ہماری بندگی کو آزماتا ہے۔ امّاں کا جواب ہوتا۔

بستر کی چادریں بھی پھول پتوں سے آراستہ کرتیں۔ ایک ایک بالشت چوڑی کروشیے کی خوبصورت بیل بُن کر خود ٹانکتیں۔

امّاں اب تو چھپی چھپائی خوبصورت چادریں مل جاتی ہیں۔ آپ اتنی محنت کیوں کرتی ہیں۔

مل جاتی ہوں گی وہ بے زاری سے کہتیں۔ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

جگ گلاس پر موتیوں کا Cover بنایا تب مَیں پھر بولی۔

امّاں یہ کیوں بنایا ہے۔ بازار میں یہ سب بنے بنائے ملتے ہیں۔

ملتے ہوں گے۔ میرے ہاتھ کی چیزیں تمہارے لیے یادگار رہوں گی۔

چائے دانی پر اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ٹی کوزی جس پر انہوں نے ستارے ٹانک کر Hot Tea لکھ دیا تھا۔

مَیں ہنس کر بولی امّاں چائے دانی جو ٹی کوزی اوڑھے ہوئے ہے اس پر ہاٹ ٹی لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ چائے تو گرم ہے ہی۔

ہوگی، مگر لکھنے کا کیا نقصان ہے۔ وہ آپ ہی آپ جواب دیتیں۔
مَیں ان کے جواب کی گہرائی میں کیوں نہیں جاتی تھی؟
ڈوری والے بٹوے میں میوہ اور سونف سپاری بھر کر جب وہ مجھے اور دوسروں کو دیتیں تب مَیں پھر بولتی۔

''امّاں بٹوے میں میوے اور سونف تھوڑے ہی دنوں میں نرم پڑ جائیں گی۔ اسے شیشی میں نہ رکھ لیں۔'' ''مَیں نے تو بٹوہ اسی کے لیے بنایا ہے۔ وہ کہتیں۔ مَیں غور سے بٹوہ دیکھتی۔ اس کے گول کناروں پر چپٹی گول گول چمکی لٹکتی بھلی لگتی۔ اُن کی ڈوریوں میں پھندنے لگے ہوتے جنہیں کھولنے بند کرنے میں بڑا مزہ آتا۔ کتنا ہنر چھپا تھا اُن ڈوریوں کے اُلٹ پھیر میں۔

بہت سارے رنگ برنگے بٹوے بنا کر انہوں نے مجھے دے دیے۔
''امّاں کی یادگار''۔ ایک بٹوے کے اندر سے یہ تحریر نکلی۔
یہ تحریر آج بھی اُن ہی بٹوں میں دفن ہے۔ اس پر میری آنکھوں سے ٹپکا ہوا آنسو بھی جذب ہے۔ شیشی میں رکھی سونف سپاری پر بھلا کبھی کسی نے اپنے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی گرایا ہے؟

مزے دار کھانے جو صرف وہی پکا سکتی تھیں۔ کڑھی کی طرح کی بیسن کی ٹکیاں جسے وہ بھاپ پر پکاتیں پھر مزے دار شوربہ بنا کر ناؤ کی طرح تیرا دیتیں۔ ویسا سالن پھر کبھی کھانے کو نہیں ملا۔

اروی کے پتّوں میں ماش کی پسی دال چھپا کر اسے وہ مچھلی کے تلوں کی طرح بناتیں تب سچ مچ اُس میں مچھلی کا ذائقہ بھی آ موجود ہوتا۔

خشخاش کا سالن اور چٹ پٹی چٹنی جسے خالی خالی بھی کھایا جائے تو پیٹ بھر جائے۔ جانے وہ اتنی مشکل مشکل چیزیں کیوں پکاتی تھیں۔ وہ پکاتی جاتیں ہم کھاتے جاتے۔ کبھی سیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بھلا یہ ذہن میں کب آیا تھا کہ ایک دن وہ چپکے سے کہیں گم ہو جائیں گی اور ہم آنسو بہاتے رہ جائیں گے۔

گرمی کی اُن چلچلاتی دوپہروں کو ہم کیسے بھول جائیں۔ ہم تو اپنے کمرے میں بستر میں دھنسے ہوتے۔ امّاں دھوپ میں چارپائی پر چادر بچھا کر آم کی پھانکوں کو ہلدی لگا کر سکھا رہی ہوتیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں جاتیں، ہم کتاب سے فارغ ہو کر اپنے کمرے سے

نکل پڑتے۔ صحن میں جا کر چوری چوری ڈھیروں پھانکیں چٹ کر جاتے۔ اس پر چیکی ہلدی بھی بُری نہیں لگتی تھی۔ جانے اُن دنوں ہر کچی چیز اچھی کیوں لگتی تھی اور چوری میں بھی کتنا مزہ تھا۔

وہ دھیرے سے کہتیں ہمیں معلوم تھا اتنی پھانکیں تو کم ہو ہی جائیں گی۔ مسالہ ہم نے اسی حساب سے بنایا ہے۔

مرتبان میں تیل ڈالتیں اور سوکھا آم اُس میں ڈال کر ململ کا شفاف کپڑا اُس پر باندھ کر دالان کے کونے میں رکھ دیتیں۔

گندے انسان کی پرچھائیں بھی اچار پر پڑتی ہے تو اچار خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیں سمجھانے کی کوشش کرتیں۔

ہم گندے تھوڑی ہیں۔ تیار ہونے سے قبل اچار آدھا رہ جاتا۔ ہم اکیلے تھوڑی کھا جاتے۔ اُن دنوں ہماری درجنوں سہیلیاں بوسونگھتی بلاوجہ ہمارے گھر کے چکر لگاتی رہتیں۔ اماں بے خبر تھوڑی ہوتیں۔ یوں ہر روز غائب ہوتا اچار انہیں ذرا تکلیف نہیں دیتا تھا۔

ہمارا چٹکے چٹکے کھانا انہیں اچھا لگتا۔ یہ بات ہم اُن دنوں بھی جانتے تھے۔ اور ہماری سہیلیاں اِس سالانہ فیسٹیول کے لیے ہر دم اپنے کو تیار رکھتی تھیں۔

جب وہ لمبے بینگن کو اچار کے انداز میں پکاتیں تب ہم سوچتے حیدرآبادی گول بینگن لاکھ مشہور سہی مگر اماں کے لمبے بینگن کا سالن اس سے کہیں اچھا ہے...... اماں ہمیشہ خود ٹھنڈا کھانا کھاتیں مگر کوشش کرتیں کہ ہم کو گرما گرم کھانا ملے۔ یہ راز ہم اُن دنوں تک نہیں جان پائے جب تک ہم خود اماں نہیں بن گئے۔

اماں کو کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ مولانا مودودی، مولانا روم کی اور دیگر مذہبی کتابیں اُن کے سرہانے ہوتیں۔ اخبار، ریڈیو اور ٹی وی کے الگ الگ اوقات تھے اور اُن کے پروگرام خانوں میں بٹے تھے۔ ریڈیو پر خبریں سنا کرتیں۔ کہتیں خبر سننے کی چیز ہے دیکھنے کی نہیں۔ ٹی وی پر نعتیہ مشاعروں میں اُن کی جان اٹکی ہوتی۔ ہر نعت پر واہ واہ اور آنسوؤں کی برسات جاری رہتی۔ اخبار کی ساری سیاست وہ صبح ہی ختم کر لیتیں۔ دنیا بھر کے ملکوں کے بارے میں انہیں بہت کچھ معلوم تھا۔

وہ عجیب تھیں۔ ہندوستان چھوڑ آئی تھیں۔ اب انہیں وہ اچھا نہیں لگتا تھا بالخصوص اس وقت جب کرکٹ میچ ہو رہا ہوتا۔ پاکستان جیت جاتا تب دو رکعت شکرانہ اُن پر واجب ہو جاتا۔ اُنہیں ہاکی کا میچ بھی اُسی وقت اچھا لگتا جب پاکستان جیت رہا ہوتا۔ وہ میچ دیکھتی نہیں تھیں۔ صرف یہ پوچھ لیتیں پاکستان جیت رہا ہے نا......؟

ہم اُس وقت بھی سوچتے، اُنہیں ہندوستان کیوں اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہاں اُن کے ابّا اور امّاں دفن ہیں۔ ہمارے ابّا بھی وہیں رہ گئے۔ وہاں اُن کے نام کی متعدد حویلیاں، باغ، کھیت کھلیان موجود تھے۔ وہ خالی ہاتھ بھرے ذہن کے ساتھ چلی آئی تھیں۔ اُن کی ساری اچھی یادیں ایک پاکستان پر قربان ہو گئیں۔ مگر جب انہیں کوئی سر پھرا مہاجر کہتا۔ ''ننگا بھوکا'' کہتا۔ اُن کی آنکھوں میں ستارے اُتر آتے۔ وہ کروٹ بدل کر منہ اُدھر کر لیتیں جدھر دیوار ہوتی۔ بس وہی چند لمحے ہوتے جب وہ ہمارے درمیان نہیں ہوتیں تھیں۔

ہم اُن کے دکھ کو کیوں محسوس نہیں کرتے تھے۔ اُن کا منہ دیوار سے موڑ کر دوسری طرف کیوں نہیں کر دیتے تھے جدھر ہم بیٹھے ہوتے۔ ہم باتیں کرتے، جی بہلاتے اُن کی آنکھوں کے ستاروں کو رومال میں جذب کر لیتے۔ اپنے وجود کا احساس دلاتے ہوئے کہتے۔

''امّاں آپ تو بہت بہادر ہیں۔ آپ نے تو اپنا شجرۂ نسب تک لٹا کر ہمیں اپنا ایک آزاد ملک دے دیا ہے۔ آپ تو اَن مول ہیں۔ آپ تو بے غرض ہیں۔ آپ کی نسل پر ہمارا اسلام واجب ہے۔''

مگر ہم نے تو اُن سے یہ سب کچھ نہیں کہا۔ وہ اکیلی تھیں اِس کا احساس ہمیں آج اتنے برسوں بعد ہو رہا ہے جب ہماری ساری اولادیں آزاد پاکستان کو چھوڑ کر، اپنی شہریت کو مٹا کر دوسرے ملکوں میں آباد ہو گئی ہیں۔ ہمارا بھی منہ اب اُسی دیوار کی طرف ہے جدھر امّاں کروٹ لے لیا کرتی تھیں۔ وہ جو کچھ سوچا کرتی تھیں آج ہم وہی کچھ سوچ رہے ہیں۔ آج ہم بھی تو اکیلے ہیں!

وہ صبح سویرے سورۃ بقرہ کا ورد کرتیں۔ ڈھائی سپاروں پر پھیلی ہوئی یہ سورۃ وہ روز صبح پڑھ لیتیں۔ ہماری آنکھ اُن کی تلاوت سے کھلتی۔ پھر وہ دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کرتیں۔ اس کے بعد وہ نعتیں پڑھتیں اشکبار آنکھوں سے۔ پھر دھیرے دھیرے ہم بچوں تک آتیں۔ ہمارے لحاف کے کونے ہٹاتیں۔ ہم جاگ رہے ہوتے، مضبوطی سے کونے پکڑ لیتے۔ امّاں اب اپنی

ٹھنڈی ٹھنڈی پھونکیں ہمارے چہروں پر چھوڑ دیتیں۔ یہ عمل جب انہوں نے ہمارے بچوں پر بھی دہرایا۔ تب بچے کہتے، نانی اماں ٹھنڈی ٹھنڈی نماز پھونکتی ہیں۔ ہمیں سردی لگتی ہے۔ وہ بچوں کی توتلی زبان سے ادا ہوتا یہ جملہ سن کر بہت محظوظ ہوتیں۔

کہتیں جو کچھ پڑھو اُسی وقت اپنے پیاروں کو بخش دو۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ قرآن ختم کرنے کا انتظار کیا جائے۔ جو دینا ہے فوراً دو۔ کل کی کسے خبر؟ وہ بتاتیں مَیں جب تک زندہ ہوں اپنے اماں ابّا اور بزرگوں کو روزانہ دعاؤں کا تحفہ بھیجتی ہوں۔ ان کی بخشش کے لیے اللہ سے ضد کرتی رہتی ہوں۔ جب میں مر جاؤں گی بخشش کی رسد رک جائے گی۔ ہم اور وہ کتنے الگ الگ ہیں۔ ہماری بخشش اور دعائیں ایدھی اور سیلانی فنڈ کے ذریعے اُن تک پہنچتی ہیں۔ صبح اٹھنا، تلاوت کرنا اور جو کچھ پڑھا ہے اسے اُن پیاروں کے حضور خود ہی پیش کر دینا اب ہمارے لیے کتنا مشکل ہے۔ میری آنکھوں میں ان کی یاد کے ستارے اٹکے رہتے ہیں۔ مَیں بہانہ بناتی ہوں چشمہ اتارتی ہوں۔ ٹیشو سے آنسو خشک کرتی ہوں۔ شاید آنکھیں کمزور ہیں، ڈاکٹر کو دکھاؤں گی۔ مَیں اپنے آپ سے بھی اور دوسروں سے بھی جھوٹ بولتی ہوں۔ شرمندگی کے آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں ڈاکٹر کو نہیں دکھائی جاتی ہیں۔ یہ تو رسوا ہو جانے والی نشانیاں ہیں۔ اب سوچ سوچ کر اماں کی بے چینی مجھے جینے نہیں دیتی۔ اُن کی اُس تنہائی، اُس اکیلے پن کو مَیں نے کیوں نہیں بانٹا؟

مگر وہ پھر بھی مجھ سے خفا نہیں تھیں۔ تب ہی تو جب انہوں نے سفرِ آخرت کا ارادہ کیا تو پورے ایک سال میرے ساتھ آ کر رہنے لگیں۔ میری بخشش کے دن رات کی لگام انہوں نے میرے ہاتھوں میں پکڑا دی تھی۔ پھر اُنہیں چپ لگ گئی۔ وہ اندر سے بے حد اکیلی ہو گئی تھیں۔ اُن کا جسم روز بروز سکڑتا جا رہا تھا اور ہلکا ہو رہا تھا۔ انہوں نے چلنا پھرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے کھانا بھی نہیں کھا پاتی تھیں۔ وہ سورۃ بقرہ بھی نہیں پڑھ پاتی تھیں۔ مَیں صبح سویرے کیسٹ لگا دیتی کبھی تلاوت کا کبھی نعتوں کا۔ جانے اُن کے کان سنتے تھے بھی یا نہیں مگر اُن کی آنکھوں کی حرکت میں بے بسی کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا اشارہ موجود ہوتا۔

مَیں انہیں نہلاتی، بال بناتی۔ اُن کے خشک کھردرے جسم پر ویسلین کی مالش کرتی۔ ان کے پیمپر بدل کر سامنے بٹن والا کرتا پہنا دیتی۔ اُن کی آنکھوں کی پتلیوں میں تیزی سے حرکت ہونے

لگتی جیسے وہ کہہ رہی ہوں یہ کام صرف بیٹیاں ہی کر سکتی ہیں۔ پھر وہ خاموش آواز میں ہمیشہ کی طرح ایک بات اور دہراتیں۔ مَیں نے تمہارے۔لیے ہمیشہ ایک بیٹی کی دعا مانگی تھی مگر وہ پوری نہیں ہوئی۔ دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ کچھ ہوا میں معلق رہتی ہیں اور کچھ آسمان کی حفاظت میں چلی جاتی ہیں، مگر روزِ حشر وہ پوری کر دی جائیں گی۔

جانے بیٹی پانے کی دعا کو اللہ نے روزِ حشر پوری کرنے کے لیے کیوں رکھا ہوا ہے؟ اللہ کی مصلحت اللہ ہی جانے۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں مگر ہاں میرے دل کی بہت سی باتیں میرے دل ہی میں دفن ہیں۔ انہیں کسی سے کہنے کے لیے مَیں نے خوب صورت اور موثر الفاظ کا خزانہ بھی اپنے دل میں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ دیکھیں یہ الفاظ کب ادا ہوتے ہیں اور کسے مخاطب کر کے۔ مَیں نے جب اپنی امّاں کو زمین پر رکھے ایک تختے پر لٹا کر آخری بار نہلایا تھا تب میری آنکھیں خشک تھیں، میرا دل البتہ جل تھل تھا۔ جہاں میرے احساس کے تمام الفاظ پگھل کر تیر رہے تھے۔ مَیں اماں سے مخاطب تھی۔ اماں مَیں اپنے دل کی بہت سی باتیں آپ سے یوں نہیں کہہ پائی کہ میرے پاس وقت کی کمی تھی۔ مَیں اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرنے میں لگی تھی۔

آج میرے پاس وقت ہے تو آپ جا چکی ہیں۔ ہمیشہ ایسا ہی کیوں ہوتا ہے؟ میرے بچوں کے پاس بھی وقت کی کمی ہے۔ جب ان کے پاس وقت ہوگا تب مَیں بھی نہیں ہوں گی۔ لیکن شاید اُنہیں اس بات کا افسوس بھی نہیں ہوگا۔ دنیا بدلنے کے ساتھ احساس کی شدت بھی مٹ چکی ہے۔

اماں آپ نے جہاں زندگی میں بہت سے کمال کیے ہیں، مرنے کے بعد ایک کمال اور کر دیں۔ میرے دل کی یہ بات سن لیں کہ آپ کے لیے سننا اور میرے لیے یہ کہنا بہت ضروری ہے۔

اماں آپ سے زیادہ مَیں نے دنیا میں کسی کو بھی نہیں چاہا کہ آپ ہی تو میرے وجود کا باعث ہیں اور آپ نے ہاں آپ نے اکیلے مجھے مدتوں بیٹی بنائے رکھا۔ ورنہ مَیں تو کسی کی بیٹی بھی نہ ہوتی کہ ابّا نے دیوار کی طرف منہ موڑ کر اپنے آپ کو ہم سے مدتوں پہلے دُور کر دیا تھا۔

اماں ایک سوال مَیں آپ سے اور کرنا چاہ رہی ہوں۔

جب مَیں زمین پر رکھے کسی تختے پر لیٹی ہوں گی۔ میرے اوپر سفید چادر ڈال دی گئی ہوگی اور

مجھے آخری بار نہلائے جانے کی حاجت ہوگی۔ تب یہ فریضہ کون انجام دے گا......؟ ثواب اور بخشش کے لیے رقم ایدھی اور سیلانی ٹرسٹ کو پہنچادی جاتی ہے۔ قربانی کا بکرا گھر لانے کے بجائے عالمگیر ٹرسٹ کو دے دیا جاتا ہے۔ قربانی ہو جاتی ہے۔ مجھے نہلانے کے لیے کون کہاں سے آئے گا؟ کہا جاتا ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ آپ کی بیٹی نے آپ کو پاک صاف کیا۔ آپ کی بیٹی کو پاک صاف کرنے کے لیے بیٹی کہاں سے آئے گی......؟ تو پھر یہ کہاوت غلط نہیں کیا؟

اماں مَیں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آخری عمر میں آس، احساس اور تنہائی کا شکار آپ یقیناً تھیں مگر مَیں جس بے کلی اور ناامیدی کا شکار ہوں اس کا احساس صرف آپ ہی کر سکتی ہیں۔ کیا آپ آج بھی میری باتیں سن رہی ہیں ہمیشہ کی طرح؟ میرے لیے آج بھی دعا گو ہیں؟ مَیں جانتی ہوں دنیا کی کوئی بھی ماں مر کر بھی اپنے احساس کو نہیں مار سکتی۔ اجل یہاں ماں سے مات کھا جاتی ہے۔ اماں آپ میری باتیں سن رہی ہیں نا۔ یا کروٹ بدل کر آپ نے منہ دوسری طرف کر لیا ہے اُدھر جدھر دیوار ہے۔ کیا آپ کے موجودہ گھر میں بھی ایسی کوئی دیوار ہے......؟

لمحے جو گرد بن کر فضاؤں میں تحلیل ہو گئے ہیں اور یادیں بن کر دل میں جاں گزیں ہو گئے ہیں انہیں اپنی زندگی سے کیوں کر گھٹایا جا سکتا ہے......؟ اُس دیوار پر یہی تو تحریر تھا جدھر میری ماں کروٹ بدل کر بظاہر دنیا سے رابطہ منقطع کر لیا کرتی تھی۔ مَیں اُس دیوار پر لکھی یہ تحریر صاف پڑھنے لگی ہوں۔ اُس دیوار پر صاف صاف لکھا ہے ''میری پہلی محبت ''حسن منزل'' تھی جہاں میری ڈولی اتری تھی''۔ ڈولی روانہ کرنے سے پہلیاماں کی اماں نے کہا تھا جہاں جارہی ہو اب وہی تمہارا گھر ہے۔ ہمیں بھول جانا۔ ہم نے تمہیں پیدا ضرور کیا تھا مگر دوسرے گھر بھیجنے کے لیے۔ درمیان کا یہ عرصہ صرف اسی تربیت کے لیے دیا جاتا ہے کہ بیٹیاں ماں باپ کی تربیت کی آزمائش ہوتی ہیں۔

ہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہماری اماں اُس تربیت پر پوری اتری تھیں۔ ہاں ڈولی میں بٹھاتے ہوئے انہوں نے جو دوسرا جملہ کہا تھا وہ کچھ یوں تھا۔

''بیٹی جہاں ڈولی جاتی ہے وہیں سے جنازہ اٹھنا چاہیے''

اماں ہر روز وقفے وقفے سے کروٹ بدل کر اپنا منہ دیوار کی طرف کر لیا کرتی تھیں۔ انہیں

دیوار پر ''حسن منزل'' کا عکس نظر آتا۔ وہ کھلی بند آنکھوں سے وہ نقشا دیکھتی رہتیں۔ جی بھر کر آنسو بہاتیں اور ڈولی والے گھر کو خدا حافظ کہہ کے پھر سیدھی لیٹ جاتیں۔ چھت پر لٹکے گھومتے پنکھے کو زمانے کی گردش سے تشبیہہ دیتیں۔ خاموش آواز میں اپنی اماں سے مخاطب ہوتیں۔ مجھے آپ کی نصیحت یاد ہے اماں۔

''کاش میرا جنازہ بھی ''حسن منزل'' سے ہی اٹھایا جاتا۔''

□

میری امّاں
جنہوں نے اکیلے ہی مجھے بیٹی بنائے رکھا

مَیں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنی ماں کی کلائیوں کو سُونا پایا۔ بے رنگ لباس میں میری ماں کی محبوب جگہ جائے نماز پر تھی۔ مَیں اب بھی جب انہیں یاد کرتی ہوں تو اُن کی انگلیوں کو تسبیح کے دانے گنتے یا ڈھیر ساری طویل نمازوں میں مشغول پاتی ہوں۔ مَیں جب بھی نماز کے اوقات کے علاوہ اُن کا تصوّر کرتی ہوں تو دینی کتابوں، رسالوں اور اخبار کو آنکھوں سے لگائے غرق پاتی ہوں۔ ٹی وی، ریڈیو کے مذہبی پروگرام بالخصوص مُشاعرے اور نعت وحمد کی محفلیں اُن کی زندگی کی تفریح تھیں اور تفریح بھی کیسی کہ جس پر اُن کے ہونٹوں پر تبسم نہیں بلکہ آنکھیں نمناک ہوتیں۔ یہ عشقِ رسولِ مصطفےٰؐ کا واضح نتیجہ تھیں۔ اُن کے ہونٹ جب بھی گنگناتے تو بول عشقِ مصطفےٰؐ یا باری تعالیٰ سے متعلق ہوتے۔ گویا اُن کی زندگی سراپا عبادت تھی۔ رمضان کا استقبال جس جوش وخروش سے وہ کرتیں اور رمضان کو جس دُکھ کے ساتھ الوداع کہتیں وہ اُن کے ایمانی جذبے کی عکاسی کرتے۔ نفلی روزے جس پابندی سے انہوں نے رکھے وہ اُن کے ذوقِ ریاضت کے عکاس تھے۔

معاشرتی زندگی کے اس پہلو سے وہ نا آشنا تھیں جہاں بچوں پر باپ کا سایہ ضروری ہوتا ہے۔ تعلیم سے لے کر تربیت اور حفاظت تک کی وہ اکیلی رہنما رہیں۔ انہوں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ کسی سے شاکی نہیں رہیں۔ کسی سے کچھ طلب نہیں کیا۔ کسی محرومی کی شکایت نہیں کی۔ کسی کے سلوک کی پروا نہیں کی۔ دولت اور آسائش کی تمنا نہیں کی۔ کسی سے خفا نہیں ہوئیں۔ کسی رشتے

سے کبھی طلب نہیں رکھی۔ ماضی کے عیش و آرام کی کہانی زبان تک نہیں لائیں۔ قناعت اور صبر اُن کی زندگی کے دو اہم پہلو تھے۔ بظاہر ایک خشک اور ہولناک تنہائیوں میں زندگی گزارنے والی ہماری ماں جنّت کی معطر ہواؤں اور بارگاہِ ایزدی سے انعام میں ملنے والی تمام تر آسائشات کا جلوہ اور پیشگی ثبوت تھیں۔ ہم بچوں کو تکلیفوں میں پالا اور ہمیں کبھی کسی خدمت کا موقع نہیں دیا۔ میری ماں اپنے شریکِ سفر کے بچھڑنے کے 54 برس بعد ان سے ملنے خُلد کی طرف اچانک نکل گئیں۔

مَیں نے زندگی بھر ایک محرومی ہمیشہ محسوس کی۔ اور آج وہی محرومی میری شدید تمنا بن گئی ہے۔ مَیں اپنے مالک سے دعا کرتی ہوں کہ کبھی خواب میں میری اکیلی ماں کے پہلو میں میرے باپ کو کھڑا ہوا دکھا دے۔ مَیں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری ماں کا قد میرے باپ کے قد سے بلند ہے یا میرے باپ کا قد اُن سے کچھ نکلتا ہوا ہے کہ یہ دونوں نیک اور عظیم روحیں ہماری ہر دُعا کا مرکز ہیں۔

مَیں اپنی اور اپنے بہن بھائیوں اور سب عزیزوں کی طرف سے دعا گو ہوں کہ میری ماں اور میرے باپ کو جنّت الفردوس کا وہ گوشہ عطا کر دے کہ جہاں ہر آن مولا کی رحمت اور بخشش کی بارش ہوتی ہے۔ آمین

نوٹ: 6 اکتوبر 2001ء کو پہلی برسی پر پڑھا گیا۔

❑

نوشابہ صدیقی

غازی پور — گلابوں کا شہر

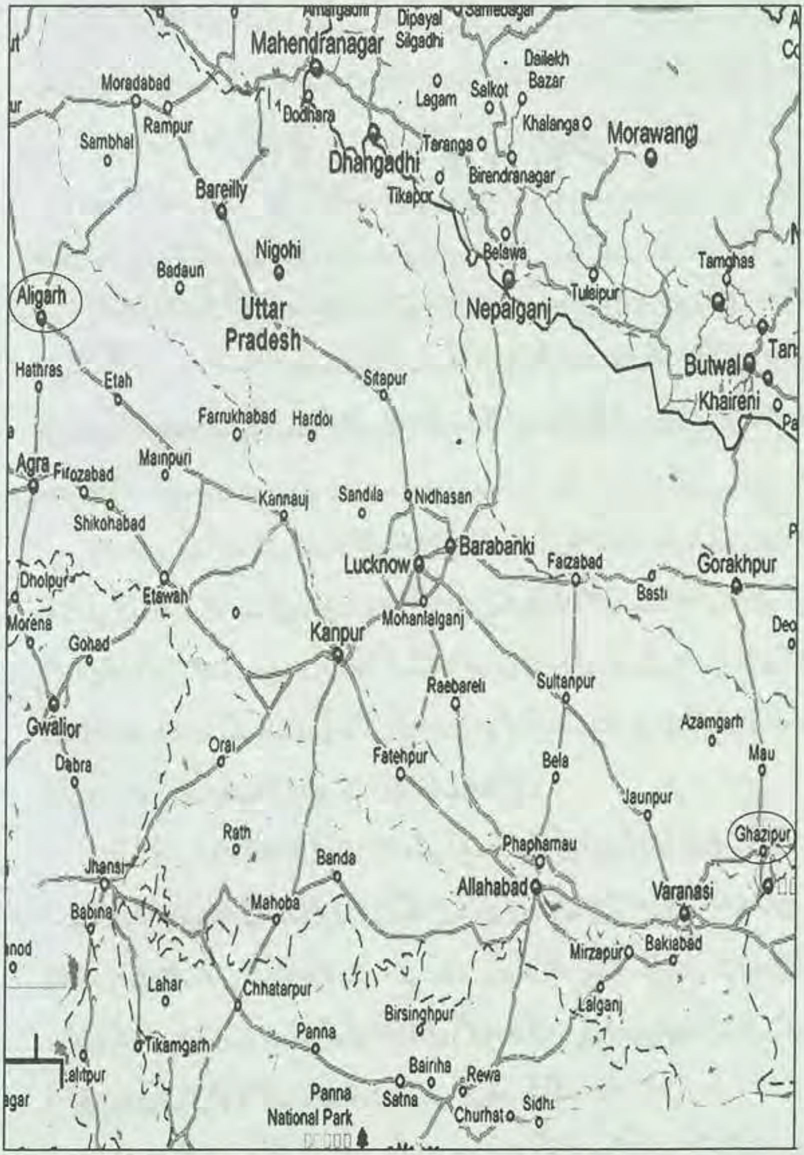
سندھ کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ یہاں برسوں پہلے ایک ظالم راجہ داہر کی حکومت تھی۔ اس کے ظلم وستم سے تنگ آ کر یہاں کے لوگوں نے آواز بلند کی اور نوجوان محمد بن قاسم مدد کو آیا۔ راجہ داہر کو شکست ہوئی۔ لوگوں کو انصاف ملا اور محمد بن قاسم نے تاریخ میں اپنا نام سنہرے حروف سے لکھ دیا۔

ہندوستان کے ایک خطے میں جو شمالی ہندوستان کا مردم خیز علاقہ تھا۔ وہاں ایک راجہ ماندھا تا چکونی کی ظالمانہ حکومت تھی۔ ایک بڑھیا کی فریاد پر فیروز شاہ تغلق نے جو اس وقت دہلی کا حکمران تھا، امیر مسعود نامی ایک نوجوان کو لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ امیر مسعود نے نامساعد حالات کے باوجود فتح حاصل کی اور بڑھیا کو انصاف دلا دیا۔ بادشاہ فیروز شاہ نے خوش ہو کر امیر مسعود کو ملک السادات غازی کا خطاب عطا کیا۔

امیر مسعود نے 730ھ مطابق 1330ء میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور فیروز شاہ تغلق کے دیئے ہوئے خطاب غازی کے نام پر اُس شہر کا نام غازی پور رکھا۔ امیر مسعود کا شمار ہندوستان کے چند قابل ترین حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔ اُس نے اِس شہر میں تقریباً 33 سال بسر کئے اور اُن تمام سالوں میں اپنے بسائے ہوئے شہر کی اقتصادی، علمی، ثقافتی، دینی اور سیاسی سرگرمیوں میں وہ بہتری پیدا کی کہ اس شہر کا شمار بے حد متمدن شہروں میں ہونے لگا۔

غازی پور مشہور دریا گنگا کے کنارے آباد ہے۔ یہاں گومتی اور گانگی دریا بھی شہر کو سیراب

غازی پور سے علی گڑھ تک



کرتے ہیں۔

یہ شہر اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہاں بکسر کی تیسری جنگ لڑی گئی۔ انگریز وائسرائے لارڈ کارنا والیس کا انتقال ہوا اور یہیں دفن ہوا۔

اس شہر کی شہرت اور زرخیزی سے متاثر ہو کر بڑے بڑے لوگ یہاں آئے۔ اشوک، ہمایوں، بابر، شیر شاہ سوری، گوتم بدھ، سلیم شاہ، اکبر اور علی قلی خان وغیرہ مشہور ہیں۔ آئینِ اکبری میں اس شہر کا احوال درج ہے۔

اِس شہر کی ادبی حیثیت اُس وقت اور بھی دو چند ہوگئی جب 3 مئی 1863ء کو سر سیّد کا تبادلہ مراد آباد سے غازی پور ہوا۔ وہ بحیثیت سب جج (Sub-Judge) کے یہاں آئے۔ یہاں آ کر انہوں نے سب سے پہلے ایک ، رسہ وکٹوریہ اسکول کے نام سے قائم کیا۔

9 جنوری 1863ء کو دریائے گنگا کے کنارے لال کوٹھی محلہ سیال پورہ میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جو بعد میں علی گڑھ یونیورسٹی کی بنیاد بنی۔

غازی پور میں قیام کے دوران انہوں نے تبیین الکلام لکھی جس میں کتبِ آسمانی کا تقابلی مطالعہ پیش کیا۔ تاریخِ فیروز شاہی مرتب کی۔ بعد میں تزکِ جہانگیری بھی تیار کی۔

اپنے نانا نواب فیروز الدّولہ کی فارسی تصنیف فوائد الافکار فی اعمال الفرجا کا ترجمہ اردو زبان میں کر کے غازی پور سے ہی شائع کیا۔ سر سیّد کے بیٹے کے لئے مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی نے خطبۂ نکاح لکھ کر غازی پور سے بھیجا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کوئی نقطے والا لفظ نہیں تھا۔

بعد ازاں سر سیّد احمد میموریل فنڈ کمیٹی نواب محسن الملک کی سربراہی میں غازی پور آئی۔ یہ بھی ایک تاریخی لمحہ ہے کہ اس کا اجلاس صمد منزل میں ہوا۔ مولوی عبدالصمد میرے پَردادا حافظ محمد علی قاری جو فارسی زبان کے صاحبِ دیوان شاعر تھے، کے سگے بڑے بھائی تھے۔ مولوی عبدالصمد کے نام سر سیّد احمد خان نے تقریباً دو درجن خطوط بھی لکھے تھے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ہمیں نہیں معلوم کہ ان خطوط کو کیوں کر محفوظ رکھا گیا اور اگر نہیں تو یہ تاریخ کی بڑی بھول ہوئی ہے۔

آئینۂ تہذیب کے نام سے ایک رسالہ بھی غازی پور سے نکالا۔ یہ اردو صحافت کے ارتقاء میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی غازی پور آمد بھی غازی پور شہر کے وقار میں اضافے کا موجب ہے۔ 1888ء تک انہوں نے یہاں قیام کیا۔ دراصل ٹیگور کی یہاں آمد کی وجہ گلاب تھے۔ گلاب کی کھیتی کی وجہ سے شہرت رکھنے والا یہ شہر گلابوں کے شہر کے نام سے مشہور تھا۔ ٹیگور کو معلوم تھا کہ یہاں کے گلاب برطانیہ، سنگاپور اور جاپان تک جاتے ہیں۔ اس کی خواہش تھی کہ اس پُرسکون اور مہکتے شہر میں بیٹھ کر اپنی ادبی تخلیق کریں۔ یہاں کے قدرتی مناظر اور کھلی فضا میں بیٹھ کر انہوں نے درویش کا پیاسا نامی گیت لکھا۔ اس کے علاوہ 28 شہرۂ آفاق نظمیں لکھیں۔ ''مانسی'' مجموعۂ کلام یہیں مرتب ہوا۔

گیتا نجلی Desire for a human soul انگریزی میں لکھ کر بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔

14 نومبر 1913ء کو ادب کا نوبل انعام ''نوکا ڈوبی'' ناول لکھ کر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ کوی ملک جائسی نے ''پدماوت'' لکھ کر شہرت حاصل کی اور غازی پور کو وقار بخشا۔

اس شہر میں علمی اور ادبی فضا کا یہ عالم تھا کہ یہاں رہنے والوں میں شاعر ادیب عالموں کی کثرت تھی۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے 1920ء تک مالٹا میں قید رہنے کے بعد غازی پور کو اپنا مسکن بنایا جس کے بعد مولانا حسین احمد مدنی نے بھی یہاں قیام کیا۔ اس شہر میں عربی فارسی کی تقریباً 22 درسگاہیں اور قرآن پاک کی تعلیم کے لئے 53 مکاتب قائم تھے۔ 200 مساجد تھیں۔ اگر یہ علم و ادب کا مرکز نہ ہوتا تب دور دور سے علم کے پیاسے یہاں کیوں آتے اور یہ شہر کیوں مردم خیز کہلاتا۔ یہاں کا مدرسہ چشمۂ رحمت اور مدرسہ دینیہ تاریخ میں ایک مقام رکھتے ہیں۔

کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج وجود میں آیا لیکن اس کے بانی گلکرائسٹ اس سے پہلے غازی پور میں مقیم تھے اور وہاں انہوں نے انگریزی، اردو ڈکشنری تیار کرائی۔

اردو ادیبوں میں سید سجاد حیدر یلدرم، آلِ احمد سرور جن کی تعلیمی زندگی کا آغاز ہی غازی پور

سے ہوا، اکبر الٰہ آبادی اور مشہور محقق قاضی عبدالودود نے بھی غازی پور کے قیام میں بڑے معر کے کے کام سرانجام دیے اور اس شہر کے وقار میں اضافہ کیا۔

علماء کی ایک طویل فہرست ہے۔ شعرا اور ادیبوں کی قطار در قطار ہے۔ مشائخ اور مشاہیر کی فوجِ ظفر موج ہے۔ درسگاہیں، درگاہیں، مسجدیں اور علم دینے والے دیگر اَن گنت مراکز اس چھوٹے سے شہر کی ہر گلی اور محلے میں قائم تھے اور ہیں بھی۔

پاکستان کے قیام کے بعد دنیا کی سب سے بڑی ہجرت ہوئی۔ اس ہجرت کی ایک نسل سے میں بھی ہوں جس نے غازی پور کی ''حسن منزل'' میں پہلی سانس لی اور پھر زندگی کی بقیہ سانسوں کے لیے کراچی شہر میں آ کر کھوگئی۔

پہتیا کی شیخ صدیقی خاندان کی نسل جس کے آباؤ اجداد نے امیر مسعود غازی کی مالی اور اخلاقی مدد میں بھرپور حصہ لیا تھا کہ غازی پور گلاب، عطر اور کیوڑہ سے مہکتا رہے، جہاں کی گنگا کبھی میلی نہ ہو، جہاں کے گلی کوچے آباد رہیں، جہاں کی درگاہیں اور درسگاہیں علم کا مرکز بنی رہیں، جن کے آباؤ اجداد کی قبریں محفوظ رہیں، جن کے مکانوں کی چھتیں مکینوں کی محافظ رہیں، وہ نسل اب پاکستان اور پاکستان سے باہر آباد ہے لیکن اپنے اسلاف، اُن کے کارناموں، اُن کی علمیّت، اُن کی شہرت حتیٰ کہ اپنے شجرۂ نسب سے بھی لاتعلق ہو چکی ہے۔

میرے ذہن میں غازی پور کا ہلکا سا خاکہ موجود ہے۔ ہلکا جتنا کہ چار پانچ سال کا بچہ اپنے ذہن میں رکھ سکتا ہے۔ میرے پانچ بہن بھائیوں کی وراثت ''حسن منزل'' سب کے ذہن میں زندہ تابندہ ہے اور گم شدہ بھی۔

مگر مَیں کیا کروں کہ ان پانچوں میں اکیلی مَیں ہوں جس نے اپنی پہلی سانس اس لمبے کمرے میں لی جس کے دونوں طرف لمبا سا دالان تھا اور دالان میں اس کمرے کے آمنے سامنے چھ عدد دروازے کھلا کرتے تھے۔ مَیں نے جس کونے کی چارپائی پر اپنی پہلی چیخ بلند کی تھی اس طرف کی دیوار پر ایک طاق تھا جس میں میرے اسکول کا بستہ رکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب مجھے کبھی اس طاق پر سے اپنا بستہ نہیں اٹھانا ہے جس میں الف ب اور انگریزی کی اے بی سی کی

کتاب کے ساتھ لمبی سی پنسل بھی رکھی تھی جس کے پیچھے ربڑ بھی لگا ہوا تھا اور ابھی نہ مَیں نے اس پنسل سے کوئی حرف لکھنا اور نہ اس ربڑ سے کسی بگڑے حرف کو مٹانا سیکھا تھا۔ میرے بعد اُس طاق تک کون آیا تھا؟ کس نے میرا بستہ اپنا بنایا اور اُس پنسل ربڑ کو استعمال کیا؟ لیکن ہاں مَیں اپنی اُس پہلی ''جائیداد'' کے بارے میں اب بھی سوچتی ہوں۔ کیا حال کو ماضی سے جدا کیا جا سکتا ہے؟

□

رشید بٹ

قدر دانیِ عالمِ بالا......

فون کی گھنٹی بجی۔ نمبر کچھ نامانوس سا تھا۔ کون ہوسکتا ہے؟ مَیں سوچ رہا تھا اور گھنٹی تھی کہ بجے چلی جا رہی تھی۔ مَیں نے فون اٹھالیا۔

''میری نئی کتاب کا ٹائٹل بنا دو فوراً۔'' نسوانی آواز میں کسی ''تھانیدارنی'' یا ہائی اسکول کی ''ہیڈ ماسٹرنی'' کا سا کھڑ کا تھا۔ مَیں سمجھ گیا یہ کون ہوسکتی ہے۔

''سلام نہ دعا۔ چھوٹتے ہی حکم لگا دیا۔ تمہاری کئی کتابیں اب تک چھپ چکی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ مَیں بھی یہی گھاس کھودتا ہوں، مسوّدہ بغل میں دبا، مجھ ایسے گئے گزروں کی آنکھ بچا، پتلی گلی سے دَرشنی پبلشروں کی طرف نکل جاتی ہو۔ میرے حسابوں تو تمہاری نئی کتاب کوئی چھ مہینے پہلے چھپ جانی چاہیے تھی۔ اب کیا باڑھ بندھ گئی؟''

''دیکھو! بہت بول چکے۔ مَیں جو کہہ رہی ہوں بس وہ سنو۔ سمجھے! بس میں کل آرہی ہوں تمہارے دفتر۔ سر پر سوار ہو کے بنواؤں گی ٹائٹل۔ اب اگر کچھ بولے تو ابھی آ کے اتنا چیخوں گی کہ تمہارا ''ماتحت عملہ'' بھی گڑبڑا جائے گا۔ مت بھولو کہ پینتالیس برس سے تم میرے جونیئر ہو، عمر میں بھی اور یونیورسٹی میں بھی۔''

یہی تُرپ کا پتّا تو ہے تمہارے پاس کہ ڈھیر کر کے اپنے لیے ادب واحترام کا پھریرا لہرا دیتی ہو۔ ہاں بھئی، تُو تڑاک کے باوصف تمہارا ادب اور احترام سر آنکھوں پر۔ دیکھو کل آنا تو لوڈ شیڈنگ کا شیڈول سامنے رکھ کر۔ ہمارے ہاں سہ پہر میں بجلی ہوتی ہے۔ اگلے روز دونوں میاں بیوی آ گئے۔

مَیں نے انہیں کمپیوٹر پر ڈیزائنر کے ساتھ بٹھا دیا۔ گھنٹے بھر میں اُن کی مرضی کا ٹائٹل تیار ہو گیا۔ کلر پرنٹ کے ساتھ CD میں کاپی کر دیا کہ اب لے جاؤ۔ ''یہ تمہاری نئی زیرِ طبع کتاب'' کا ''ناخدا'' ہے۔ اب تو کشتی کنارے لگ جانی چاہیے۔''

یہ نوشابہ صدیقی تھیں (بلکہ ہیں)۔ نوشابہ میری سینئر یوں بنیں کہ جب مَیں نے 1966ء میں کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ صحافت میں داخلہ لیا تو وہ ایک ایم اے کر چکی تھیں اور دوسرے کے لیے مجھ سے ''چندروز'' پہلے شعبۂ صحافت میں داخلہ لے چکی تھیں۔ مَیں چوں کہ روزنامہ جنگ کراچی میں سٹی پیج کے انچارج کی حیثیت سے باقاعدہ ملازمت کر رہا تھا لہٰذا کچھ دن اِس سوچ بچار میں گزر گئے کہ یونیورسٹی میں باقاعدہ داخلہ لوں یا ایکسٹرنل اسٹوڈنٹ کے طور پر۔ اس وقت پاکستان بھر میں کراچی یونیورسٹی ہی واحد یونیورسٹی تھی جہاں ایکسٹرنل داخلے کی سہولت موجود تھی اور اِسی سہولت سے فیض یاب ہونے کے لیے مَیں نے راولپنڈی سے کراچی ''ہجرت'' کی تھی۔ اِس سے قبل تین یا چار سال کی عمر میں، خواب کی مانند یاد ہے کہ جموّں سے سیالکوٹ تک لگ بھگ 27 میل کا ایک پُل صراط، جس کے نیچے خون کا دریا بہہ رہا تھا، پار کرتے ہوئے پہلی ہجرت کی تھی۔ یہ طویل جملۂ معترضہ بیچ میں کہاں سے آن ٹپکا؟ مَیں تو بات کر رہا تھا سنیارٹی کی۔ مَیں نے نوشابہ کو ہمیشہ سینئر اور محترم جانا اور اُس نے بھی اپنے بڑے پن کے دُلار میں کمی نہیں آنے دی۔ ویسے اس کے دُلار میں تیرے میرے کی کوئی تخصیص نہیں۔ وہ 45 سال پہلے بھی بنی بنائی ''اماں'' تھی اور آج بھی ہے۔ کسی کا کوئی مسئلہ ہو، کوئی اُڑچن ہو۔ اُس سے نمٹنے یا نمٹانے میں ہمیشہ آگے آگے۔ مَیں اُس زمانے میں پاکستان کے ''دوست'' کمیونسٹ ملک چین کے لیے یہاں ترجمے کا کام کرتا تھا۔ کسی کمیونسٹ ملک سے رابطہ رکھنے کے ''جرم'' کی ''پاداش'' میں نگراں امتحان نے کسی ''بڑے'' کے بنے بنائے پلان کے تحت میری کاپی چھین لی۔ تب سارے ہی کلاس فیلو میری حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ مَیں کیسے بھول سکتا ہوں کہ اُس وقت طاہرہ اور نوشابہ نے شیخ الجامعہ تک پہنچ کر میری بے گناہی کیسے کیسے نہ ثابت کی۔ یہ وہ لمحہ تھا جو میری طالب علمی کے زمانے کا نہ بھولنے والا واقعہ بن گیا، آج تک اپنے پن کا یہ احساس مجھے سرشار رکھتا ہے۔ نوشابہ سے جلدی جلدی ملاقات نہ بھی ہو مگر جب بھی ہم ملتے ہیں وقت سمٹ جاتا ہے۔ قربت

بڑھ جاتی ہے اور محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ مجھے یونیورسٹی سے دو سال کے لیے نکال دیا گیا تو چینی یہاں سے اٹھا کے پیکنگ (بیجنگ) لے گئے اور مَیں نے وہاں آتے جاتے لگ بھگ 16 سال بِتا دیئے۔

دوسرا فون مہینہ بھر پہلے آیا۔ اُسی چیخ پکار کے ساتھ۔

''اب کیا ہوا۔'' مَیں نے ہمیشہ کی طرح دھیرج سے پوچھا۔ اور وہ ہمیشہ کی طرح نامہربانی کے سے انداز میں بولی۔ ''تم پر احسان کرنے آ رہی ہوں۔ اپنی نئی پرانی ساری کتابیں تمہیں دوں گی۔ تمہیں بھی کیا؟ بھاوج کو دینی ہیں۔ پڑھنا لکھنا آتا تب تمہیں بھی دے دیتی۔''

اِس سے پہلے کہ مَیں احتجاج کرتا، اُس نے فون بند کر دیا۔

ایک بات کہوں۔ نوشابہ رشتوں اور دوستیوں کی پیاسی ہے۔ میری بیوی حمیرا اطہر خود ایک معروف صحافی ہے اور دونوں میں پرانی شناسائی بھی ہے۔ لیکن نوشابہ اُسے کبھی نام سے نہیں پکارتی۔ ہمیشہ بھاوج کہتی ہے۔ اُسے یہ رشتہ اچھا لگتا ہے۔ اُس کی تحریریں دیکھیں تو ایسی بات بھی نہیں ملتی کہ اُسے ددھیالی ننھیالی رشتوں سے کوئی زک پہنچی ہو۔ بس یوں لگتا ہے اِس ناتے سے اُس کی پیاس گویا چھلنی کی پیاس ہے۔ حمیرا اطہر کے فکاہیہ کالموں کی کتاب ''بات سے بات'' چھپی۔ اُس کی تقریبِ پذیرائی ہوئی۔ کچھ عرصے بعد اکادمی ادبیاتِ پاکستان کے آغا نور محمد پٹھان کی طرف سے فکاہیہ نثری اور شعری تخلیقات پر انعامی مقابلے کا اعلان ہو گیا۔ حمیرا نے بھی اپنی کتاب بھیج دی۔ مہینوں بیت گئے۔ سب بھول بھال گئے تھے کہ اکادمی کی طرف سے نتائج کے حوالے سے تقریب کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ باسی کڑھی میں گویا اُبال تھا۔ بہت ہُڑک اٹھی نتائج جاننے کی لیکن ناکامی ہوئی۔ تقریب میں گئے تو اعلان ہوا کہ ''بات سے بات'' کو بہترین تخلیق قرار دیا گیا ہے۔ ججوں میں ذاکر علی خان، کلیم چغتائی اور نوشابہ صدیقی شامل تھے! اوّل تو اُن ناموں تک ہماری پہنچ ہی نہ تھی، دوسرے، یہ گمان تک نہ تھا کہ نوشابہ بھی ایک جج ہوں گی۔ یہ اُس کی فرض شناسی، احساسِ رازداری اور راست بازی کا منہ بولتا ثبوت تھا ورنہ، اعزاز تو دُور کی بات۔ ملتا نہ ملتا مگر احسان لاد لاد کر اَدھ موا کر دیا جاتا۔ اور شہر میں ڈھنڈورا الگ پیٹا جاتا۔ اِرد گرد تو ہم نے ایسا ہی ہوتا دیکھا ہے۔ مگر یہاں تو نہ پہلے نہ آج تک ایسا ہوا کہ اس واقعے کو کسی ملاقات میں بھی اُس

نے دہرایا ہو۔ یہ بھی نوشابہ کے مزاج کا بڑا مثبت پہلو ہے۔

اگلے روز بھاری بھرکم ''جہازی'' سائز کا ایک لفافہ اٹھائے نوشابہ واقعی میرے دفتر آ گئی۔ اُس کے ہمزاد نثار اختر بھی ساتھ تھے اور اُنہوں نے دوسرا لفافہ سنبھال رکھا تھا۔ پہلے تو اُس نے اپنی چاروں کتابیں میرے اور حمیرا کے نام آٹوگراف کے ساتھ دیں اور پھر بھاری بھرکم لفافے سامنے رکھ دیے۔ اُن میں نوشابہ کی دادی اشرف النساء کا کلام تھا۔ دو ڈھائی سو صفحات پر پھیلا حمد و نعت اور منقبتوں کا مجموعہ، جسے بڑے اہتمام کے ساتھ صاف ستھری تحریر میں نقل کیا گیا تھا۔ مَیں مسوّدے کی ورق گردانی کر رہا تھا اور وہ تھی کہ کسی کامے، فل اسٹاپ کے بغیر مسلسل بولے جا رہی تھی۔ ہدایات اور احکامات کا دریائے پُرشور، جھاگ اُڑاتا بہہ رہا تھا۔ ''کوئی کاغذ اِدھر اُدھر نہیں ہونا چاہیے۔ کچھ کھو نہ جائے۔ کمپوزنگ میں اُلٹ پھیر ہوا تو سمجھو پٹ جاؤ گے میرے ہاتھ سے......'' ایک تو اُسے پیٹنے کا بہت شوق ہے۔ ماسٹرنی جو ٹھہری۔

مَیں نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا، ''پر یہ تو بتاؤ کہ اب تک جن سے یہ کتابیں چھپوائی ہیں، اُن ہی کے ہاں یہ نیا مسوّدہ کیوں نہ لے کے گئیں؟

''ایک تو تم غیر ضروری بات ضرور کرتے ہو۔'' وہ غرّائی۔ ''مَیں جو کہہ رہی ہوں وہ سنو اور جو کہہ رہی ہوں وہ کرو ورنہ......''

''......ورنہ پٹو گے میرے ہاتھوں۔'' اُس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مَیں نے بات اُچک لی۔

اور وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''کچھ کچھ سمجھدار ہو گئے ہو۔''

''اس کی کمپوزنگ کب تک ہو جائے گی۔ کچھ اور میٹر بھی ہے۔'' اب سوال میں مبہم سا گریز بھی تھا۔

''مَیں پہلے مسوّدہ اچھی طرح دیکھ تو لوں۔ جب کمپوزنگ ہو جائے گی تو تمہیں فون کر دوں گا۔ پیٹنے کی تڑی اتنی بار لگا چکی ہو کہ پُھونک پُھونک کر قدم اٹھانا پڑیں گے ورنہ لوگ تو یہی دیکھیں گے ناں کہ ایک بوڑھا آگے آگے دوڑے جا رہا ہے اور ایک بڑی امّاں لٹھیا لیے پیچھے پیچھے ہے۔ ہاں دوڑنے پہ یاد آیا کہ جب سے سرجنوں نے میری بائیں ٹانگ سے جسم کا ایک ''فاضل پرزہ'' یعنی نس نکال کے دل کی نسوں کو ''رفو'' کیا ہے، مَیں اچھی طرح دوڑ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس سارے مکالمے کے

دوران نثار اختر مسکراتے جارہے تھے اور حسبِ ضرورت اور حسبِ توفیق "آگ لگاتے نہ چلو" ایسی کیفیت میں لقمے دیتے جارہے تھے۔

"اچھا بہت ہوگیا۔ اب مجھے کام کرنے دو۔ اگر دادی کی کتاب چاہیے تو۔"

اور وہ چل دیئے کہ اب میں فون کروں گا۔ میرے ساتھ سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ کوئی کتاب چھپنے کو آجائے تو مَیں فوراً کرسی بدل لیتا ہوں۔ "خالص" پرنٹر پبلشر کی کینچلی جھاڑ "ایڈیٹری" کا چولا پہن لیتا ہوں کہ یہ فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ یہیں سے تاخیر کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک مہینے میں ہونے والی "آمدنی یا بچت" جب تین مہینے پر پھیل جاتی ہے تو آخر آخر اپنے ساتھ ہی یہ ہاتھ ہوجاتا ہے کہ کچھ پلّے سے لگانا پڑجاتا ہے اور دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ بہت کھا کما گیا۔ مشتاق احمد یوسفی کے عبرت نشان مضمون "صبغے اینڈ سنز" میں کتب فروش کی جگہ پرنٹر پبلشر کو رکھ کے بلکہ کاغذ پہ لکھ کے ہزار بار پڑھا ہوگا کہ شاید "تبدیلیٔ آب وہوا" کی طرح "طور اطوار" میں کایا کلپ ہوجائے۔ لیکن بڑھاپے میں عادتیں کہیں چھٹتی ہیں؟ ہمارے پاس تو دفتر کا بورڈ بھی نہیں کہ سات روپے مزدوری دے کر گھر لائیں اور اگلے روز سوا روپے میں کباڑیے کے ہاتھ بیچ دیں۔

مسوّدہ خواہ کتنے ہی بڑے لکھاری کا ہو۔ ہر مشکوک لفظ پر اٹک کر لغت کھنگالنا شروع کردیتا ہوں۔ دیر تو پھر ہوگی ہی۔ نوشابہ میری اِس عادت سے خوب واقف ہے۔ جب ہی تو اُس نے میرا نام "کیڑا" رکھا ہوا ہے۔ محفل ہو یا محض آمنے سامنے والی ملاقات مجھے بس یوں ہی پکارتی ہے۔ "کیڑے" میں جارہی ہوں۔ وہ ایک دم سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ساری لغت کو آگ لگا دینا۔ اور جو مسوّدہ مَیں نے دیا ہے جوں کا توں چھاپ دینا۔ دیر ہوئی تو دیکھ لوں گی۔ وہ یہ جا اور وہ جا۔ مَیں پھر بھی حسبِ عادت مسوّدہ لے کر بیٹھ گیا اور اب تک بس اُسے ہی لیے بیٹھا ہوں۔ لغت بھی سامنے ہے۔ ہاں جب وہ آتی ہے لغت چھُپا دیتا ہوں۔

مَیں نے دادی اشرف النساء کا کلام جو کھنگالنا شروع کیا تو احساس ہوا کہ اشرف النساء تو "چیزے دیگری"۔ یہ کلام کی زبان، اُردو، پوربیا بولی، آج متروک اور قدیم سمجھے جانے والے الفاظ کا بے دریغ استعمال، رواں بحریں، مترنّم ردیف قافیے، اسالیب، صنعتِ لفظی اور رعایتِ لفظی، ضرورتِ شعری سب کے ڈانڈے بیسویں صدی کے زمانۂ اوائل سے جا ملاتے ہیں۔ اُس دور کی

ایک نیم پڑھی لکھی گھریلو خاتون کا ذخیرۂ الفاظ، صنائع بدائع، اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی الفاظ کا برمحل، باموقع اور بامعنی استعمال ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ انگریزی میں اِتنی شُد بُد تھی کہ حروف ملا کر تار پڑھ لیتی تھیں کہ اُس زمانے کا یہی تیز ترین وسیلۂ اظہار تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ بسا اوقات جذب وارادت کے تصرف نے اُنہیں بحر، وزن اور الفاظ کی جکڑ بندیوں سے ماوراء کر کے پٹڑی سے اتار دیا۔ کہیں تو یوں لگتا ہے گویا کوئی پٹھانی یا پٹھان اُردو میں نعت کہہ رہی یا کہہ رہا ہے۔ مثلاً

بختِ خوابیدہ میرا سوتا تھا
آج بگڑی بنا دیا کس نے؟

بگڑی بات بنا دینا میں تو مذکر بندھتا ہے۔ لیکن لفظ بگڑی لغت کے حوالے سے مونث ہے۔ تاہم یہاں اُسے مذکر باندھا گیا ہے۔ کچھ اور آگے بڑھے۔ جسٹس ایم آر کیانی نے بھی کہ کوہاٹ کے باسی (پٹھان) تھے، ''پٹھانوی'' اور اُردو شاعری کے کچھ حوالے دیئے ہیں۔ ایک شاعر نے دوسرے سے کہا تم لفظ ''سڑک'' پر ایک مصرع کہو مَیں اُس پر گرہ لگاؤں گا۔ پہلے نے کہا:

ع سڑک جو کہ جاتی ہے مکّے تڑک

دوسرے نے اعتراض جڑ دیا کہ یہ تو بہت لمبا مصرع ہو گیا اور پھر تڑک غلط ہے۔ یہ تو کوئی لفظ ہی نہیں۔ پہلے نے جواب دیا، ''جو سڑک مکّے تلک جائے گی وہ لمبی ہی ہوگی۔ اور ضرورتِ شعری سے تلک کو تڑک کر دینا جائز ہے''۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی کتاب ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' کو کھنگالا تو اندازہ ہوا کہ بعض شعراء نے تذکیر و تانیث کی تخصیص نہیں رکھی۔ یہی بات مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں بھی کہی ہے۔ 1864ء میں پھرتے پھراتے لاہور پہنچے تو بڑی کوششوں کے بعد اُنہیں سررشتۂ تعلیم میں پندرہ روپے ماہوار مشاہرے کی نوکری مل گئی۔ انگریز میجر فلر محکمے کے ڈائریکٹر اور علوم السنہ شرقیہ سے کمال ذوق رکھتے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے لفظ ''ایجاد'' کو مونث لکھا جس کی تذکیر و تانیث کے

متعلق اُنہیں کچھ شبہ تھا۔ اپنے ایک ماتحت پیارے لال آشوب سے اُس کی سند تلاش کرنے کو کہا۔ وہ مولانا محمد حسین آزاد کے پاس آ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا شہرتِ عام اور بقائے دوام کا دربار سجانے اور اُس کے ساتھ ساتھ اپنے سر پر بقائے دوام کا تاج سجوانے کا شاید خواب ہی دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے ''ایجاد'' کو مذکر کہا اور سند میں سوؔدا کا یہ شعر بڑھا دیا۔

ہائے یہ کس بھڑوے کا ایجاد ہے
نسخے میں معجون زرنباد ہے

میجر فلر نے مولانا کی علمی، ادبی اور شعری استعداد سے متاثر ہو کر اُنہیں ترقی دی اور مشاہرے میں بھی اضافہ کر دیا۔ اِن حوالوں کی روشنی میں ہمیں اشرف النساء کے کلام میں بھی ایسے شعروں کی سند مل جاتی ہے۔

لکھنؤ کے قدیم رنگِ تغزل کی آخری یادگار کے طور پر اُس دور کے ممتاز شاعر عزیز لکھنوی (پیدائش 1882ء) کا نام آتا ہے۔ اُن سے قبل میرؔ و غالبؔ کے پیروکار ثاقبؔ لکھنوی اپنی جوت جگا چکے تھے۔ اُس دور اور ماقبل کے شعرا کا شہرہ پورے برِصغیر میں سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ 1878ء میں گراموفون ایجاد ہو چکا تھا اور بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں برِصغیر میں بھی آ چکا تھا۔ لوک دھنیں بھی جغرافیائی حدود و قیود سے ماوراء ہو کر کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ مذاہب و مسالک میں یگانگی بھی نو بہ نو شاعرانہ تشبیہات، استعارات، تخیّلات اور تشبیب کو ہم رنگ و ہم کنار کر رہی تھی۔ ایسے میں حمد و نعت اور منقبت کو جو فروغ حاصل ہوا، اُس میں قصیدہ معراجیہ در نعت، نویدِ بعثت، سر جوشِ حرا، نورِ ہدایت، شمعِ رسالت، شارع الاسلام، شافعِ روزِ جزا، گنبدِ خضرا، مناجات، برقِ تجلّی، تصوّرِ کعبہ، قطعات اور سلام، حضرت فاطمہ الزہراؓ، در مدحِ حضرت علیؓ، شہیدانِ کربلا، قافلۂ شہداء، کرب و بلا، شامِ غریباں ایسی اصنافِ سخن در آئیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ تصوّف کو بھی ایک نیا آہنگ ملا۔ اسلامی تصوّف اور ہندی تخیّل کہ ہندوستان میں رہ کر بھی ہمارے شاعروں کا تخیّل عرب کے بے برگ و گیاہ صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ تشبیب میں متھرا، گوکل، کنہیا، گوپیاں، شام اور شیام شاملات میں آ گئے۔ کشمیر کے ایک صوفی شاعر میاں محمد بخش اپنی

کتاب ''سیف الملوک'' میں کہتے ہیں:

لوئے لوئے بھرلے کُڑیے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئے بن شام محمد گھر جاندی نیں ڈرنا

(اے لڑکی تجھے پانی بھرنا ہے تو دن دن کی روشنی میں بھر لے۔ شام ہوگئی تو اپنے شام (محبوب) بِنا جاتے ہوئے ڈرے گی۔ یہاں اُنہوں نے عالمِ تصوّف کے محبوب کی جگہ شیام یا کرشن مہاراج کو دے دی ہے۔)

اُدھر محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری گو بڑی جاندار ہے، لیکن تشبیب میں کاشی اور متھرا سے وہ بھی دامن نہیں چھڑا سکے۔ یہ شعر اُن کی کسی ' ت سے تو نہیں مگر ہندی دیومالا سے لدا پھندا ہے۔

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

مولانا سیّد ابوالحسن ندوی ایک مضمون ''محبوبِ رب العالمین، عقیدت و محبت کے احساسات'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہندی مسلمانوں کا سرزمینِ حجاز اور خاکِ یثرب سے خصوصاً ایسا گہرا تعلق اور روحانی عشق ہے کہ اُن کو وہاں مرنے کی آرزو اور وہاں کی زمین میں دفن ہونے کی تمنا رہتی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے ایک مشہور اُردو شاعر کرامت علی شہیدی (انتقال 1256ھ/1835ء) نے یہاں تک تمنا کی ہے کہ اگر اُن کی میّت وہاں کی پاک سرزمین میں دفن ہونے کے قابل نہ ہو تو اُس صحرا کے جانوروں ہی کا لقمہ بن جائے۔ اُن کے قصیدے کا ایک شعر ہے۔

مدینے کی زمین کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں مَیں دام و دو کا☆

☆ جانوروں اور درندوں کی خوراک

اورشہیدی کی یہ تمنا پوری ہوئی۔اُن کا انتقال مدینہ منوّرہ کے قریب ہوا۔

سب سے بڑھ کر تو یہ کہ علامہ اقبال بھی اِس (غالبًا) نفسیاتی اور جذباتی کیفیت سے دامن نہ بچاسکے۔ کہتے ہیں۔

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال
اُڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کر دے

قدرت اللہ شہاب نے بھی اپنی سوانح ''شہاب نامہ'' میں بیتی صدی کے چھٹے عشرے کے اوائل میں اپنے پہلے حج کی روداد و کیفیات بیان کرتے ہوئے ایک شعر کا حوالہ دیا ہے۔

اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
مَیں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں

اور اِسی حوالے سے اشرف النّساء کہتی ہیں۔

ہند میں رہ نہیں سکتی شہا
اَب بلا لو گھر پرُانا ہو گیا

اشرف النّساء کے حمد یہ، نعتیہ اور مدحیہ مجموعۂ کلام پر ایک نظر ڈالنے کے لیے مذکورہ طولانی تمہید اٹھانا ضروری محسوس ہوا کہ اُن کے کلام میں جا بجا یہی کیفیات ملتی ہیں، لیکن اِک گونہ ندرت کے ساتھ۔ہاں ایک بات اور ذہن میں رکھنا پڑے گی کہ اُن کا کلام، اُن کی زندگی میں یا اس کے بعد کبھی بھی کہیں چھپایا شائع نہیں ہوا کہ کوئی پڑھ کے اُس پر اظہار رائے کرتا۔اُن کی بیاضیں بند ہوئیں تو بس بند ہی رہیں۔ ہاں سننے میں یہ آیا ہے کہ وہ محافل میں پڑھتی ضرور تھیں۔ان کے میاں مولوی ابوالحسن اعلیٰ تعلیم یافتہ اور انڈین ایجوکیشن سروس (IES) کے رکن تھے۔اس حیثیت میں نہ صرف محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے بلکہ کچھ عرصہ ریاست جموں و کشمیر میں ڈیپوٹیشن پر ڈائریکٹر تعلیمات کے طور پر بھی گزارا۔ریاست کشمیر میں وہ زمانہ مہاراجہ ہری سنگھ

کے اقتدار کا تھا۔ اور وہی اہم دور تھا جس کے دوران ریاست جموں و کشمیر میں حریت کا شعلہ بھڑکا۔ لیکن اس حوالے سے یا جس زمانے میں مولوی ابوالحسن وہاں تعینات رہے، اُن کی کوئی یادداشتیں نہیں ملتیں۔ پاکستان ہجرت کے بعد بھی اُنہوں نے کوئی ایسی تحریر نہیں چھوڑی جس کا تعلق اُن کے قیامِ کشمیر سے ہو۔ یا چھوڑی بھی ہو اور نوشابہ تک نہ پہنچ سکی ہو۔ حالانکہ اُنہوں نے یہیں (کراچی میں ہی) 1965ء میں انتقال کیا۔ مَیں نے اُن کے قیامِ کشمیر کے حوالے سے اُس دور کی کچھ کتابیں بھی کھنگالیں۔ یہاں تک کہ شیخ محمد عبداللہ کی سوانح ''آتشِ چنار'' تک (اس مخصوص حوالے سے لگ بھگ دسویں بار) دیکھ ڈالی لیکن کوئی حوالہ نہ ملا۔ واضح رہے کہ شیخ عبداللہ کو اپنے تعلیمی مدارج طے کرنے میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور دُھن کے پکے اِس فرزندِ کشمیر کو علی گڑھ تک جانا پڑا، جہاں سے ایم ایس سی کیا۔ اور اشرف النّساء اور مولوی ابوالحسن کا کنبہ بھی تعلیمی اور علمی حوالے سے علی گڑھ ہی کے گرد گھومتا ہے۔

بہرحال اندازہ یہی لگایا جاسکتا ہے کہ اشرف النّساء اپنا مجموعۂ کلام چھپوانے سے از خود احتراز کرتی رہیں۔ اِس میں اُن کے شوہر مولوی ابوالحسن کا کوئی دوش نظر نہیں آتا۔ اُنہوں نے تو خود اپنے ابا یعنی اشرف النّساء کے سسر حافظ محمد علی قاریؔ کا فارسی مجموعۂ کلام ''کلیاتِ قاری'' اُن کے انتقال کے بعد 1931ء میں مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ سے چھپوا کر شائع کیا۔ اپنی بیوی کا کلام چھاپنے اور شائع کرنے میں انہیں ''عار'' کیا تھی؟ نوشابہ کی زبانی مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں، اُن کے مطابق تو اشرف النّساء جوشِ آمد میں اکثر ایسے الفاظ بھی استعمال کر جاتی تھیں جن کا مطلب خود انہیں معلوم نہیں ہوتا تھا اور اصلاح اور مسوّدہ صاف کرتے وقت ایسے الفاظ کا مطلب اپنے شوہر مولوی ابوالحسن سے پوچھا کرتی تھیں۔ شاید اِس لیے بھی کہ وہ ایک بڑے علمی گھرانے کی فرد تھیں اور اپنے تئیں اپنی کسی غلطی پر شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھیں۔

اشرف النّساء کے زمانۂ حیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو اُن کے کلام میں قدماء، اُن دنوں بلکہ دورِ حاضرہ کے بھی حیرت انگیز حد تک مانوس، معروف اور قبولِ عام کا درجہ رکھنے والے مترنّم شعری بول، ردیفیں اور قافیے ملتے ہیں۔ اُن میں بعض جگہ تو لوک دھنوں کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ اُس کا تجزیاتی نتیجہ تو یہ بھی نکلتا ہے کہ اُنہوں نے ماقبل کے معروف شعرا کا کلام نہ

صرف پڑھا بلکہ سنا بھی۔ علاوہ ازیں، اُس وقت جن بولوں کی گونج سنائی دیتی تھی، اشرف النّساء کے کان اُن سے بھی آشنا ہوتے رہے۔ اُنہوں نے حمد و نعت اور منقبت وغیرہ میں جو بول استعمال کیے، آپ اگر حمد، نعت، مناجات، نذرِ علی، شہیدانِ کربلا یا متفرقات کے عنوانات کے تحت فہرست پر نظر ڈالیں تو پتا چلے گا کہ اُن میں بہت سے بول ایسے ہیں جو پچاس ساٹھ برس گزرنے کے باوصف آج بھی مانوس اور کانوں کو بھلے لگتے ہیں۔ اب سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُن کا مطالعہ واقعی اتنا وسیع تھا؟ اگر نہیں تو پھر یہ سر بسر آمد اور جوشِ حُبِّ ربّ العالمین اور نبی مکرم ﷺ کا پَرتو تھا جو اُن سے اتنا کچھ کہلوا گئے۔ اشرف النّساء کے کلام کے مطالعے میں جوں جوں آگے بڑھتے جائیں، وہ ربِّ جلیل کے معاملے میں ''من تُو شدم تُو من شدی'' کے مراحل سے گزرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اور پھر ایک دور ایسا بھی ملتا ہے جس میں اُن کا کلام آیاتِ قرآنی کے منظوم ترجمے یا مفہوم کے سوا کچھ نہیں!

ایک حمد میں اشرف النّساء جب کہتی ہیں ''تُو میرا ہے مَیں تیری ہوں'' تو سورۃ البقرہ کی آیت 138 سامنے آ جاتی ہے جس کا ترجمہ ہے ''اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اُس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا۔'' اسی طرح اُن کے کلام میں قرآن پاک کی سورۂ تحریم، سورۂ ھود، سورۂ الحدید، سورۂ الزخرف، سورۂ المنافقون، سورۂ الرعد، سورۂ التوبہ، سورۂ یوسف، سورۂ ابراہیم، سورۂ النور، سورۂ النمل، سورۂ المؤمن، سورۂ الشوریٰ، سورۂ الممتحنہ، سورۂ الفجر، سورۂ الاعراف، سورۂ النحل، سورۂ آلِ عمران، سورۂ یونس، سورۂ الانبیاء اور سورۂ محمد کی آیات کا واضح یا متشابہات کی صورت میں منظوم اظہار و مفہوم ملتا ہے۔ یہ مَیں اس سند کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اِس کبر سنی میں مجھے یہ توفیق دی کہ پچھلے تین چار برس سے قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ کا اُردو اور انگریزی ترجمہ ہی میرا سرمایۂ حیات بنا ہوا ہے۔ اور اسی سرمائے کی بدولت مجھے احساس ہوا کہ اشرف النّساء کا مدحیہ کلام قرآنی آیات کے مفاہیم دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

اشرف النّساء کے کلام میں ایک اور اہم کیفیت سامنے آتی ہے کہ وہ حمدِ باری تعالیٰ سے آغاز کرتی ہیں اور تصوّف کے پائیدان پھلانگتی ہوئی وحدت الوجود، وصلِ شہود اور یہ کہتی ہوئی کہ

ع ہر اِک رنگ میں رنگ تیرا ہے پنہاں

''ہمہ اوست'' کے درجے پر فائز نظر آتی ہیں۔ واعظوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہیں۔ خود مولویوں کے گھرانے سے ناتا ہونے کے باوصف اپنے اشعار میں مولویوں اور واعظوں کو جھاڑ پلا دیتی ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ الزہراؓ، اہلِ بیت، قافلۂ کربلا اور شہدائے کربلا کے مرثیے کہتی ہیں تو کہیں تفاوتِ مسلک کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ ہر تان بہر حال ذاتِ باری تعالیٰ کی الوہیت پر جا کر ٹوٹتی ہے اور ''ہمہ اوست'' کا رنگ سر چڑھ کے بولتا ہے۔ مولویوں کو جھاڑ پلانے پر یاد آیا کہ تاریخِ حکمرانی یا اقتدار ہمیں بتاتی ہے کہ ایک دور تھا جب مولوی یا ملا علمائے دین کا ایک معزز عہدہ، لقب یا خطاب ہوتا تھا اور موروثیت میں چلتا تھا۔ بعد کے زمانوں میں جب مسلمانوں پہ اپنے کیے کی سزا میں زوال آیا تو مقتدر قوتوں نے اِس یا اِس جیسے دوسرے باوقار القابات کی بھد اُڑا کے رکھ دی۔ مولوی اور ملاّ، بھک منگے اور ملوّٹے بن کر رہ گئے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگریزوں نے جب سازشیوں کی مدد سے شیرِ میسور ٹیپو سلطان پر فتح پائی تو اُس فتح کی ''خوشی'' میں جشن کا اہتمام کیا گیا۔ رقص وسرود کی محفل سجائی گئی جس میں بیروں، خانساماؤں اور خدمت گاروں کو بالالتزام، ٹیپو سلطان کے شاہی لبادے سے مماثل وردیاں پہنائی گئیں۔ مقصد ٹیپو سلطان شہید کو ایک طرح سے بعد از مرگ بے توقیر کرنا تھا۔ ایسا ہی گھٹیا برتاؤ محترم اور معزز عہدوں اور القابات کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ اور جو آج تک جاری ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، وہ ہندوستان سے نکلنے کی ہُوک، مکّہ ویثرب میں رہنے کی حسرت اور حجِ بیت اللہ کی للک کا واشگاف الفاظ میں اظہار کرتی تھیں۔ ساتھ ہی وہاں کے حکمراں خانوادے کے بارے میں تحفظات کا برملا ذکر کہ اُنہوں نے جنت البقیع میں قبروں کے نشان تک مٹا دیئے تھے۔ حضرت فاطمہ الزہراؓ کی قبر کے ساتھ ایسا سلوک انہیں شاق گزرا۔ کہا:

جس کو عزت خود خدا نے دی وہ مٹنے کی نہیں
جو مٹانا چاہے گا خود اُس پر آئے گا وبال

جس سال حجِ بیت اللہ سے سرافراز ہوئیں، کہتی ہیں کہ 9 لاکھ حاجی تھے۔ حاجیوں کی حالتِ زار پر ایک نظم میں آنسو بہاتی نظر آتی ہیں۔ حکمراں خانوادے کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔

ملاحیاں سنائیں۔ایسا بیشتر کلام بقول نوشابہ ”خوفِ فسادِ خلق“ کے سبب تدوین کی زد میں آ گیا۔
اشرف النّساء کے ذخیرۂ الفاظ کا پہلے بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔یہاں ایک بات اور ذہن میں آتی ہے کہ یہ علم ایک گھریلو، خانہ دار خاتون کے لیے وہبی، مبدءِ فیاض سے ودیعت اور عطائے ربّی ہی ہوسکتا ہے۔کوئی دوسرا پہلو بھائی نہیں دیتا۔اِس پر یہ مثل بھی صادق آتی ہے:

قبولِ خاطر ولطفِ سخن خداداداست

اشرف النّساء کے ہاں ہندی، پوربی اور لوک الفاظ کا ذخیرہ بھی ہے اور کلام میں ایسا رنگ بھی ملتا ہے جو بظاہر میرا بائی کے بھجنوں کا اثر لیے ہوئے ہے۔
اُن کے ”جذبۂ دل“ اور ”ہر چیز مقابل آجائے“ کی ارفع کیفیت میں ایسا زمانہ بھی آتا ہے جب وہ رات میں سوتے سوتے اچانک اٹھ جاتیں اور آمد کا آغاز ہوجاتا۔ایسے میں لکھتا کون جائے؟ یہ ذمہ داری اُن کی ایک ”خاتون غنچہ“ پر عاید ہوئی۔یہ خاتون غنچہ کون تھیں؟ غنچہ کون تھا؟
سوؔدا کا مشہور وممتاز کردار غنچہ...... وہ بے چارہ تو سوؔدا کی ہجو گوئی کے حوالے سے بدنام ہو کے رہ گیا تھا۔
سوؔدا کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ سوؔدا کو جب کسی کی ہجو کہنا ہوتی تھی تو وہ آواز لگاتے تھے، ”ارے غنچے! لاتو میرا قلمدان ذرا میں اِس کی خبر لوں۔یہ مجھے سمجھا کیا ہے۔“ ستم ظریفی تو یہ ٹھہری کہ غنچہ سوؔدا کا بڑا چہیتا ملازم تھا اور ہر وقت قلمدان اٹھائے رہتا تھا۔سوچنے کی بات ہے کہ سوؔدا نے جب بھی کچھ کہنا ہوتا، لکھنا ہوتا یا آمد ہوتی تو غنچہ ہی کو آواز دیتے ہوں گے۔”شہرآشوب“ ایسا شاہکار اُنہوں نے جب قلمبند کیا ہوگا تو قلمدان غنچہ ہی لائے ہوں گے۔مگر غنچہ بیچارے بس سوؔدا کی ہجو گوئی کے تعلق سے ”بدنام“ ہوگئے۔
اشرف النّساء کے دورِ تخلیقِ کلام میں بھی، اچھائی کا پہلو لیے، ایک ”خاتون غنچہ“ کا سراغ ملتا ہے۔غالباً اُن کے ”ہمہ اُوست“ والے دور میں عموماً رات گئے یا جب بھی اُن پر آمد کا جلال طاری ہوتا تھا تو ورودِ شعر اور آبِ رواں میں کوئی فرق نہ رہتا تھا۔ایسے میں اُنہیں قلمبند کون کرے؟ یہ قرعۂ فال اُن کی بہو (نوشابہ کی امّاں) کے نام نکلا۔وہ اسکول کی پڑھی ہوئی تھیں۔اِملا لے لیتی

تھیں۔ اشرف النّساء نے اُن پر یہ پابندی لگادی کہ وہ کاغذ قلم تکیے تلے رکھ کے اُن کے ساتھ والے بستر پر سوئیں۔ اور جب بھی آمد کا آغاز ہو وہ کاغذ قلم نکال، لکھنا شروع کر دیں۔ اور عرصے تک یہی ہوتا رہا۔ اگلے روز صبح وہ کاغذ لیتیں اور اپنے کہے ہوئے اشعار کی حسبِ ضرورت اصلاح کرتیں۔ تحقیق کی حد تک یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انہوں نے کبھی کسی مستند شاعر یا استاد سے اصلاح نہیں لی۔ اردو کے قدیم اور متروک الفاظ کا جا بجا برمحل استعمال مثلاً "ہووے گا"، "کبھو" اُن کے اشعار میں ملتے ہیں۔ لفظ "چِریا" کے بارے میں جو پاگل یا سودائی کے معانی دیتا ہے، عام تاثر یہی ہے کہ زبانوں اور تہذیبوں کے ملاپ یا پچھاڑ کے نتیجے میں یہ ایک حالیہ اختراع ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، یہ لفظ اخبار میں پہلے پہل معروف صحافی انعام عزیز نے 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے زمانے میں استعمال کیا۔ اُس وقت لال بہادر شاستری بھارت کے وزیر اعظم تھے۔ انعام عزیز صاحب نے یہ کھوج نکالا کہ شاستری جی بچپن میں "ننکو" کہلاتے تھے۔ انہوں نے ایک کردار "ننکو" گھڑا اور پاک بھارت جنگ، شاستری اور بعد از جنگ کے حوالے سے روزانہ ایک دلچسپ خبر Box Item کے طور پر لگا دیتے۔ مَیں تب جنگ کے ڈسٹرکٹ ڈیسک پر ہوتا تھا۔ یوں مجھے یاد ہے کہ انعام عزیز صاحب نے ایک روز Box میں سرخی لگائی "ننکو چِریا ہو گیا"۔ یہ لفظ "چِریا" سے میرا پہلا واسطہ تھا۔ لیکن اشرف النّساء کے کلام میں ہمیں دو جگہ چِریا کا لفظ ملتا ہے۔ اور زمانہ 1930ء سے 1940ء تک کا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ لفظ "چِریا" بھی استعمال کے لحاظ سے خاصا پرانا ہے۔ بعض لوگ اس لفظ کو یوپی کے قصبے "چِریا کوٹ" سے بھی نسبت دیتے ہیں۔

اشرف النّساء کا یہ گم گشتہ مدحیہ کلام پہلی بار منظرِ عام پر لانے کا اعزاز اُن کی پوتی نوشابہ صدیقی کو حاصل ہو رہا ہے۔ یہ کلام افتادِ وقت کے ہاتھوں شاید تلف ہو جاتا لیکن نوشابہ نے اُسے جریدۂ وقت پر ثبت بخش دیا ہے کہ آنے والی نسلوں میں سے کوئی اگر اپنے آباء کے فن و فکر کے بارے میں جاننا چاہے تو شیلف پہ رکھی یہ کتاب اٹھا لے۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر نوشابہ نے اپنی دادی کے منتشر اور برسوں سے گُم کلام کو ڈھونڈ کر اتنا بڑا کام کر ڈالا جو کسی بھی خاندان کے کسی بھی فرد کا سب سے بڑا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ پھر جن حالات کا سامنا نوشابہ کو رہا وہ بھی گویا "بادِ مخالف" کی

ذیل میں آتے ہیں۔ جب وہ اُن کے ساتھ ہندوستان میں رہی تب بہت چھوٹی تھی۔ اور جب ہجرت کر کے پاکستان آ گئی تب اُس کی دادی اشرف النساء عالمِ بالا کو "ہجرت" کر چکی تھیں۔ یہاں بھی اُن کی عمر آڑے آئی۔ اور جب بہت سا پانی پلوں تلے سے گزر چکا تھا اور اُن سے متعلق تمام رشتے بھی دنیا چھوڑ چکے تھے، یہ کام نہ صرف یہ کہ مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ جب نوشابہ نے عزم کیا تب اُس سے چھوٹی عمر کے لوگ خاندان میں باقی رہ گئے تھے۔ اُس نے اُن بچوں سے رجوع کیا۔ اظہارِ تشکر پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ نوشابہ کی خاندان میں بہت توقیر اور وقعت ہے کہ ہر ایک نے اُس سے تعاون کیا اور وہ کچھ فراہم کیا جو خود اُن کی نظروں میں بھی بے وقعت بنا، کہیں اِدھر اُدھر پڑا تھا یا مارے عقیدت کے وہ تعویذ کی صورت کسی صندوق یا الماری کے خانے میں بس تبرکاً رکھا ہوا تھا۔

نوشابہ اپنی ذات میں کسی کباڑن سے کم نہیں۔ پُرانی تحریریں، پُرانی چیزیں، پُرانے دوست، پُرانی محفلیں، پُرانی یادیں اُس کی پسندیدہ ہوتی ہیں۔ اُس نے اپنے ابا، دادا، دادی کے علاوہ پَردادا تک کے پُرزے پُرزے سنبھال رکھے ہیں۔ فی زمانہ یہ عادت متروک ہو چکی ہے اور قابلِ تحسین سمجھی بھی نہیں جاتی۔ مگر جو لوگ روایات کی قدر کرتے ہیں اور شجرۂ نسب سے منسلک رہنا پسند کرتے ہیں، وہ نوشابہ جیسے ہی ہوتے ہیں۔

اب بات آتی ہے مولوی محمد علی قاری کی۔ نوشابہ صدیقی کے پَردادا اپنے زمانے کے نامی وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ قدیم فارسی میں دستگار رکھتے تھے۔ سچ پوچھیں تو ہماری فارسی "گاؤ آمد و خر رفت" پر بقول شخصے "نک" جاتی ہے۔ اور اُتنی ہی فارسی سمجھ سکتے ہیں جتنی آج سے پینتالیس پچاس برس پہلے بی اے تک کے نصاب (لازمی) میں شامل تھی اور اساتذہ کرام ہم جیسے غبی شاگردوں کے مغز میں ٹھونس سکتے تھے۔ آج اگر کچھ تھوڑی بہت حروف شناسی ہے تو اِس کا اعزاز بھی ہمارے اُن اساتذہ ہی کو جاتا ہے جو اپنے علم میں یکتا تھے۔ بقول مشتاق احمد یوسفی، اپنے شاگردوں میں علم کی جوت "بھنگ کی طرح ایک ہی ہلے میں نہیں بلکہ افیون کے اثر کی مانند دھیرے دھیرے جگاتے تھے۔" اور ہمارے یہی اساتذہ رہی سہی کسر دو انگلیوں کے درمیان سرکنڈے کا قلم توڑ کر پوری کر دیتے تھے۔ ایک بار جو مغز میں بٹھا دیا پھر اُسے نکلنے کے لائق نہ چھوڑا۔

مولوی محمد علی قاری کا فارسی دیوان 1931ء میں شائع ہوا۔ اُس میں سے چنیدہ حصے اِس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں تاکہ آغاز اور تسلسل میں رخنہ نہ آنے پائے۔

حاجی مولوی ابوالحسن کا تذکرہ بھی گاہے گاہے آتا رہا ہے۔ اُن کی کچھ علمی، سرکاری اور غیر سرکاری سرگرمیوں کی روداد شاملِ کتاب ہے۔ اُن کے حوالے سے دستاویزات کی عکسی نقول اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ہندوستان میں سیاسی ابتلا کے سبب مسلمان تعلیم کے میدان میں پچھڑ چکے تھے۔ مسلمان زعماء نے اس صورتِ حال کی سنجیدگی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک اعلیٰ سطحی کانفرنس کا ڈول ڈالا جس میں حاجی مولوی ابوالحسن پیش پیش رہے اور ''کمال یار جنگ کی تعلیمی رپورٹ'' منظرِ عام پر آئی جو مسلمانوں کی تعلیمی پیش رفت میں ایک سنگِ میل ثابت ہوئی۔ اِس رپورٹ کی مختصر روداد بھی ریکارڈ کے لیے کتاب میں شامل کی گئی ہے۔

اشرف النّساء کے بعد دوسرا اہم تر حصہ نوشابہ صدیقی کے والد حسن عبداللہ حسنؔ کے مزید افکار اور سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ مزید یوں کہ نوشابہ صدیقی 2007ء میں ''افکارِ حَسن'' کے نام سے، منجملہ اسناد و مراسلت کی عکسی نقول، اُن کا مجموعۂ کلام شائع کر چکی ہیں۔ اُس وقت جو چیزیں رہ گئیں یا بعد میں نوشابہ کی دسترس میں آئیں، اُنھیں اِس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ''افکارِ حَسن'' میں مطبوعہ تحریروں میں جو خامیاں یا غلطیاں رہ گئی تھیں، اُنھیں بھی اصلاح کے بعد زیرِ نظر کتاب میں دوبارہ شامل کیا گیا ہے۔

حسن عبداللہ حسنؔ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، نابغۂ وقت رشید احمد صدیقی کا تحریر کردہ خاکہ ''حسن عبداللہ'' سب پہ بھاری ہے۔ گویا ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں آ گیا ہے۔ لیکن نوشابہ نے وہ خاکہ غالباً کسی ایسی کتاب سے اٹھایا جس میں نہ صرف پروف کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں بلکہ بعض جگہوں پر پورے پورے فقرے یوں چھوڑ دیئے گئے تھے کہ مفہوم و مطلب خبط ہو گیا تھا۔ وہی خاکہ اب رشید احمد صدیقی کی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' کے 1967ء کے اُس ایڈیشن سے لیا گیا ہے جو آئینۂ ادب، لاہور نے شائع کیا تھا۔ پوری کوشش کی گئی ہے کہ اِس میں کوئی غلطی یا بے ربطی نہ رہ جائے۔ حسن عبداللہ تاریخ کہنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے جتنی بھی تاریخیں کہیں یا مادۂ تاریخ نکالا، سب اِس کتاب میں یکجا کر دی گئی ہیں۔

ایک تاریخی نوعیت کا تعارفی خط جو علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور پرووائس چانسلر اے بی اے حلیم نے حسن عبداللہ کی ایک درخواست کے ساتھ منسلک کر کے سندھ مدرسہ کالج، کراچی کے سیکریٹری بورڈ قاضی خدا بخش کے نام بھیجا تھا، نوشابہ صدیقی نے اس کی تاریخی اہمیت پر غور کیے بغیر ''افکارِ حسن'' میں چھاپ دیا۔ اس پر تاریخ ہے نہ کوئی وضاحتی نوٹ یا ہو تو شاید طویل وقت گزر جانے کی وجہ سے ماند بھی پڑ گیا ہو۔ یہ خط اور درخواست جو سندھ مدرسہ کالج میں اُردو لیکچرار کے لیے تھی، اپنے اندر ایک تاریخ سمیٹے ہوئے ہے۔ سندھ مدرسہ کراچی میں لگ بھگ جون 1943ء کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر کالج قائم کیا گیا، کیوں کہ قائد اعظم نے اُن ہی دنوں اپنی اس مادرِ علمی کا دورہ کیا تھا۔ مَیں نے سندھ مدرسہ کے آرکائیوز میں اس عرصے کا ریکارڈ چھاننے اور جاننے کی کوشش کی کہ آیا یہ خطوط اور درخواست سندھ مدرسہ میں پہنچے بھی تھے یا نہیں۔ لیکن ایسا کوئی ریکارڈ دستیاب نہ ہو سکا۔ اس سعیٔ لاحاصل کے دوران قاضی خدا بخش کے بارے میں کچھ دلچسپ معلومات ضرور ہاتھ لگ گئیں۔ اور یہ اندازہ لگانا مشکل نہ رہا کہ آخر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور ''ابا'' (ABA) حلیم نے کس برتے پر تعارفی اور سفارشی خطوط قاضی خدا بخش کو لکھے تھے۔

قاضی خدا بخش سندھ کے ایک نامور سپوت تھے۔ انہوں نے 1908ء میں سندھ مدرسہ میں داخلہ لیا اور ثانوی اسکول کی تعلیم مکمل کی۔ اور پھر جہاں رہے، جہاں جہاں بھی گئے، اپنی مادرِ علمی کی ترقی کا خیال رکھا۔ میٹرک کے بعد وہ مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں اپنی ذہانت اور فطانت کے بل پر بحیثیت طالب علم ناموری پائی اور اسٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہوئے۔ اپنی تمام تر سیاسی، قانونی اور عدالتی سرگرمیوں کے باوصف اپنی مادرِ علمی سندھ مدرسہ کراچی سے ناتا قائم رکھا۔ کراچی کے پہلے مسلمان میئر منتخب ہوئے اور سندھ مدرسہ بورڈ کے سیکریٹری رہے۔

یہی زمانہ تھا جب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور اے بی اے حلیم نے قاضی خدا بخش کے نام تعارفی خطوط بھیجے تھے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی کہ تقسیمِ برِصغیر سے پہلے حسن عبداللہ ملازمت پر کراچی نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس سے پہلے ہی اُنہیں اپنے پاس بلا لینے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ وہ تقسیم سے قبل

ہی 1946ء میں علی گڑھ میں پیوندِ خاک ہو گئے۔ اور اُن کی اولادیں مہاجر بن کر اس شہر میں آ گئیں جہاں وہ ملازمت کے سلسلے میں آنے والے تھے۔ مَیں نے نوشابہ سے کہا بھی کہ اگر ایسا ہو جاتا تو تم لوگ فرزند و دخترِ سرزمین ہوتے۔ ''مہاجر'' نہ کہلاتے!

نوشابہ نے اس کتاب کی ترتیب میں اپنی پُھوپھیوں اور پُھوپھاؤں کو بھی جگہ دی ہے۔ اُن کا کلام اُن کے جذبات واحساسات کا اظہار ہے۔ اور سب سے بڑھ کر نوشابہ نے اپنی امّاں کا حق ادا کیا ہے۔ اِس کے بعد تو اُسے چاہیے کہ اپنا قلم توڑ دے۔

اِس وقت میرے سامنے کم وبیش (بیتے) 120 سال رکھے ہیں۔ ایک ہی خاندان کی چار پیڑھیاں۔ اپنا اپنا رنگ لیے۔ یہ لوگ کہاں کہاں رہے۔ کہاں کہاں اُن کا خمیر اٹھا۔ اور وقت کے دھارے نے اُنہیں کہاں کہاں پہنچا دیا۔ اپنے اپنے وقت اور طلبی پر بہت سے ابدی مسافر ہو گئے۔ وہ ہوں یا رختِ سفر باندھنے والے، ہر کسی کی ہتھیلی پہ علم وادب کی روشن شمع رکھی ہے۔ پانچویں پیڑھی کے بارے میں نوشابہ خود لکھتی ہیں کہ وہ اس سارے علمی اور ادبی اثاثے اور ورثے سے نابلد ہے۔ اور شاید نابلد رہے گی کہ اکثریت اپنی زبان سے، اپنی تہذیب سے ناتا ختم کر چکی ہے۔ پھر بھی اُسے ایک اُمیدِ موہوم آسرا دیے ہوئے ہے کہ اس پانچویں یا بعد کی کسی پیڑھی سے اِس ''دادی'' کا کوئی پوتی پوتا اُٹھے گا۔ بک شیلف سے یہ کتاب نکالے گا اور پڑھنا شروع کر دے گا۔ شاید!

اور یہ سب کچھ کہتے لکھتے ہوئے مَیں سوچ رہا ہوں کہ مَیں کون ہوں؟ اور کیا ہوں؟ نوشابہ نے ایک جگہ کہا ہے کہ ''سرسیّد نے حالؔی سے ''مدّ و جزرِ اسلام'' لکھوا کر جنت میں جانے کی سَند حاصل کر لی۔ مَیں نے اپنی تمام تدریسی زندگی میں طالب علموں کو طالب علم بنانے کی جد و جہد کی، لہٰذا اللہ سے اِس کا صلہ جنّت سے کم نہیں مانگوں گی۔''

اور اِس کتاب کی ترتیب وتدوین میں ہاتھ بٹانے کے بعد..... مَیں؟ اِس پر مجھے اپنی ذات کے حوالے سے ایک قصّہ یاد آ گیا۔

فیضی بہت بڑا عالم، شاعر اور دربارِ اکبری کے نورتنوں میں سے تھا۔ اُس نے سنا تھا کہ جب سعدی نے یہ شعر کہا،

برگِ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(سبز درختوں کا ہر پتا خدا کی معرفت کا دفتر ہے)

تو آسمان سے فرشتے اُس کے لیے خلعت لے کر اُترے۔ تب فیضی نے بھی ایک شعر کہا،

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

(گھاس کا ہر تنکا جو زمین سے پھوٹتا ہے، خدا کے ایک ہونے کی تصدیق کرتا ہے)

یہ شعر کہہ کر وہ آسمان کی طرف دیکھنے اور فرشتوں کا انتظار کرنے لگا۔ فرشتہ تو کوئی نہ آیا۔ البتہ ایک پرندے کا اُدھر سے گزر ہوا اور وہ ایک پیغام دے کر چلا گیا۔ پیغام بیٹ کی صورت میں تھا جو فیضی کی داڑھی پر گری۔ فیضی نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا،

"قدر روائیِ عالم بالا معلوم شد"

اور میرے تو داڑھی بھی نہیں!

پس نوشت:

نوشابہ نے جو پیش لفظ لکھا اُس کے آخری صفحے کی پُشت پر ایک نوٹ میرے لیے لکھا ہے۔

"کیڑے" مَیں اِس کتاب کو مرتب کرتے کرتے اب تھک گئی ہوں۔ مہینوں سے میں 120 سال پہلے کی دنیا میں رہ رہی ہوں۔ میرا آج اب مجھے بُلا رہا ہے۔ کیونکہ اب تو آنے والے کل میں بھی کچھ ساعتیں ہی باقی ہیں۔ جلدی سے اسے چھاپ دو۔ اِس کتاب کے لیے یہ میری آخری تحریر ہے۔ اب مجھ سے کچھ اور نہ لکھوانا...... سمجھے!

اور ہاں کیا یاد کرو گے۔ تمہارا جی چاہے تو اس کتاب سے متعلق جو چاہو لکھ دو اور

یاد رکھو مجنوں گورکھپوری کے بعد یہ اعزاز تمہارے حصّے میں آ رہا ہے۔ ورنہ مَیں روایت شکن ہوں۔ اپنی تحریر یا تدوین پر کسی سے تحسین آمیز تحریر لکھواتے شرم سی آتی ہے۔ پڑھنے والا خود پڑھ کر اُسے احتیاط سے بک شیلف پر رکھے گا یا رڈی میں بیچ کر چار آنے وصول کر لے گا۔ مجھے معلوم ہے تمہارے پاس میرے لیے صرف جلے کٹے جملے ہی ہوں گے۔ اور وہ جملے مجھے بہت عزیز ہوں گے۔

اور مَیں یہ "اعزاز" پا کر سوچنے لگا کہ اب کیا لکھوں؟ قدر دانیِ عالم بالا تو پہلے ہی آشکار ہو چکی!

□

کلامِ اشرف

اشرف النّساء



دادی اشرف النّساء......1925ء میں لی گئی جوانی کی تصویر

ترتیب

صفحہ

اللہ کے حضور

صفحہ

رسول اللہ ﷺ کے حضور

صفحہ

صفحہ

صفحہ

بزرگانِ دین کے حضور

☆☆☆

تری ذات پر ہیں گماں کیسے کیسے!!
ہر اِک کر رہا ہے بیاں کیسے کیسے!

تجھے دیکھا ہر جا پہ اے پردے والے
تو پھر مجھ سے ہو گا نہاں کیسے کیسے

مَیں اُن تیری وحدت کے جلووں کے قرباں
چُھپے اور ہوئے ہو عیاں کیسے کیسے

ذرا دیکھ تو میرے بے رحم قاتل
تکے ہے تجھے نیم جاں کیسے کیسے

عجب دردِ فرقت کا قصہ سناؤں
اگر آپ پوچھیں کہ ہاں کیسے کیسے

نہ پوچھو جو صدمے گزرتے ہیں دل پر
ترے ہجر میں میری جاں کیسے کیسے

مجھے اُن کی چاہت اُنہیں مجھ سے نفرت
الٰہی وہ ہوں مہرباں کیسے کیسے

نہ پایا پتہ تیرا اے میرے یوسف
پھرے چاہ میں کارواں کیسے کیسے

تم ہی تو ہو اشرفؔ جاں کے پیارے
ہوئے میری جاں بدگماں کیسے کیسے

❀❀❀

یاالٰہی رحم کی مجھ پر نظر فرمائیے!!
دل ربا بن کر کے میرے دل میں جلد آئیے

ہوں تڑپتی مرغِ بسمل سی کرم فرمائیے
پردۂ دُوری اٹھا کر سامنے اب آئیے

ہوں پیاسی حشر کے میداں مَیں اے مولا مرے
شربتِ دیدار سے سیراب اب فرمائیے

ہے تمنا فاطمہ زَہراؓ کی مَیں لونڈی بنوں
جنّت الفردوس میں ہیں کس جگہ دکھلائیے

اشرفؔ خستہ کی کچھ امداد اب فرمائیے
اپنا جلوہ صاف صورت میں اسے دکھلائیے

❀❀❀

خداوندا تُو سُن لے آرزو ہے اب یہی میری!
مرے تاریک دل میں روشنی اُلفت سے ہو تیری

ترا فضل و کرم ہر نیک و بد پر چھائے رہتا ہے
مَیں دیکھوں ہر گھڑی جلوہ کبھی سیری نہ ہو میری

تڑپ کر روح قالب سے نکل جائے جو آ جاؤ!
تصدّق جان قدموں پر کروں ہے آرزو میری

ہر اِک شے کی طلب دل سے مٹا دے اے مرے مولا
ہمیشہ جستجو دل کو رہے دیدار کی تیری

اندھیرے میں اجالے میں ترَی میں اور خشکی میں
ترے انوار دیکھوں آنکھیں کھل جائیں ذرا میری

تجلّی طُورِ سینا کی طرح آئے مرے دل میں
تمنّا ہے یہی کہ برملا دیکھوں ضیا تیری

محبت جُز تری دل میں کسی شے کی نہ رہ جائے
تُو ہی تُو ہر طرف ہو اور اُلفت دل میں ہو تیری

نزع کا وقت جب آئے تو کلمہ لب پہ ہو جاری
ترا جلوہ ہو آنکھوں میں اور جاں پرواز ہو میری

تپِ ہجراں سے لب پر دم ہے اے آقا خبر لیجے
تڑپ کر روح قالب سے جُدا ہو جائے گی میری

بقیع میں دفن ہوتی تو کُل حسرت نکل جاتی!
پڑی ہوں ہند میں تب سے لبوں پر جان ہے میری

یہ اشرفؔ نیم جاں فریاد کرتی ہے ذرا سن لو
مٹا دو جرمِ عصیاں کو یہ بندی خاص ہے تیری

❁❁❁

اپنے شیدائی سے پردہ کیا کرتے ہیں
یہ ادا لاکھوں میں بس اُن کی نرالی دیکھی

دلِ روشن میں ترے حُسن کا جلوہ دیکھا!
رات کالی میں تری زلف کی سیاہی دیکھی

ہجر میں اُن کے جلی جاتی ہوں پروانہ سی
یہ ادا ہم نے اویس قرنی کی سیکھی

عشق کی آگ نے تن کو جلایا میرے
آتشِ ہجر کی سی ہم نے نہ تیزی دیکھی

ایک چنگاری نے اس طرح جلایا مجھ کو
ایسی سوزش تو نہیں آگ میں مولا دیکھی

دل میں ہنک نہیں اے یار خبر لے میری
یہ تغافل کی ادا آپ نے کس سے سیکھی

اشرفؔ خستہ کا دم ہائے نکل جائے گا
مرغِ بسمل سی پھڑکتی اسے ہم نے دیکھی

❀❀❀

اسیری میں مزہ ہم کو ملا ہے آشنائی کا
ہُوا دل میرا گرویدہ کسی کی رہنمائی کا

طلب جو کچھ کیا ہم نے دیا اپنی عنایت سے
ہُوا دل شیفتہ میرا مسیحا کی دوائی کا

مریضِ عشق پر نظرِ کرم اُن کی برابر ہو
ہمارے دل کو اب یارب نہ ہو صدمہ جُدائی کا

مری فریاد سن یارب مَیں اُمت مصطفےٰؐ کی ہوں
نہ کر محروم رحمت سے تصدّق کبریائی کا

مری اولاد کو یارب ہمیشہ شاد و خُرّم رکھ
تصدّق رہنمائی کا تصدّق مصطفائی کا

انہیں عزت و رفعت تُو عطا کر اے مرے مولا
عطا ہو تندرستی اُن میں ہو جوہر صفائی کا

مری اولاد کو خوش رکھ دکھا اُن کی خوشی مجھ کو
بڑھا دُنیا میں عزت، مرتبہ دے بادشاہی کا

عطا کر دین و دنیا میں عزت اُن کو اے مولا
کرم اُن پر ہو صدقہ اب کسی کی دلربائی کا

نہ رکھ محتاج دنیا میں بجُز اپنے کسی کا اُنہیں
ملے عقبیٰ میں رُتبہ مصطفیٰؐ کی بس گدائی کا

تجھ ہی سے عرض کرتی ہے یہ اشرفؔ ناتواں بے کس
رحم کی ہو نظر مجھ پر، نہ ہو شہرہ دُہائی کا

❀❀❀

جلوہ دکھا کے بام پر رُوپوش ہو گیا
شعلہ بھڑک کے طُور پر خاموش ہو گیا

اُن سے جُدا ہوئے تو طلب اور بڑھ گئی
وصلت کا خیال دل سے فراموش ہو گیا

میرے جسد کا چار کے کاندھے پہ بوجھ ہے
سمجھا تھا مَر کے آج سُبک دوش ہو گیا

گنگا سے بڑھ کے نالے کے پانی میں جوش ہے
ملنے کا شوق تھا کہ وہ پُر جوش ہو گیا

ہم نے سنا کہ کم نہیں قُم سے صدائے یار
سُننے کے واسطے ہمہ تن گوش ہو گیا

کہتا تھا دید اپنی خدا را دکھایئے
دیکھا تو چیخ مار کے بے ہوش ہو گیا

لبیک جب کہا تو وہ پردہ بھی اُٹھ گیا
زُلفِ عنبریں سنگھا دیا بس ہوش ہو گیا

یثرب میں پہنچی جب تو محبت کا جوش تھا
روضہ نبیؐ کا دیکھ کے مدہوش ہو گیا

صلِ علیٰ سنا تو وہیں مرحبا کہا
منکر جو تھا وہ دیکھ کر خرگوش ہو گیا

شرمندہ ہو کے آنکھوں کو بس بند کر لیا
اشرفؔ کے پاؤں کی وہیں پاپوش ہو گیا

❀❀❀

تماشہ قُم کا تیرے اے مسیحا ہم بھی دیکھیں گے
بروزِ حشر اُن کو بے حجاب اِک بار دیکھیں گے

تڑپتا دل ہے آنکھیں کور ہیں مَیں مُرغِ بسمل ہوں
وہ کہتے ہیں کہ تیرے دردِ دل کو یار دیکھیں گے

لبوں پر جان ہے دم گُھٹتا ہے رشتۂ زندگی ٹوٹا
صنم کہتا ہے تیری زندگی کا تار دیکھیں گے

خدایا رحم کر اُمت ترے محبوب کی ہوں مَیں!
کوئی محشر میں دیکھے ہم یہاں اِک بار دیکھیں گے

بجز دل دار کے کوئی نہیں ہے آرزو دل میں
دمِ آخر کہوں مولا کہ ہم رخسار دیکھیں گے

طلب آرام کی جن کو ہے وہ جائیں گے جنّت میں
ہم اہلِ بیت، احمدؐ کا ہرا گلزار دیکھیں گے

نہ گلشن دیکھیں گے ہم اور نہ جنّت دیکھیں گے صاحب
مدینے میں رسول اللہ کا دربار دیکھیں گے

اے واعظ کیا سُناتے ہو ہمیں خاموش ہو جاؤ
حقیقت، جانتے ہیں ہم اُنہیں اِک بار دیکھیں گے

اے اشرفؔ کر دُعا رب سے تجھے دیدار ہووے گا
وہ ہیں پردہ نشیں ہم دل افگار دیکھیں گے

❀❀❀

ہاتھ پھیلائے ترے سامنے چمل☆ بھر دے
طرز سے شاغلوں☆ کے تُو مجھے ماہر کر دے

شغل میں آج سے ڈوبی رہوں ہر دم پیارے
تیرے سودے میں رہوں مست تُو ایسا کر دے

مجھ کو متوالا مری جان تُو اپنا کر دے
کیسے اُڑ جاؤں مرے بازو میں پَر دے

اس چمن کا مجھے اے یار تُو بلبل کر دے
گلِ خیرو سے میرا آج تُو دامن بھر دے

سونگھیں خوشبو تو اٹھیں قبر سے جی کر مُردے
حلق اشرفؔ کی ہے سُوکھی تُو اسے تَر کر دے

❀❀❀

☆ کاسۂ گدائی

☆ خدا کا ذکر کرنے والے

دیدار دکھا کے مجھے مستانہ بنا دے
اس شمعِ رخِ یار کا پروانہ بنا دے

مکہ میں بھی دیکھا تجھے یثرب میں بھی دیکھا
رہتا ہے تو کس پردے میں آواز سُنا دے

اب بہرِ خدا صدقہ حسینؓ ابنِ علیؓ کا
بگڑی ہوئی باتوں کو مری آج بنا دے

ڈھونڈوں مَیں کہاں جا کے پتہ کچھ نہیں ملتا
پردہ رخِ انور سے ذرا اپنے اُٹھا دے

کہتے ہیں کہ ہر شے میں تیرا جلوہ ہے روشن
کس ڈھب سے ملے گا مجھے وہ بات بتا دے

کعبہ میں بھی جا کر کے تسلّی نہیں ہوتی!!
اشرفؔ کو ذرا اپنی جھلک صاف دکھا دے

❀❀❀

90

رخ سے پردہ اٹھا دے سنولیا مرے
تیرے دیدار کے ہم ہیں طالب کھڑے

کبھی پایا تجھے کبھی تڑپا کیے
جب کہ معراج میں تھے پیمبرؐ گئے

تھے ملائک بھی ہمراہ باندھے پرے
حور و غلماں بھی آراستہ ہو گئے

کُل نبی اُٹھ کے تعظیم کرنے لگے
جب ہوئے دونوں یکجا تو پردے گرے

کُل حقیقت انہیں رب نے بتلا دیے
تھے جو پردے دوئی اس کو اٹھوا دیے

شانِ وحدت نبی جی کو دکھلا دیے
جب کہ عاشق و معشوق یکجا ہوئے

راز پنہاں جو تھے سارے افشا ہوئے
اپنے جلوے محمدؐ میں دکھلا دیے

پھر ان ہی سے دو عالم ہویدا کیے
چاند و سورج ستاروں کو پیدا کیے

آنکھوں میں روشنی دل میں قوت ہوئی
اٹھ کے صلِ علیٰ سارے پڑھنے لگے

پھر تو اشرفؔ کی آنکھوں پہ پردے پڑے
وہ کہیں ہو گئے ہم کہیں ہو گئے

❀❀❀

تصوّر میں تو روز ملتے ہو مجھ سے
کبھی سامنے آؤ یہ آرزو ہے

کہی ہم نے دل کی تو جھلا کے بولے
خبردار چُپ رہ، یہ کیا گفتگو ہے

مَیں پردے میں رہتا ہوں پردہ ہے لازم
نہ ہو فاش پردہ تو کیوں دُو بدُو ہے

مری دید کی تُو نہ کہنا کسی سے
ہماری تو کیا یہ تری آبرو ہے

ہر اِک ذرّے ذرّے میں روشن ہے جلوہ
مریٔ خاص صورت بھی دیکھی کبھو ہے

جو بے پردہ اِک بار مجھ کو دیکھے
تو بس زیرِ خنجر تمہارا گلو ہے

شہادت ہے لازم مرے آشنا کی
پھرا کرتا صحرا میں وہ کُو بہ کُو ہے

شہادت ہوئی ہے علی مرتضیٰؓ کی
شہادت حسینؓ و حسنؓ مُو بہ مُو ہے

اگر مجھ کو چاہے گی برباد ہو گی
تُومٹ جائے گی اب تو لازم وضو ہے

ہزاروں ہیں قصے ذرا دیکھ لے تُو
بہت خار ہیں پوچھ تیرے گرو ہے

تُوعورت ہے کیسے نبھائے گی اس کو
اے اشرفؔ سنبھل جا، یہ کیا جستجو ہے

❀❀❀

جلوہ اپنا دکھا کے عالم کو
محوِ حیرت بنا دیا کس نے

مست بے خود بنا دیا کس نے
جامِ الفت بنا دیا کس نے

مَیں تو دیدار ہی کی طالب تھی
رُخ سے پردہ اُٹھا دیا کس نے

ڈھونڈتی جس کو دربدر مَیں پھری
آج گھر میں بُلا دیا کس نے

میری سی در پہ اُن کے لاکھوں ہیں
مجھ کو در سے اُٹھا دیا کس نے

واں گئی کہ بچوں گی آفت سے
در سے اُن کے ہٹا دیا کس نے

ہند میں آئی ہائے کس کے لیے
اب ہنسا کے رُلا دیا کس نے

وصل کی چاشنی چکھا کے مجھے
ہجر میں پھر پھنسا دیا کس نے

میری تکلیف اُن کو راحت ہے
سو گئی تو جگا دیا کس نے

ملک یثرب میں وہ تو رہتے ہیں
ہم کو جلوہ دکھا دیا کس نے

اشرفؔ خستہ کو بلا لو شہا!
نیم جاں اس کو کر دیا کس نے!

بختِ خوابیدہ میرا سوتا تھا
آج بگڑی بنا دیا کس نے

اتنی فرصت نہ دی کہ بات کروں
جھٹ سے پردہ گرا دیا کس نے

میرے مندر میں آ کے چپکے سے
اپنی جھلکی دکھا دیا کس نے

❀❀❀

کیا کروں کس سے کہوں ہے کون میرا غم گسار
جُز ترے کوئی نہیں مونس مرا پروردگار!

مشکل اب آسان کر کشتی پڑی منجدھار میں
واسطہ اُن کا جنہیں بخشی تھی تُو نے ذوالفقار

یاالٰہی سخت مشکل میں ہماری جان ہے!
رحم کر دے رحم مَیں تیری کریمی کے نثار

کور چشمیں ہیں ہماری کر دے روشن اے خدا
کھول دے آنکھیں ذرا دیکھوں مَیں قدرت کی بہار

صدقہ حضرت مصطفیٰؐ کا رحم کر اے کبریا
ہجر کے صدمے سے میرا ہو گیا سینہ فگار

سب نے چھوڑا مجھ کو تنہا جب مصیبت آ پڑی
بے کسی کے وقت میں ہوتا ہے تُو ہی غم گسار

بھول جاؤں اپنی ہستی کو خدایا اس طرح
جس طرح منصور بھُولے تھے ملی تھی اُن کو دار

صدقہ اپنے پیر کا اور پیر کے دربار کا
وہ عطا کی جس کے قابل تھی نہ اشرؔف زینہار

❀❀❀

حضرتِ موسیٰؑ کو خود تُو نے بلایا اے خدا
طُور پر جلوہ انہیں دکھلا دیا تھا برملا

صدقہ حضرت مصطفیٰؐ کا، رُخ سے اب پردہ اٹھا
مَیں تصدّق تیرے جلوے کی مجھے جلوہ دکھا

کُو بہ کُو صحرا بہ صحرا تُو نہ اب مجھ کو پھرا
ہوں مَیں عورت کس طرح پردے کو توڑوں اے خدا

جان و تن سب کر دیا ہے نام پر تیرے خدا
اب تو میرے پاس میں باقی نہیں کچھ رہ گیا

مَیں تو موسیٰؑ کی طرح غش کھا کے گرنے کی نہیں
کیونکہ حضرت مصطفیٰؐ کی والی و شیدا بنی

وہ تو باتیں سُن کے تیری دید کے طالب ہوئے
حُبِ احمدؐ سے نہ موسیٰؑ اس طرح ماہر ہوئے

میرے مولا میرے رہبر رحم مجھ پر کیجیے
گھر کے اندر طُور کا جلوہ مجھے دے دیجیے

ہوں پیاسی شربتِ دیدار کی مَیں اے خدا
مرتے دم بس دید تیری ہووے مجھ کو برملا

کس جگہ ڈھونڈوں ترا جلوہ، ہوں پاتی جابجا
صاف صورت اپنی تُو مجھ کو دکھا اے رہنما

گو سمجھتی ہوں ترا جلوہ محمدؐ میں ہُوا
کس طرح موسیٰؑ نے دیکھا مجھ کو بھی دکھلا ذرا

ایک دم دیکھی تجلّی بس انہیں غش آ گیا
کچھ نہیں واقف تھے اس کے بعد کیا ہووے گا

مَیں تو واقف ہوں سمجھتی ہوں کہ تُو نے کیا کیا
ایک ہی دم میں تُو نے قطرے کو دریا کر دیا

اشرفؔ گستاخ کی جرأت ذرا تو دیکھیے
بڑھ گئی اب اس قدر ہمّت ذرا تو دیکھیے

آرزو یہ آخری ہے کر دے پوری اے خدا
دم لبوں پر آئے تو کلمہ پڑھے اشرفؔ ترا

❀❀❀

کیوں خبر لیتے نہیں ہو اشرفِ بیمار کی
تیز کر لو، دھار کند ہو جائے گی تلوار کی

بات کی تھی حضرتِ موسیٰؑ نے کوہِ طُور پر
تُو نے ہی منصور کو لذّت چکھائی دار کی

قعرِ دریا میں پڑے جب نوحؑ تُو نے کی مدد
ڈوبتی کشتی ہزاروں کی تُو ہی نے پار کی

جب تڑپ دل میں ہوئی فوراً ہوا تجھ کو خیال
تُو خبر گیراں ہے تو حاجت نہیں ہے تار کی!

یہ مرا ایمان ہے کہ تُو ہے ہمارا سرپرست
یاد رہتی ہے مجھے ہر وقت تجھ دل دار کی

❀❀❀

جامِ وحدت پلا کے مست مجھ کو کر دیا!
نورِ احمدؐ ہر طرف ہم کو نظر آنے لگا

نامِ حق منہ سے لیا قدموں میں سر کو رکھ دیا
پیانہ خالی تھا مرا، لبریز کس نے کر دیا

اپنا شیدائی بنا کے کس نے رُسوا کر دیا
عشق کے رستے میں اب تو سر کو اپنے رکھ دیا

جو کیا بہتر کیا جو کچھ کیا اعلیٰ کیا
اشرفِ مسکیں کو تُو نے آج اپنا کر لیا

❀❀❀

مرے پہلو میں چُھپ کر کون بیٹھا دل مسلتا ہے
جلن سینے میں ہوتی ہے کلیجہ میرا جلتا ہے

ذرا سن مہرباں ہو کر کوئی فریاد کرتا ہے
مَیں ہوں مظلوم اے داتا تُو ہی امداد کرتا ہے

مریضِ ہجر ہوں دیکھو مرا دم کیوں نکلتا ہے
بلا محبوب کے دیکھے محبّ دنیا سے جاتا ہے

وہ کہتے ہیں ہمارا حال سن کر کیوں وہ بِکتا☆ ہے
سفر در پیش جب ہوتا ہے تو پھر کیا کوئی رُکتا ہے

رحم لازم ہے ہر اِک دیکھنے کو میرے آتا ہے
وہی ہے ایک ایسے وقت میں بس منہ چھپاتا ہے

☆مطیع ہونا

ہزاروں ڈوبتی کشتی کو بس تُو ہی تراتا ہے
مری ٹوٹی ہوئی نیّا کو کیوں اب تُو ڈبوتا ہے

کہاں جاؤں کہاں پاؤں نہیں کوئی بتاتا ہے
بلا لے مجھ کو یثرب میں، وہیں پر دل بہلتا ہے

کہوں کس سے نہیں کوئی ہمارے دل کی سنتا ہے
ارے اشرفؔ نہ گھبرا پھر وہ تجھ پر رحم کرتا ہے

❁❁❁

مری قسمت کو یوں آزمانے لگا
کر کے پردہ مجھ کو ستانے لگا

دیکھی حالت تو اُس کو ترس آ گیا
یار پردے میں اب نظر آنے لگا

صاف بے پردہ ہو کے وہ آتا نہیں
جلوہ ہر شے میں اپنا دکھانے لگا

دل کا زنگ دُھل گیا آنکھیں روشن ہوئیں
جو نہ دیکھا تھا اب وہ دکھانے لگا

کان بہرے تھے اُس کی نہ سنتی تھی مَیں
اب وہ خود باتیں اپنی سُنانے لگا

مثل تارے کے روشن کبھی ہوتا تھا
اب وہ نور ہر جگہ جگمگانے لگا!

انتظاری میں سارا گزرتا ہے دن
رات کو یار گھر میرے آنے لگا

جو طلب کی اسے رب نے فوراً دیا
ابرِ رحمت کا مینہ برسانے لگا

صاف کر کے کدورت کو دل سے مرے
اپنی رحمت کا نقشہ جمانے لگا

غمِ فرقت کے صدمے سہوں کس طرح
اشرفؔ خستہ کو کیوں رُلانے لگا

❁❁❁

عیش میں جس کو یادِ خدا نہ رہے
طیش میں جس کو خوفِ خدا نہ رہے

ایسے انسان کو انساں نہ جانے کوئی
شکل پر کوئی اس کے فدا نہ رہے

پائیداری محبت میں اس کے نہیں
اعتبار اس کا دل میں سدا نہ رہے

قہر مولا کا رہتا ہے اس پر سدا
چشم میں جس کے باقی حیا نہ رہے

جس کے دل میں ہمیشہ ہو خوفِ خدا
اس سے محبوبِ اکرم جدا نہ رہے

رحم کی جس پہ ہو جائے اس کی نظر
قصرِ شاہی ملے وہ گدا نہ رہے

اے مسیحا تو کر دردِ دل کی دوا
کسی حاذق سے یہ التجا نہ رہے

شربتِ دید ہم کو پلا دیجیے
تشنگی کا کسی سے گلہ نہ رہے

اشرفِؔ خستہ کو پھر بلا لو شہا
خار حسرت کا دل میں چُبھا نہ رہے

❀❀❀

صدقہ اپنی کبریائی کا اے مرے کبریا!!
مَیں ہوں طالب دید کی اب مجھ کو بھی جلوہ دکھا!!

ایک دم میں تُو نے ہی مجھے کیا سے کیا کر دیا
حُبِّ احمدؐ اس قدر سینے میں مرے بھر دیا!

اپنی ہستی کچھ نظر آتی نہیں ہے زینہار!
اس کا جلوہ ہر طرف پاتی ہوں بس میں آشکار

کچھ لپک ایسی بڑھی دل کو نہیں ہوتا قرار!
رات و دن فرقت میں اس کی رہتی ہوں مَیں بے قرار

❀❀❀

نقاب رخ سے اُلٹ دو کہ ہم تمہیں دیکھیں
کھڑے ہیں زیرِ لبِ بام نیم جاں مُشتاق

ہمیشہ حُسن کا بازار تیرے گرم رہا
تڑپ تڑپ کے رہا یہ مرا دلِ مُشتاق

حرم میں شیخ ہے اور دَیر میں برہمن ہے
تمہارے دید کے بھی ہیں کہاں کہاں مُشتاق

تُو وہ حُسن ہے اے یارِ مہ جبیں واللہ
کہ تیرے دید کے پیر و جواں ہیں مُشتاق

وبالِ جان ہے اشرفؔ کو بس تمہارا فراق
کہ رُوح رہتی ہے ہر وقت اب تری مُشتاق

❁❁❁

آنکھوں میں روشنی تمہاری رہے
دل میں رہتے ہو دل ربا بن کر

اس پہ دعویٰ کہ ہم ہیں پردہ نشیں
پہنچے گلشن میں بھی صبا بن کر

آتشِ ہجر نے جلایا مجھے
دل ختم ہو چلا کتاں☆ بن کر

روز جاتے ہو تم رقیب کے گھر
ہم سے چُھپتے ہو جانِ جاں بن کر

سب سے چُھپ جائے یہ ممکن ہے
ہم تو ڈھونڈیں گے اب ہماں☆ بن کر

☆ایک قسم کا باریک کپڑا جس کی نسبت مشہور ہے کہ چاندنی رات میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔
☆وہی۔اُسی کی طرح کا۔ویسا ہی

کب نظربازوں نے تجھے چھوڑا
ہم بھی پائیں گے پاسباں بن کر

میرے آنے کی جب خبر پائی
کہتے ہیں لوگوں سے یہ تن بن کر

دیکھو اشرفؔ کو یاں نہ آنے دو
آتی ہے یاں پہ آشنا بن کر

در سے آخر ہمیں اٹھا ہی دیا
کب یہ لازم تھا مہرباں بن کر

❀❀❀

رات طالع مرا بیدار ہوا خوب ہُوا
خواب میں یار کا دیدار ہوا خوب ہُوا

روز و شب مجھ سے کیا کرتے پردہ سرکار
آج پردہ ترا بیکار ہوا خوب ہُوا

دیکھنے میں تو مہر اہ ہے مرے سر پہ بندھا
واقعی سر کا یہ دستار بنا خوب بنا

ڈورے تسبیح کے گردن میں پڑے ہیں دیکھو
عشق میں یار کے زنار ہُوا خوب ہُوا

تیر اندازی کیا نظروں سے ہمارے دل پر
ہاتھ میں آسا☆ تھا تلوار ہُوا خوب ہُوا

کہتی اشرفؔ ہے ذرا میری بھی سُن لو مولا
اس طرف آپ کا آجانا ہُوا خوب ہُوا

❀❀❀

☆مانند۔مثل

جب ملانا تھا تو پھر کیسے ملے!
آنکھوں آنکھوں میں اشارا ہو گیا

اپنے گھر ہم کو بلایا آپؐ نے
حج کے کرنے کا بہانا ہو گیا

کیوں نہیں ہم کو بلاتے پھر وہاں
مدتیں گزریں زمانہ ہو گیا

ہجر کے صدمے اٹھائیں کب تلک
غم کا اب دل میں ٹھکانا ہو گیا

آپ خود آتے نہیں ہیں میرے گھر
پردہ داری کا بہانا ہو گیا

اِک نظر سے آپ نے تڑپا دیا
گرنے پڑنے کا بہانا ہو گیا

قتل کر کے آہ قاتل چل دیا
وصل کا قصّہ فسانا ہو گیا

کر کے رسوا ہائے اُن کو کیا ملا
ہم کو تو رونا رلانا ہو گیا

یاد آتی ہے جو وصلت کی گھڑی
ہر گھڑی آنسو بہانا ہو گیا

اشرفِ مسکیں کی سن لیجیے ذرا
اس طرف کو کیسے آنا ہو گیا

ہند میں رہ نہیں سکتی شہا
اب بلا لو گھر پُرانا ہو گیا

بڑھ گئیں اس طرح سے رسوائیاں
لوگوں سے اب جی چرانا ہو گیا

جان دے دوں گی مَیں قدموں پر ترے
اس طرف گر تیرا آنا ہو گیا

منتظر ہوں آپ کے دیدار کی
بس ستم پردہ گرانا ہو گیا

بے حجاب اِک بار پھر آ جایئے
مجھ کو پڑھنا دو گانا ہو گیا

قتل کر دینے سے کیا صورت بنی
دیکھو تو جوڑا شہانا ہو گیا

ہو گئی مجھ کو شہادت بھی نصیب
سرخ رو کر کے بلانا ہو گیا

❀❀❀

چھپائی کس لیے صورت دکھا کر
ہمیں آشفتہ و شیدا بنا کر

پھر اپنے حُسن کا جلوہ دکھا دو
ہمارا سینہ آئینہ بنا کر

تڑپتا ہے دلِ غمگیں ہمارا
ملے گا کیا تمہیں ہم کو ستا کر

کِیا ہے پیرِ مغاں نے ہم کو بے خود
ہمیں جامِ مئے وحدت پلا کر

وہ دامِ زلف میں دیتے ہیں ایذا
ہمارے طائرِ دل کو پھنسا کر

جنونِ عشق میں یارب کسی کو
نہ یوں میری طرح تُو مبتلا کر

نہ بُھولو اشرفؔ خستہ کو مولا
درِ شاہانہ پر اپنے بُلا کر

❀❀❀

یہ باغ اچھا ہمیں دکھایا کہ تم سِوا دل کو کچھ نہ بھایا!
نظر میں ہے وہ بہار چھائی کہ جس میں ذکرِ خزاں نہیں ہے

دکھا کے صورت چُھپے ہو ہم سے، نرالے پردہ نشیں تم ہی ہو
لو اب تو الٹو نقاب رخ سے، کوئی بھی اب درمیاں نہیں ہے

کہاں پہ ڈھونڈوں کہاں پہ پاؤں، پتہ بتاؤ کہ پاس آؤں
حرم میں ہو یا کہ دَیر میں ہو تم، ہمیں تو اس کا پتہ نہیں ہے

عرب میں دیکھا عجم میں دیکھا نشان تیرا تمام پایا!!
مگر کہیں صاف تیری صورت کسی جگہ پر عیاں نہیں ہے

شرابِ الفت پیا ہے جیسے، خمار آنکھوں میں بھر گیا ہے
وہ بدحواسی ہے مجھ پہ چھائی کہ تن بدن کی حیا نہیں ہے

نشہ نہ اترے ہمارا یارب مزے میں رقص و سرور ہووے
پڑی رہوں در پہ یار کے میں، مرا ٹھکانہ کہیں نہیں ہے

بلا لو اپنے کرم سے مجھ کو دکھا دو جلوہ ہٹا کے سب کو
بہارِ جنّت کی ہے مدینہ جھلک تمہاری کہاں نہیں ہے

یارِ یثرب میں ہے تمہارا ہماری آنکھوں کا ہے ستارا
ہے خاک واں کی دوا ہماری کہاں پہ اس کی ثنا نہیں ہے

خبر لے میرے کریم رہبر کہاں ہے تجھ سا کوئی پیمبر
بھٹکتی پھرتی رہوں مَیں کب تک مرا تو والی کوئی نہیں ہے

جو تیری الفت میں جان دوں گی تو لوگ ظالم تجھے کہیں گے
ہزاروں مُردے جِلائے تُو نے ہمارے دل کی دوا نہیں ہے

نذر میں کیا لائے جانِ جاناں یہ آپ کی اشرفؔ پریشاں
سوائے اندوہِ یاس و حرماں کوئی بھی پاس ارمغان☆ نہیں ہے

❊❊❊

☆ہدیہ۔نذر

خدا جب بلائے گا جانا پڑے گا نہیں اُن سے منہ کو چھپانا پڑے گا
جو نیکی بدی تُو نے دنیا میں کی ہے وہ سب باتیں رب کو سنانا پڑے گا

جو اعمال نامہ چُھپا ہے یہاں پر وہ محشر میں رب کو دکھانا پڑے گا
نہیں کام آئیں گے اپنے پرائے محبت کا نقشہ مٹانا پڑے گا

نہ اُلفت کسی چیز کی دل میں رکھنا محبت کا رشتہ چھڑانا پڑے گا
جو کرنا ہے جھٹ پٹ اسے کرلو بندو دوبارہ پلٹ کر نہ آنا پڑے گا

نہ مالک سے شرمندہ ہونا عزیزو جو فرمان ہے وہ بجانا پڑے گا
بتاؤ گے اشرفؔ کو کب یہ بتاؤ بنا کر کے اپنا نبھانا پڑے گا

❀❀❀

تُو میرا ہے مَیں تیری ہوں تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں
تُو لیلیٰ ہے مَیں مجنوں ہوں تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں

مَیں کیا کہوں تجھ سے مَیں کیا کہوں تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں
رخسار کی تیری شیدا ہوں تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں

عالم کے لیے تماشہ ہوئی تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں
مٹی کا اِک کھلونا ہوں تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں

جب چاہے گا خود توڑے گا تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں
پھر کُن کہہ کر جلا دے گا تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں

اِک جلوے سے اُن کے پیدا ہوں تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں
خود تُو بھی اُن کا شیدا ہے تُو مجھ میں ہے مَیں تجھ میں ہوں

❀❀❀

شرابِ معرفت ہم کو پلا کے مست کر دیجے
بھڑکتی آگ ہے دل میں اب اس کو سرد کر دیجے

مری جاتی ہوں فرقت میں دوا اب میری کر دیجے
مَیں بے کس ناتواں ہوں لونڈیوں میں فرد کر دیجے

اٹھا کے رخ سے پردہ سامنے اب دید کر دیجے
نظارہ آپ کا ہووے ہماری عید کر دیجے

یہ اشرفؔ ناتواں کس کو پکارے کچھ تو کر دیجے
جگر خالی پڑا ہے اس میں پیدا درد کر دیجے

❀❀❀

مناجات

یاالٰہی تُو بڑا غفّار ہے!!
گر کرم کر دے تو بیڑا پار ہے

جز ترے کس سے کہوں اے کردگار
کوئی نہیں مُونس مرا پروردگار

سامنے ہو وقت جب جاں کنی
ہو مدد اس دم مرے سرکار کی

اسرار کہتی ہوں تو غفّار کا
فاش ہو پردہ نہ مجھ بدکار کا

آبرو میری وہاں رکھ لیجیے گا
عرش کے نیچے جگہ دے دیجیے گا

عمر گزری کی نہ ہم نے بندگی
اے مرے رب ہے مجھے شرمندگی

منہ بھلا پیر کو کیا دکھلاؤں گی
حشر میں جاتے ہوئے شرماؤں گی

چاہے دوزخ میں رکھے یا دے بہشت
پاؤں گی جیسی مری ہو گی سرشت

آرزو ہے جب تلک زندہ رہوں
اپنی بی بی کی قدم بوسی کروں

راہ دکھلائیں مجھے وہ مستقیم
تا نہ خود پکڑے مجھے نارِ جحیم

مجھ پہ شفقت ہو مرے سرکار کی
ہو غلامی بس اُسی دربار کی

دولت و ثروت کی خواہش ہے نہیں
عزت و رفعت کی خواہش ہے نہیں

سر ہو میرا اور درِ جانانہ ہو
خاک اڑاؤں شکل بس مستانہ ہو

زیرِ سایہ پیر مُرشد کے رہوں
نام کا اُن کے وظیفہ مَیں پڑھوں

رنگ میں اُن کے مَیں رنگ جاؤں ابھی
کام اپنے بھُول مَیں جاؤں سب ہی

عشق دے حضرت محی الدّین کا
جلوہ دیکھوں میں معین الدّین کا

اُن کی مجھ کو کفش برداری ملے
کوئی عہدہ اب مجھے بھاری ملے

بادشاہی مَیں نہیں ہوں چاہتی
ان کے در کی ہوں گدائی چاہتی

صدقہ حضرت مصطفےٰؐ کا رحم کر
صدقہ حضرت مرتضیٰؓ کا رحم کر

سامنے نظروں کے جلوہ ہو ترا
خاتمہ بالخیر یونہی ہو مرا

اشرفِؔ خستہ بہت رنجور ہے
ہجر کے صدموں سے بس دل چوُر ہے

❀❀❀

رسول اللہ ﷺ کے حضور

نہ کیوں کر نام لوں ہر دم تمہارا یارسول اللہ
خدا نے شوق سے تم کو پکارا یارسول اللہ

ہمیں ہے ذات کا تیرے سہارا یارسول اللہ
ملے اب لہرِ دریا کا کنارا یارسول اللہ

مدینے میں بلا لیجے دوبارہ یارسول اللہ
میں دیکھا کرتی ہوں اب استخارہ یارسول اللہ

نظر آئے ہمیں تیرا دوارا یارسول اللہ
چمک جائے مقدّر کا ستارہ یارسول اللہ

تصدّق جان و تن تم پر ہمارا یارسول اللہ
مَیں کلمہ پڑھتی ہوں ہر دم تمہارا یارسول اللہ

تمہارا مجرموں کو ہے سہارا یارسول اللہ
خدا نے تم پہ قرآں کو اتارا یارسول اللہ

مجھے ہو آپ کا ہر دم نظارہ یارسول اللہ
یہی ہے زندگی کا بس سہارا یارسول اللہ

تم ہی کو رب نے الفت سے پکارا یارسول اللہ
تری فرقت نے اب اشرفؔ کو مارا یارسول اللہ

❁❁❁

امینوں میں امیں یکتا محمد مصطفیٰؐ تم ہو
حسینوں میں ہوئے ایسے کہ محبوبِ خدا تم ہو

ہر اِک انسان سے تیری ادا بالکل نرالی ہے
کہ اپنے دوست دشمن پر برابر مہرباں تم ہو

تڑپتے لوٹتے فریاد کرتے دن گزرتا ہے
خبر لیتے نہیں دل لے کے کیسے دلربا تم ہو

بُلا کے در پہ اپنے بھر دیا دل میں محبت کو
کبھی پوچھا نہیں اشرفؔ سے کس کے آشنا تم ہو

پڑی ہوں قعرِ دریا میں خبر لیجے مرے آقا
ہماری ٹوٹی کشتی کے بس اِک ناخدا تم ہو

جگر میں درد اٹھتا ہے کرم کیجے کرم کیجے
مریضِ عشق کی بے شک دوا تم ہو دوا تم ہو

ہمارے دین و ایماں ہو ہمارے جانِ جاناں ہو
مرے دل سے کوئی پوچھے شہنشاہِ زماں تم ہو

اندھیرے میں اجالا ہو چمن میں گُل ہزارا ہو
عرب میں اور عجم میں کُل جہاں میں گلستاں تم ہو

تَری میں اور خشکی پر ہر اِک جا پر تجھے پایا
کھلا اشرفؔ پہ یہ عقدہ کہ ہر جا برملا تم ہو

نکل کر دم پلٹ آتا ہے گر جھلکی نظر آئے!!
مریضِ عشق کی واللہ دارو سے شفا تم ہو

مَیں اتنا جانتی ہوں کہ تم ہی سے ہے وجود اپنا
لبھا کے دل نظر پھیری غضب کے آشنا تم ہو

❀❀❀

مری بگڑی بنا دو یارسول اللہ
مجھے در پر بلا لو یارسول اللہ

خواب میں آ کے جلوہ دکھا دو مجھے
رخ سے پردہ ہٹا دو یارسول اللہ

اپنا شیدا بنا کے نہ اب مجھ کو
ہند میں یوں نہ رلاؤ یارسول اللہ

میرا پورا سوال نہیں ہوتا
رب سے چمل☆ بھرا دو یارسول اللہ

پھر مدینے میں ہم کو بلا لیجے
روضہ اپنا دکھا دو یارسول اللہ

☆ کاسۂ گدائی۔ کشکول

ہجر میں روتے روتے نہ مر جاؤں
پردۂ دُوری ہٹا دو یارسول اللہ

اشرفؔ خستہ پر اب کرم کیجیے
روضۂ اقدس دکھا دو یارسول اللہ

❁❁❁

دیکھو تو اِن آنکھوں میں جلوے ہیں محمدؐ کے
نہ چھیڑو ہمیں یارو دیوانے ہیں محمدؐ کے

گر آہ مرے منہ سے نکل جائے گی یارو
کُھل جائیں گے عقدے کہ پردے ہیں محمدؐ کے

کرتی ہوں میں ضبط ایسا پھنکتا ہے بدن سارا
کس طرح بسر کرتے ہیں زوّار محمدؐ کے

تلوار پڑے سر پہ بدن تیروں سے چھلنی ہو
اُف بھی نہ کرے منہ سے حق میں یہ محمدؐ کے

اب ضبط کی طاقت نہیں برداشت کروں کیسے
رسوا نہ ہوں دیوانے دنیا میں محمدؐ کے

چاہت کا مزہ جب ہے کہ خاموش ہی جل جائے
پروانوں ہی کو دیکھے سودائی ہیں محمدؐ کے

اشرفؔ نہ ہو نالاں کہ خوف ہے اس میں برابر
سن کے نہ کوئی کہہ دے شیدا ہیں محمدؐ کے

❀❀❀



مجھے اپنی صورت دکھا دو محمدؐ
حجابِ دُوئی اب اٹھا دو محمدؐ

تڑپتی ہوں ہر وقت فرقت میں تیری
ہمیں پاس اپنے بلا لو محمدؐ

مدینے میں سچی مسرت تھی مجھ کو
نہ یوں ہند میں اب رُلاؤ محمدؐ

جو حالت ہے میری کہوں ہائے کس سے
مجھے یوں نہ رسوا کراؤ محمدؐ

فضیحتا☆ اڑے گا جہاں میں ہمارا
وہ موہنی صُورتیا دکھاؤ محمدؐ

☆ذلت۔ رسوائی

یہ اشرفؔ ہے الفت سے مجبور تیری
ذرا اِس پہ بھی رحم کھاؤ محمدؐ

نہیں اس کا حامی کوئی ہے جہاں میں
بجز تیرے کس کو پکاروں محمدؐ

❀❀❀



مَیں جدا ہوتی ہوں پھر جلوہ دکھانا یا رسولؐ
ہجر میں تڑپوں گی کب تک رحم کھانا یا رسولؐ

ہند میں رہنا ہمارا اب بہت دُشوار ہے
بے کسی پر پھر ہماری رحم کھانا یا رسولؐ

ہجر کے صدمے سے دل ہوتا ہے میرا پاش پاش
پھر کبھی در پر ہمیں اپنے بلانا یا رسولؐ

گنبدِ خضرا چھٹا بس کور چشمیں ہو گئیں
دید اپنی خواب میں ہم کو دکھانا یا رسولؐ

اشرفِؔ خستہ جگر کا حالِ ابتر دیکھنا
پردۂ دُوری اٹھا کے پاس آنا یا رسولؐ

❀❀❀

جب بُلایا تھا تو پھر کس لیے واپس کیا!
حال ابتر ہو گیا دیکھو ہمارا یا رسولؐ

قعرِ دریا میں پڑی ہوں ڈوبنے کا وقت ہے
دیجیے جلدی ہمیں اپنا سہارا یا رسولؐ

کرتے ہیں امداد خود مشکل میں جب کوئی پھنسا
ہم نے بھی جی سے تجھے اپنے پکارا یا رسولؐ

کیجیے امداد اب حالت مری تبخیر ہے!
بحرِ دریا کا ملے مجھ کو کنارا یا رسولؐ

کیا کہوں اب ہند میں رہنا مرا دشوار ہے
دیکھ لوں اس بار پھر روضہ تمہارا یا رسولؐ

گنبدِ خضرا کے صدقے اس کی سبزی پر نثار
رنگ یہ خالق نے خود تجھ پر اُتارا یا رسولؐ

کب تلک میں ہجر کے صدمے سے اب تڑپا کروں
جنتؔ البقیع میں ہو مدفن ہمارا یا رسولؐ

نام کا تیرے وظیفہ پڑھتی ہوں مَیں رات دن
تُو ہی ہے بس مرے مولا کا پیارا یا رسولؐ

اشرفِؔ خستہ بہت رنجور ہے مجبور ہے!
اُس کی قسمت کا چمک جائے ستارا یا رسولؐ

❀❀❀

محبت میں بے خود بنا کر تو دیکھو!
مجھے جامِ وحدت پلا کر تو دیکھو

رہوں کب تلک شوقِ وصلت میں بے خود
شرابِ محبت پلا کر تو دیکھو

ہے کوئی مجھ سا فدائی تمہارا
مجھے اپنے در پر بلا کر تو دیکھو

نہ طے ہو گی بے خضر راہِ حقیقت
رہِ عشق میں رہنما کر تو دیکھو

نہیں مجھ سا شیدا کہیں پایئے گا
کرو شرط بس آزما کر تو دیکھو

اگر سر کٹا دینے کی شرط کیجے
تو خود سر کٹا دوں یہ کہہ کر تو دیکھو

مدینے میں پہنچی تمہارے کرم سے
دوبارہ ہمیں پھر بلا کر تو دیکھو

نہ چھوڑوں گی دربارِ عالی کو تیرے
ہمیں در پہ اپنے بٹھا کر تو دیکھو

نہ زر ہے نہ پَر ہے پھڑکتی ہے اشرفؔ
پہنچنے کی صورت بتا کر تو دیکھو

❁❁❁

محمدؐ کا روضہ قریب آ گیا ہے!!
بلندی پہ میرا نصیب آ گیا ہے

مَیں منہ اپنا دیکھوں کہ قسمت کو دیکھوں
کرم کو خدا کا حبیب آ گیا ہے

مرادیں مری آج سب ہوں گی پوری
سخاوت کے در پر غریب آ گیا ہے

بے مانگے ہی بھرتا ہے وہ سب کی جھولی
سخاوت پر حق کا حبیب آ گیا ہے

ہے اشرؔف ترے در کی ادنیٰ بھکاری
کرم کیجیے وقت قریب آ گیا ہے

❁❁❁

کس خطا پر ہائے مجھ کو کر دیا در سے جدا
کُو بہ کُو صحرا بہ صحرا روتی ہوں میں برملا

پوچھتے ہیں لوگ اے اشرفؔ تجھے کیا ہو گیا
ہوں تڑپتی لو خبر میری برائے مصطفٰےؐ

تیرے قدموں پر تصدّق اے مرے پیرانِ پیر
پھر بریلی کب بلاؤ گے کہو بہرِ خدا

کیوں نہ قدموں پر ترے جانِ حزیں قرباں کروں
تُو پیارا مصطفٰےؐ کا تیرا پیارا مرتضٰیؓ

مشکلیں آساں تری ایک دم ہو جائیں گی
چاہیے رحم و کرم اشرفؔ ترے سرکار کا

❀❀❀

کہا کافر نے حضرتؐ سے کہ رب کی کیسی صورت ہے
وحی آئی مری صورت ہے بس صورت محمدؐ کی

جو دل بخشا تو مولا بخش دے اُلفت محمدؐ کی
دکھا دے مولا خواب میں صورت محمدؐ کی

مدینے میں بلا لیجیے تمنا ہے یہی دل کی
تسلی دل کی ہو میرے زیارت ہو محمدؐ کی

تڑپ کر دم نکل جائے گا اے مولا کرم کیجیے
مَیں اُمت مصطفےٰؐ کی ہوں دکھا چاہت محمدؐ کی

ہوں مشکل میں خداوندا تو حل کر میری مشکل کو
ہمارے کام آجاوے ذرا شفقت محمدؐ کی

نزع کا وقت جب آئے تو پردے کو اُٹھا دینا
دکھانا موت سے پہلے ہمیں صورت محمدؐ کی

چنبیلی موگرا جُوہی بسے گُل ان کی خوشبو سے
گلاب و سوسنی میں پاتی ہوں نکہت محمدؐ کی

بصارت کم ہوئی جاتی ہے اب تو اپنی یا اللہ
نظر اِک بار پھر آ جائے اب تُربت محمدؐ کی

مدینے میں پہنچ کر تیر اُلفت کا چُبھا دل میں
ترقی کرتی ہے ہر لحظہ اب چاہت محمدؐ کی

تصدّق پنجتن کا پھر مجھے یثرب میں پہنچا دے
ہر اِک کوچے گلی سے ہو مجھے فرحت محمدؐ کی

زیارت فاطمہ زہراؓ کی ہو مجھ کو بقیع میں
وہ دیکھا کرتی تھیں بس موہنی صورت محمدؐ کی

تصدّق مصطفیٰؐ کا بخش دے میرے گناہوں کو
گناہ گارِ حزیں ہوں پر مَیں ہوں اُمت محمدؐ کی

یہ اشرفؔ نیم جاں ہندوستاں میں کب تلک تڑپے
نظر آ جائے مولا خواب میں صورت محمدؐ کی

❀❀❀

حَبّذا☆ نورِ خدا عرش پر جانے والے
آن کی آن میں پھر لوٹ کے آنے والے

تم پہ قربان ہو بگڑی کے بنانے والے
مرحبا اُمتِ عاصی کے بچانے والے

مَیں ہوں بیمار نظر رحم کی ہووے مجھ پر
آپ ہیں شربتِ دیدار پلانے والے

ہجر کی آگ نے تن من کو جلایا میرے
ہو کرم آتشِ دوزخ کے بجھانے والے

حشر میں آپ کا سایہ ہو ہمارے سر پر
اے گنہہ گاروں کو دامن میں چھپانے والے

☆کلمۂ تحسین، واہ واہ، شاباش

کس طرح جائے گی پیشی میں گنہہ گار حزیں
راہ بتلائے اب راہ بتانے والے

مجھ کو یثرب میں بلا لیجے رہوں در پہ ترے
ہیں غریبوں پر شہا رحم کے کھانے والے

گو گنہہ گار ہے پَر اشرفِ خستہ ہے تری
تری مداح ہے معراج میں جانے والے

پردۂ دُوری کو اٹھا سامنے آنے والے
بے سواری کے ہو تم پاس بلانے والے

❁❁❁

حقیقت اچھے ہیرے کی اندھیرا کر کے کھلتی ہے
اسی سے گور ہر میت کے رکھ دینے کو کھلتی ہے!

شمع ایمان کی جس شخص کے ہمراہ ہووے گی
اندھیرے میں گناہوں کی بجھی بتی بھی بلتی ہے

محمد مصطفیٰؐ کا نور دیکھے گا اجالے میں
جو مسلم ہوتے ہیں سچے اُن ہی کو دید ہوتی ہے

گناہوں کے اندھیرے میں نہیں دیکھے گا جلوے کو
سزا پہلی گنہگاروں کو رب سے یہ ہی ملتی ہے

جو دیکھا پیر مرشد کو تو آنکھیں کھل گئیں دل کی
ولی کی دید ہونے سے نبیؐ کی دید ہوتی ہے

معافی گو ہو کے سمجھو بات یہ بھی قاعدے کی ہے
نبیؐ کی دید ہونے سے خدا کی دید ہوتی ہے

ارے اشرفؔ تمہارے واسطے گھر گور ہے تیرا
شمع نورانی ہر دم سامنے تیرے جلتی ہے

❀❀❀

آج اٹھا ہے نقابِ رُخِ زیبا دیکھو
دیکھنے والو ذرا یار کا جلوہ دیکھو

چاند شرمندہ ہے مہتاب چھپا ہے دیکھو
چھا گیا چاروں طرف نورِ ضیا ہے دیکھو

کور چشمو ذرا آؤ تو تماشہ دیکھو
ذرّے ذرّے میں عیاں ہو گیا جلوہ دیکھو

بلبلیں شور مچاتی ہیں چمن میں دیکھو
طوطیں پڑھتی ہیں اب صلِ علیٰ ہے دیکھو

نام کے یار کا سب پڑھتے ہیں کلمہ دیکھو
اس کے دیوانوں کا اِک شور بپا ہے دیکھو

مٹ گئی اشرفِ خستہ ذرا دیکھو دیکھو
عشق کا آ کے ذرا اپنے کرشمہ دیکھو

پھُنک گیا تن بدن اب اٹھتا دھواں ہے دیکھو
مَیں ہوں تیری اے شہا حال بُرا ہے دیکھو

❀❀❀

ہمیں ہے اُسی رہنما کا سہارا
بڑا دینے والا ہے داتا ہمارا

اُسی کا ہے شمس و قمر میں اجالا
اُسی سے ہے روشن فلک پر ستارا

محمدؐ محمدؐ فلک نے پکارا!!
یہ قرآن رب نے اُن ہی پر اتارا

ہوئی جب زیارت رسولِ عرب کی
محبت کو خالق نے دل میں اتارا

جدائی میں اس رہنما کی محبوّ
ہُوا میرا دل دیکھ لو پارہ پارہ

حبیبِ خدا پر یہ اشرفؔ تصدّق
مدینے بلا لے خدایا دوبارا

پہنچ کر وہاں پھر نہ آئیں یہاں پر
بقیع☆ ہو مدفن خدایا ہمارا

❀❀❀

☆جنت البقیع

دُزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ لو اِک بار
قاتل تری قربان دکھا جلد وہی دار

بسمل سی تڑپتی ہوں خبر لیجیے حضرت
اب کام ختم کر دے مَیں قربان ہوں دل دار

کیوں بھول گئے میری خبر کیوں نہیں لیتے
کب تک غمِ بستر پہ تڑپتی رہے بیمار

تُم کیا چُھپے اب ہو گئی مجھے دُنیا تاریک
مدت ہوئی روتی ہوں شب و روز لگاتار

کیوں ایسا چُھپے کیا تم ہی اِک پردہ نشیں ہو
یہ بھائی ادا اُن کی بنے جن کے ہو تم یار

مَیں کیا کہوں منہ چھوٹا، بڑی کہنے میں ہے بات
تو اُن کا ہے دلدار ہوں مَیں جن کی طلب گار

دیوانہ بنا ڈھونڈتا صحرا میں پھرا وہ
جس نے کہ ترا دیکھ لیا اِک بار بھی دیدار

مَیں کس سے کہوں جاؤں کہاں تُو ہی بتا دے
قیدی ہوں مَیں، گھیرے ہے ہر سمت سے دیوار

موسیٰؑ کو نہیں تاب ہوئی دیکھ کے جلوہ
غش کھا کے گرے طُور پہ، دیکھا تھا دیدار

مَیں تیری ہوں لازم نہیں اِس درجہ تغافل
آجا کبھی اس طرف بھی او ناقہ کے سوار

دیکھی جو جھلک لگ گئی اِک آگ جگر میں
منصور کو قوس نے کھینچا تھا سرِ دار

اب بہرِ خدا پردہ اٹھا دیجیے رخ کا
تڑپے ہے خاک پہ یہ طالبِ دیدار

گُل گُل سے نہیں رہتی جسے ہوتی ہے محبت
یہ بات نئی کیا ہے جو اشرفؔ ہے دل افگار

❀❀❀

انوکھے دو جہاں سے ایک بس پردہ نشیں تم ہو
نہیں عالم میں کوئی دل ربا جیسے حسیں تم ہو

جھلک ہر شے میں ہے لیکن دکھائی تُو نہیں دیتا
قسم اللہ کی دل میں ہمارے بس مکیں تم ہو

نہیں بھاتی ادا مجھ کو کسی معشوق کی اب تو
ٹھہر سکتی نہیں اُلفت کسی کی دل نشیں تم ہو

محمدؐ مصطفٰے در پر بلا لیجے فدائی ہوں!
حسیں مَیں، مہ جبیں مَیں، بخدا اِک مہ جبیں تم ہو

مدینے کا گلی کوچہ بسا ہے تیری خوشبو سے
جو چاہے دل سے تم کو تو اُسی کے دل نشیں تم ہو

تمہاری چاہ میں ہم اس قدر ڈوبے کہ اب گم ہیں
نظر آتا نہیں مجھ کو کہاں مَیں ہوں کہاں تم ہو

نہیں قابو میں ہے دل، کچھ کا کچھ کہہ جاتی ہوں منہ سے
یہ عالم بے خودی کا ہے جس سے آشنا تم ہو

یہ اشرؔف نیم جاں اب مرغِ بسمل سی تڑپتی ہے
بلا لو اب مدینے میں وہاں صدر نشیں تم ہو

❀❀❀

کیسی رونق ہے جہاں میں مصطفےٰؐ کے نور کی
دیکھتی ہوں صاف میں ہر سُو تجلّی طُور کی

مرتضیٰؓ نے بت کو توڑا مسجدیں معمور کیں
دل کو روشن کر دیا، انساں سے ظلمت دور کی

نورِ ایماں جس کے دل میں ہو وہ دیکھے برملا
مسلموں کے دل سے تاریکی ربّ نے دور کی

کعبہ و بطحا میں ہم نے جا کے دیکھا جا بجا
برق زن تھی ہر طرف سے بس تجلّی طُور کی

اشرفؔ خستہ جگر کی آنکھوں سے اب دیکھیے
کچھ نظر آتا نہیں چھائی گھٹا ہے نُور کی

❀❀❀

تھا ازل سے سر میں سودا بس رسول اللہ کا
کھنچ گیا آنکھوں میں نقشہ آج بیت اللہ کا

ہوں تصدّق پنجتن پر رحم کر دے اے خدا
سر پہ سایہ ہو مرے بنتِ رسول اللہ کا

در پہ کعبے کے جبیں رگڑوں مَیں اپنے یا اللہ
آنکھوں میں جلوہ ہو یا رب رسول اللہ کا

شاد و خرم یاالٰہی رکھ مری اولاد کو!!
حال پر اُن کے رحم ہو، فضل ہو اللہ کا

❀❀❀



اب مدینے میں بلا لو یا رسولِ پاک ذات
وصل کا ساغر پلا دو یا رسولِ پاک ذات

جو ملا تجھے وہ بس اللہ کا واصل ہوا
اپنے ہی در پر بلا لو یا رسولِ پاک ذات

ماہیٔ بے آب سی تڑپا کروں میں کب تلک
پردۂ دُوری اٹھا لو یا رسولِ پاک ذات

جُز ترے کچھ بھی نظر آئے نہ مجھ کو زینہار
اپنا دیوانہ بنا لو یا رسولِ پاک ذات

اشرفِ خستہ جگر کا حالِ ابتر دیکھیے
رحم کی اس پر نظر ہو یا رسولِ پاک ذات

❀❀❀

مناجات

تُو ہے دل دارِ خدا تجھ پہ اِک عالم ہے فدا
تیرے دیدار کو اُترے تھے ستارے مددے

تیری ہی ذات سے اسلام جہاں میں پھیلا
تجھ سے فریاد ہے اللہ کے پیارے مددے

ہُوں خطا وار ذرا رحم کی ہو مجھ پہ نظر
خالق الخلق کے ہیں آپ دُلارے مددے

صدقہ حسینؓ کا دیدار دکھا دے مجھ کو
زلفِ عنبر مجھے للّلہ سنگھا دے مجھ کو

آپ کے دید کی مشتاق ہیں دونوں آنکھیں
دل جگر دونوں کے ہیں آپ سہارے مددے

حضرتِ نوحؑ کی کشتی کے نگہبان بنے
مری کشتی کو لگا دیجیے کنارے مددے

سخت مشکل میں ہوں للّٰلہ کرم کی ہو نگاہ
جُز ترے کس سے کہوں رب کے دُلارے مددے

ہند میں رہ نہیں سکتی مجھے یثرب میں بلا
بے کسوں کے ہوئے ہیں آپ سہارے مددے

ذرّے ذرّے میں ترے نور کا جلوہ دیکھا
تری قربان ہوں اللہ کے پیارے مددے

صدمۂ ہجر کی برداشت نہیں اشرؔف کو
جان اپنی ترے قدموں پہ یہ وارے مددے

❁❁❁

مناجات

مددے شمعِ قرآں کے اُجالے مددے
آپ نبیوں میں ہوئے سب سے نرالے مددے

آپ کے نام سے اسلام ہوا ہے روشن
تیس پارے میں یہ اسلام ہوا ہے روشن مددے

آپ ہی کے لیے قرآں کے سپارے اترے
جبریل آئے فلک سے بھی ستارے اترے مددے

آپ ہی تو ہوئے محبوبِ خدا نورِ خدا
نور کے سایہ ہوئے خود ہی کا سایہ نہ ہوا مددے

آپ ہی طوفان میں بس نوحؑ کے ہمدم ٹھہرے
آپ ہی ایوبؑ و یونسؑ کے نگہبان بنے مددے

آپ ہی یوسفِ کنعاں کے ہوئے تھے رہبر
وہ زلیخا کے ہوئے مصر میں جا کے دل بر مددے

آپ کے نام سے آتش بھی ہوئی ہے گلزار
آپ کے نام سے دنیا میں بھی ہے دیں کی بہار مدد دے

کیجیے میری مدد آلِ عباس کا صدقہ
اپنے اصحاب کا اور نیچی قبا کا صدقہ مدد دے

اشرفؔ خستہ کی اب سُن لیجیے بہرِ خدا
امتحانوں میں ہوویں پاس حسن عبداللہ☆ مدد دے

❁❁❁

☆فرزند کا نام

سلام

گنبدِ خضرا کی رونق سلام
میرے ہادی میرے مولا سلام

اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے
آپ کو خالق نے ہے بھیجا سلام

آپ کے صدقے میں بخشے کبریا
سر جھکا کر عرض کرتے ہیں سلام

آنکھ سے پردہ مرے دیجے اٹھا
سامنے آ کر کروں لاکھوں سلام

سر پہ لے کے بارِ عصیاں آئے ہم
محفلِ اقدس میں پڑھتے ہیں سلام

کُل ملائک ہو کے حاضر صبح و شام
روضۂ اقدس پر پڑھتے ہیں سلام

یا الٰہی مَیں بھی جالی کے قریب
سرنگوں ہو کر پڑھوں لاکھوں سلام

پھر مدینے میں بلا لیجے شہا
اشرفِ خستہ کا سن لیجے سلام

ہزاروں دُرود و ہزاروں سلام
ہو روحِ محمدؐ پہ نازل مدام

❀❀❀

سلام

اے حبیبِ خدا سلام علیکَ
احمدِ مجتبیٰ سلام علیکَ

صدقے قدموں پہ ہے یہ جانِ حزیں
اے مرے رہنما سلام علیکَ

مَیں فدائی ہوں آپ کی اے شہا
اے شفیع الوریٰ سلام علیکَ

پھر مدینے بلائیے مجھ کو
اے مرے مَلجا رَتی سلام علیکَ

روضہَ پاک پھر دکھا دیجیے
کہوں خیر الوریٰ سلام علیکَ

مجھ سی عاصی کے آپ ہی ہیں کفیل
اے مرے پیشوا سلام علیکَ

تم پہ قربان اے میرے راہبر
تم ہو بدر الدّجیٰ سلام علیکَ

شوق میں کبریا نے خود یہ کہا
اے مرے دل ربا سلام علیکَ

سارے جن و بشر یہ کہتے ہیں
مرحبا مرحبا سلام علیکَ

اشرفؔ خستہ جا کے طیبہ میں
صدقِ دل سے کہے سلام علیکَ

یا نبی تم پہ لاکھ بار دُرود
احمدِ مجتبیٰ سلام علیکَ

جھک کے کرتی ہوں عرض مَیں ہر دم
ہو قبول اے شہا سلام علیکَ

رکھ لو در پہ بلا کے اشرفؔ کو
سُن لو یا مصطفیٰؐ سلام علیکَ

❀❀❀

متفرق اشعار

ہجر میں تیرے نبی جی مَیں تو دیوانی ہوئی
اور شرابِ معرفت کو پی کے مستانی ہوئی

کیا کہوں کس طرح شب میری گزرتی ہے صنم
دردِ فرقت سے تڑپتی ہوں مَیں کھاتی ہوں قسم

دن کٹے ہے بے قراری میں تجھے معلوم ہے
حالِ دل مَیں کیا کہوں پیارے تجھے معلوم ہے

اب جھلک دکھلا دے پیارے ورنہ مَیں مر جاؤں گی
دیکھ کر صورت تری واللہ مَیں مر جاؤں گی

کیا خبر تھی جا کے مکے میں یہ سودا لوں گی مول
چھٹ رہی ہے ہر طرف سے دیکھیے اب مجھ پہ بول

والیٔ یثرب مری جلدی خبر اب لیجیے
دردِ ہجراں کی دوا جلدی مجھے اب دیجیے

بدحواسی اِس قدر ہے کہ جنوں ہو جائے گا
کیا مسیحا کا کرم مجھ پر کبھی ہو جائے گا

جب مدینے مَیں گئی تو تیری ہمسائی ہوئی
رحم کیجیے بس حلیمہ آپ کی دائی ہوئی

تھیں ضعیفہ اور غریب اُن کا نہ تھا کوئی کفیل
تھا کرم تیرا نبیؐ والی ہوا ربِّ جلیل

دے مری تربت کو بھی یارب بقیع میں جگہ
مجھ کو بلوا لو مدینے مَیں رہوں اب اس جگہ

اب بلا کے رکھ لو در پر بس تمنا ہے یہی
اشرفِؔ خستہ ہو تیری، بس تمنا ہے یہی

❀❀❀

تصوّرِ کعبہ

رحمت ہے مرے حال پہ ربِ کریم کی
دکھلا دیا سما مجھے کعبہ شریف کی

زم زم پیا، صفا کیا، عمرہ ہوا ادا
عزت خدا نے خود کیا کعبہ شریف کی

نو☆ لاکھ نو ہزار ہے انسان کا شمار
کیا قدر و منزلت بڑھی کعبہ شریف کی

انسان کے گھٹانے سے گھٹتی نہیں ہے شان
عزت خدا نے خود ہی کی کعبہ شریف کی

چکر کیا، طواف کیا مَیں نے بیت الحرام کا
اب مَیں چکور بن گئی کعبہ شریف کی

صدقے میں اب حرم کے زیارت بھی ہو نصیب
اشرفؔ ہو جاروب کش ترے کعبہ شریف کی

❁❁❁

☆وقتِ حج خود، حاجیوں کی تعداد

کعبہ ہی رہے گا نہ تو بت خانہ رہے گا
بے قید مکاں جلوۂ جانانہ رہے گا

دیکھی نہیں کسی شوخ کی مخمور نگاہیں
آنکھوں میں چھلکتا ہوا پیمانہ رہے گا

کیا پوچھتے ہو مجھ سے مرا حال محبوؔ!
مٹ جانے پہ باقی مرا افسانہ رہے گا

سوزش سے عشق کی میں بجھی جاتی ہوں اب تو
مر جاؤں گی بس نام کو پروانہ رہے گا

اس شمعِ رخِ یار پہ قربان ہو جاؤں
شادی ہو مری اوروں کو غم کھانا رہے گا

موسیٰؑ کی طرح طُور پر ہرگز نہ جاؤں گی
دل میں ہمارے جلوۂ شاہانہ رہے گا

چادر نہ رہے گی نہ یہ دوشالہ رہے گا
اشرفؔ کے سر پر سایۂ بزرگانہ رہے گا

❀❀❀

آج یثرب سے یہاں آیا غلافِ کعبہ
آ کے آنکھوں سے فرشتے بھی لگاتے ہیں غلافِ کعبہ

ہم گنہہ گاروں کو دکھلایا غلافِ کعبہ
کیوں نہ سینے سے لگاؤں مَیں غلافِ کعبہ

روزِ محشر یہ فرشتوں کی طرح اٹھے گا
لوگ دنیا میں یہ کہتے ہیں غلافِ کعبہ

روشنی آنکھوں کی اور دل کی مسرت میرے
سب بڑھا دیتا ہے کہتے ہیں غلافِ کعبہ

اشرفؔ خستہ کو مت بھولنا محشر کے دن
روز سینے سے لگاتی ہے غلافِ کعبہ

❀❀❀

کعبے سے سلامی کوچ کیا
کعبے کی سعادت والوں نے

کعبے کو داغِ فراق دیا
مکے کی حمیّت والوں نے

کوفے کا رستہ کس نے لیا؟
ارمانِ شہادت والوں نے

سر جنگ میں کس نے کٹوائے؟
قرآن سی صورت والوں نے

گھر بار کو کس نے لٹوایا؟
ایماں کی حرارت والوں نے

دنیا کو کس نے ٹھکرایا؟
تسلیم کی دولت والوں نے

خط بھیج کے کس نے بلوایا؟
مکار سیادت والوں نے

امداد کا وعدہ کس نے کیا؟
کمزور ارادت والوں نے

مہمان کو دھوکہ کس نے دیا؟
کوفے کی خباثت والوں نے

صحرا کی تپتی بالو پر ہیں
کس کے سجدے عرش نشیں؟

تیغوں میں نمازیں کس نے پڑھیں؟
اولادیں کس نے قرباں کیں؟

پھر اپنی جانیں کس نے دیں؟
کعبے کی امامت والوں نے

اللہ رے مشیّت فطرت کی
کیا شان ہے اس کی قدرت کی

سوتے میں خلیل اللہ نے کبھی
دیکھا تھا جو خوابِ قربانی

اس خواب کو سچا کس نے کیا؟
نانا کی رسالت والوں نے

تعمیرِ قصرِ حق کے لیے
باطل کے مقابل کون آیا؟

الحاد کو غارت کس نے کیا؟
اسلام کو کس نے چمکایا؟

تیغوں میں کس نے سجدہ کیا؟
راتوں کی عبادت والوں نے

ہے فخرِ ولایت کس کے لیے؟
ہے وقف امامت کس کے لیے؟

ہے تاجِ شفاعت کس کے لیے؟
ہیں کوثر و جنّت کس کے لیے؟

ان سب پر قبضہ کس نے کیا
لب تشنہ شہادت والوں نے

جب کبر و خودی اِک کھیل نیا
لائی تھی بساطِ عالم پر

جب فسق کی اِک گھنگور گھٹا
چھائی تھی بساطِ عالم پر

دنیا کو منوّر کس نے کیا؟
نورانی صورت والوں نے

بیعت کی دعوت کس نے دی؟
مُسلم سے بیعت کس نے کی؟

پھر اُن کو اذیّت کس نے دی؟
پھر اس سے بغاوت کس نے کی؟

شبیرؓ کو کس نے قتل کیا
کوفے کی شقاوت والوں نے

تھے کس کے نعرے روح نشیں؟
تھی کس میں فرشتوں کی تمکیں؟

کی کس نے خدمتِ ملّت و دیں؟
ہو کر آزاد مجازِ حزیں

باطل کو شکستیں کس نے دیں؟
حق اور صداقت والوں نے

❁❁❁

نظم

حالتِ کعبہ

کعبہ کا حال کیا لکھوں افسوس حسرتا!
بیت الحرم کو چھوڑ کے سب ختم کر دیا

مولود کی جگہ کو بھی مسمار کر دیا
شق القمر کی جگہ کو برباد کر دیا

محلّہ قریش میں بنی ہاشم کا تھا مقام
جنگ و جدال سے اسے پامال کر دیا

مردوں کو قتل کر دیا عورت کو قید دی
گھر کھود کے ہزاروں کے برباد کر دیا

زم زم پیو طواف کرو یہ ہی حکم ہے
حاجی کی زیارتوں کو بھی بند کر دیا

نقشہ خراب ہو گیا اشرفؔ کے دل کا آج
نجدی کو مرے رب نے فنا کر دیا

کیا حالِ دل کہوں مَیں دلِ بے قرار کا
دل شاد تھا مرا اسے ناشاد کر دیا

امید کر کے آئی کہ پہنچوں گی ہر جگہ
اس سال میں کچھ اور بھی افتاد کر دیا

اشرفؔ تُو صبر کر نہ ہو اس درجہ بے قرار
حضرت نبیؐ نے دل ترا آباد کر دیا

❀❀❀

مَیں کہاں تھی اس کے قابل مجھے حج نصیب ہوتا
ترے رحم کے تصدّق تُو نے معصیت سے روکا

مرے دل کو یاالٰہی تو معرفت سے بھر دے
بیت الحرم کو تیرے، آنکھوں سے ہم نے دیکھا

اشرفؔ کی آرزو ہے کر پوری یاالٰہی
مرنے کے وقت مجھ کو شیطان دے نہ دھوکا

❀❀❀

یثرب کی گلیوں میں

بُلا لو مدینہ بُلا لو مدینہ
بِلا دید دشوار ہے میرا جینا

تڑپتا ہے دل مرغِ بسمل کی صورت
تحمل کا اس کو بتا دو قرینہ

دوا دردِ دل کی ترے ہاتھ میں ہے
پھٹا جاتا ہے درد سے میرا سینہ

غلامی ہو خاتونِ جنّت کی حضرت
سفارش کریں میری بالی سکینہ

نہ ہے پاس زر اور نہ بازو میں پَر ہے
مَیں آنکھوں سے کس طرح دیکھوں مدینہ

یہ اشرفؔ کنیزہ ہے سیّدانیوں کی
دکھا دیجیے اس کو جنّت کا زینہ

❀❀❀

بہارِ خُلد آتی ہے نظر مجھ کو مدینے میں
مدینے کا ہُوا سن لو اثر مجھ کو مدینے میں

جگر میں ٹیس اٹھتی ہے درد پہلو میں ہُوا میرے
ملا واللہ بس وہ راہبر مجھ کو مدینے میں

گلی کوچے میں ہے خوشبو پسینہ کی مرے گل کی
دکھائی دیتا ہے عالی گہر مجھ کو مدینے میں

مرے دل سے کوئی پوچھے فضا اب مُلکِ یثرب کی
خدا کا عرش آتا ہے نظر مجھ کو مدینے میں

وہ سبزی گنبدِ خضرا کی کرتی ہے ہرا دل کو
اور جالی نے کیا زیر و زبر مجھ کو مدینے میں

زیارت روضۂ اقدس کی کر کے ہوتی ہے فرحت
تُو اب رکھ لے بُلا کر راہبر مجھ کو مدینے میں

تڑپ کر دم نکل جائے گا اے آقا خبر لیجے
دوا کا ہووے گا بے شک اثر مجھ کو مدینے میں

بُلا کے اشرفِؔ خستہ کو رکھ لو در پہ اے مولا
نجف اشرفؔ کی دیجیے گا خبر مجھ کو مدینے میں

❁❁❁

ایسا گلزار نہ گلشن نہ گلستاں دیکھا
جیسا گلزارِ مدینہ کا بیاباں دیکھا

جو نہ دیکھا تھا کبھی آج وہ نقشا دیکھا
ہر طرف نورِ الٰہی کا تماشا دیکھا

ابرِ رحمت کا یہاں آ کے برسنا دیکھا
جھانک کر جالیوں سے روضۂ شاہا دیکھا

اشرفؔ خستہ یہاں آئی تو کیا کیا دیکھا
کعبہ میں خُلد یہاں خُلد کا نقشا دیکھا

❀❀❀

میرے مولا بُلا لو مدینے میں
دیکھوں جلوہ مَیں دل کے نگینے میں

مجھے فرصت☆ تھی کوثر کے پینے میں
نہر بہتی ہے جنّت کے زینے میں
دیکھا روضہ نبیؐ کا مدینے میں!
تیرِ خرمن چُبھا میرے سینے میں

لطف آتا نہیں مجھے جینے میں
درد اٹھتا ہے رہ رہ کے سینے میں
ہے دوا دل کی ان کے پسینے میں
یہی نسخہ ہے میرے سفینے میں

کچھ مزہ نہیں اشرفؔ کے جینے میں
موت آئے تو آئے مدینے میں

❀❀❀

☆موقعہ

کہاں مَیں کہاں یہ دیارِ مدینہ!
دکھایا خدا نے بہارِ مدینہ!!

نہ آنکھوں سے اوجھل ہو یا رب ہمارے
کہ دل ہے ہمارا نثارِ مدینہ!

لگاؤں میں آنکھوں میں سرمے کی مانند
اگر ہاتھ آئے غبارِ مدینہ!

برستا ہے ہر سمت نورِ الٰہی!!
بیاں کیا کروں مَیں وقارِ مدینہ

سنا جب سے مسکن یہاں کسی کا
ہُوا ٹوٹے دل کا سہارا مدینہ

❀❀❀

مدینے میں بُلا لیجیے مدینے میں!!
تری فرقت کی ماری آتشِ ہجراں سے جلتی ہے

بھڑکتا دل میں شعلہ ہے جگر جل جل کے راکھ ہوا
ہماری شکل وصورت رات دن میں اب بدلتی ہے

کوئی دیوانی کہتا ہے کوئی پھبتی اڑاتا ہے
کہوں کیا دردِ دل سے جان گُھٹ کر لب پہ آتی ہے

ہزاروں قافلے یثرب نگر کو آہ جاتے ہیں
ہم ہی کو ہند میں بدقسمتی اپنی رُلاتی ہے

نہ زر ہے اور نہ پَر ہے کس طرح پہنچوں مدینے میں
جدائی سرورِ عالم کی ہر دم اب ستاتی ہے

بقیع میں پہنچ جاؤں اب تمنا ہے یہی دل کی
صبا بن کر ہماری روح اب طیبہ کو جاتی ہے

جَسد کے ساتھ جاتی تو تصدّق جان و دل کرتی
نکل کر جان جائے گی وہ بس فریاد کرتی ہے

حرم میں پہنچ کر کے روح تازی ہووے گی میری
سنا ہے جو فدا ہوتا ہے اس کی روح جاتی ہے

خبر لیجے خبر لیجے دُہائی ہے دُہائی ہے
جدائی میں نبی جی جان سے احقر گزرتی ہے

یہ اشرفِ ناتواں بے کس کسی پر آہ مرتی ہے
تڑپتے، لوٹتے، فریاد کرتے شب گزرتی ہے

جدائی میں کسی کی رات دن بس روتی رہتی ہے
کسی نے سچ کہا ہے کہ تری پتھر کی چھاتی ہے

❀❀❀

در حقیقت ہے جنّت مدینہ ترا!
لوگوں کے رہتے رہتے شہر ہو گیا

ایک قطرہ پسینہ، ہے پانی بنا
سیپ میں رہتے رہتے گہُر ہو گیا

دل میں اُس مہ جبیں کا جو آنا ہُوا
ہائے مثلِ کتاں کے جگر ہو گیا

بے بُلائے وہ گھر میرے آنے لگے
آہ کا اب ہمارے اثر ہو گیا

حضرت مصطفٰیؐ کا ہے ہم پر کرم
کہ مدینے میں میرا گزر ہو گیا

رات دن یاد رہتی ہے دل میں مرے
عیب جو کچھ تھا، وہ بھی ہنر ہو گیا

اشرفؔ خستہ کو پھر بلا لو شہا
راز پنہاں جو تھا مشتہر ہو گیا

❀❀❀

کھنچا جاتا ہے دل سُوئے مدینہ
دکھا دے اے خدا کُوئے مدینہ

برستا ہے وہاں نورِ الٰہی
پہنچ کر دیکھنا سُوئے مدینہ

چلی جاتی ہے جیسے ریل اس دم
ہوا میں آتی ہے بُوئے مدینہ

اے اشرفؔ ذرا تو ہوش میں آ
پہنچ کر کعبہ پھر جانا مدینہ

❁❁❁



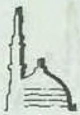
منوّر ہے معطّر ہے مصفّا ہے اُجالا ہے!!
نبیؐ کا سبز گنبد نُور کے سانچے میں ڈھالا ہے

بہارِ خُلد آتی ہے نظر روضے کی جالی سے!
مدینہ خطۂ جنّت ہے سب شہروں سے اعلیٰ ہے

نبیؐ کا دیس ہم کو جان سے بڑھ کے پیارا ہے
تسلّی دل کی ہے حجّاج کی آنکھوں کا تارا ہے

مریضِ ہجر کو دارو شفا روضے کی زیارت ہے
ارے اشرفؔ نظر کر دل بہت نازوں کا پالا ہے

❀❀❀



دل میں پھر شوقِ زیارت چٹکیاں لینے لگا
یا الٰہی پھر مدینے کی دکھا مجھ کو بہار!!

ہند میں کب تک رہوں اب دل بہت گھبرا گیا
پھر مدینے میں بلا لیجے وہیں رہے دل فگار

بے سبب آنکھیں نہیں اپنی کُھلی ہیں بعد مرگ
اس شہہ انور کے آنے کا ہے مجھ کو انتظار

سارے رشتے دار چُھٹ جائیں گے محشر میں سُنو
اِک محمد مصطفےٰؐ کے نام کی ہو گی پکار

کیا کہوں اب ہند میں رہنا مرا دشوار ہے
جب سے حضرت مصطفےٰؐ کا دیکھ آئی ہوں دیار

رحم کیجے اشرفِ خستہ بہت رنجور ہے
روزِ محشر آپ کی ہووے گی رحمت آشکار

واعظو خاموش ہو جاؤ نصیحت مت کرو
دیتی ہے ہر سانس میری اب محمدؐ کی پکار

کچھ نیا سودا نہیں ہے عشقِ احمدؐ کا ہمیں
ہم تو ہیں روزِ ازل سے نام پر اُن کے نثار

وقتِ مُردن سن لو مَیں جس دم کہوں گی یا علیؓ
پاس آ جائیں گے میرے دیکھنا دُل دُل سوار

کیا کہوں مَیں عاشقِ احمدؐ کا رتبہ ہے بڑا
کُل فرشتے و ملائک کرتے ہیں اُس کا وقار

اشرفِ مسکیں وصیّت منہ سے اپنے کر دو یہ
زیرِ سایہ پیر و مرشد کے بنے میرا مزار

❀❀❀



صبح کو قافلہ میرا مدینے جانے والا ہے
اندھیرے دل میں وحدت کا اجالا ہونے والا ہے

مرا رتبہ ہزاروں میں دوبالا ہونے والا ہے
کہ سردارِ مدینہ سامنے اب آنے والا ہے

زیارت روضۂ اطہر کی ہو گی بلا ناغہ
مسیحا کا ہمارے رحمِ عالیٰ ہونے والا ہے

ہے اُس کی روشنی آنکھوں میں قوت اُس کی ہے دل میں
اٹھا کر پردۂ دُوری کو دیکھو آنے والا ہے

کہوں کیا حالِ دل بے حد تڑپ ہے اب مرے دل میں
پہنچ جاؤں مدینے میں دوا وہ کرنے والا ہے

اے اشرؔف نہ گھبرا اب وہ تجھ پر مہرباں ہوں گے
گھٹا اٹھی امڈ کر فیضِ سرور ہونے والا ہے

❀❀❀



جالی چھُٹی حرم چھُٹا منبر جدا ہوا
افسوس مجھ سے گنبدِ خضرا جدا ہوا

تڑپوں ہوں مثلِ ماہیِ بے آب رات دن
اے دل تو اب مدینے سے کیوں کر جدا ہوا

زیارت ہوئی حضورؐ کے روضے کی، شکر ہے!
حسرت نہ نکلی دل سے کہ دلبر جدا ہوا

آنکھوں میں نور دل میں سرور اپنے تھا بھرا
افسوس ہم سے یثرب و بطحا جُدا ہوا

اشرفؔ نہ رنج کر کہ بُرا ہوتا ہے فراق
مل کر کسی سے کب نہیں دلبر جُدا ہوا

❀❀❀

پھرتے کب تک ہند میں ہم ٹھوکریں کھاتے ہوئے
چل دیئے سُوئے مدینہ دل کو بہلاتے ہوئے

آدمی تو آدمی اونٹوں کی دیکھو چال ڈھال
حالتِ مستی میں چلتے ہیں یہ اِتراتے ہوئے

ماہِ فَر حیراں ہوئے ہیں دیکھ کر روضے کا کلس
مشرق و مغرب میں پھرتے ہیں یہ شرماتے ہوئے

کیوں تعجب ہے تجھے اشرفؔ یہ حالت دیکھ کر
سرورِ عالم کی رونق سے ہیں گھبراتے ہوئے

مدینے بُلا دیر کیا ہو رہی ہے

خبر لے خبر اے یتیموں کے والی　مری جان تجھ پہ فدا ہو رہی ہے
مَیں بے کس ہوں یہ جاں قضا ہو رہی ہے
صفت کیا رقم ہو تمہاری محمدؐ　کہ قرآن میں بھی ثنا ہو رہی ہے
مدینے بُلا دیر کیا ہو رہی ہے
ہو جانِ حزیں تیرے قدموں پہ صدقے　یہی دل سے میرے دعا ہو رہی ہے
مَیں بے کس ہوں یہ جاں قضا ہو رہی ہے
خدا سے نبیؐ بخشوائیں گے ہم کو　گنہہ گار کی یہ صدا ہو رہی ہے
مدینے بُلا دیر کیا ہو رہی ہے
پہنچ کر مدینے مَیں کیوں ہند آئی　مَیں مجرم تھی میری سزا ہو رہی ہے
مَیں بے کس ہوں یہ جاں قضا ہو رہی ہے
حجابِ دُوئی اب اٹھا دیجیے صاحب　ہزاروں کو دولت عطا ہو رہی ہے
مدینے بُلا دیر کیا ہو رہی ہے
برائے خدا حال اشرؔف کا دیکھو　یہ جانِ حزیں اب جُدا ہو رہی ہے
مَیں بے کس ہوں یہ جاں قضا ہو رہی ہے

❀❀❀



پاتی ہوں جھلک اُس کی مَیں یثرب کی گلی میں
اُس گل کی مہک پاتی ہوں بیلے کی کلی میں

دل میرا تڑپتا ہے رہوں ہند میں کیسے
اٹھتا ہے دھواں دیکھو تو مجھ دل کی جلی میں

اب خون میں ٹھنڈک نہیں اے یار ہمارے
فرحت ہے مرے دل کی تمہاری کملی میں

اب رحم کی جا ہے مجھے یثرب میں بلا لو
قوت نہیں دل میں رہی نازوں کی پلی مَیں

بے سود فکر کرتے ہیں سب اپنے پرائے
واللہ دوا میری ہے اس کی کملی میں

اب آ کے مرے سر پر اڑھا دیجیے مولا
بیٹھی ہوں اکیلی ترے آنے کی گلی میں

کیجے کرم اشرفؔ کو نہیں پوچھتا کوئی
اب بن کے مہک آؤ مرے دل کی کلی میں

❀❀❀

حالِ ابتر ہمارا ذرا دیکھیے!
ملکِ یثرب میں ہم کو بُلا لیجیے

دل تڑپتا ہے قصہ سنائیں کسے
اب دوبارہ ہمیں حج کرا دیجیے

نام کی رٹ تمہارے ہے اب ہر گھڑی
یاد کرنے کا مجھ کو صلہ دیجیے

ہوں بھکاری ترے در کی اے رہنما
اپنے در پر اب ہم کو بٹھا دیجیے

پاؤں لنگ ہیں مرے اب کہاں جاؤں مَیں
ربّ سے جھُل ہمارا بھرا دیجیے

آہ کیسے کہوں کوئی سنتا نہیں
اے سخی رہنما اب دَیا کیجیے

میرے شوہر سے مجھ کو اجازت ملے
پھر مدینے دوبارہ بُلا لیجیے

در نہیں پَر نہیں پھڑکوں مَیں کب تلک
کوئی صورت اب ہم کو بتا دیجیے

مر نہ جاؤں کہیں ہند کی قید میں
اب رہائی ہماری کرا دیجیے

اب ہوس کوئی باقی نہیں رہ گئی
اپنا جلوہ ذرا سا دکھا دیجیے

میرے آل اور اولاد سب ہیں ترے
ان کے دل میں اب الفت جما دیجیے

نام کا تیرے کلمہ پڑھیں ہر گھڑی
دل پہ قدرت کا سکّہ جما دیجیے

ساغرِ وصل پیتے رہیں آشنا
ایک پیمانہ مجھ کو دلا دیجیے

اشرفِؔ خستہ کا دم ہے ہونٹوں پہ اب
شربتِ دید اس کو پلا دیجیے

❀❀❀

مسیحا ہو کے بیماروں کو کس پہ چھوڑے جاتے ہو
سہارا ایک دل کا تھا اسے بھی توڑے جاتے ہو

ہمیں جلوہ دکھاتے تھے نظر ہم سے ملاتے تھے
خطا کیا ہو گئی ہم سے نگاہیں موڑے جاتے ہو

جُدائی میں تڑپ کر رات دن کیسے گزاریں گے
محبت کو چھڑا کر رشتہ کس سے جوڑے جاتے ہو

بلاتے ہیں وہ اب تم کو چلی جاؤ چلی جاؤ
مقدّرا اپنے ہاتھوں سے کہو کیوں پھوڑے جاتے ہو

ارے اشرؔف تو شیدا ہے تو یثرب میں چلی جا پھر
دمِ آخر ہے رہ کر ہند میں کیوں توڑے جاتے ہو

❀❀❀

مدینے سے ہمارا قافلہ اب جانے والا ہے
غمِ ہجراں سے دل کا خاتمہ اب ہونے والا ہے

زیارت روضۂ اقدس کی ہوتی تھی بلا ناغہ
جُدائی سے نگاہوں میں اندھیرا ہونے والا ہے

مدینے کی ہوا سے دل کو فرحت تھی مرے یا رب!
صحت کا بس ہمارے خاتمہ اب ہونے والا ہے

مریضِ ہجر بن کر دیکھیے کب تک تڑپتی ہوں
شفیع المذنبیں کا رحمِ عالیٰ ہونے والا ہے

بہت ابتر ہے حالت عرض اپنا حال کیا کیجیے
اندھیرے میں رسالت کا اجالا ہونے والا ہے

ارے اشرفؔ نہ گھبرا خود وہ آئیں گے ترے گھر میں
تمہارا مرتبہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے والا ہے!!

❁❁❁

نظم

حالاتِ مدینہ

ہائے کس منہ سے کہوں مَیں جنّت البقیع کا حال
دیکھ کر حالت کو جس کی ہوتا ہے دل کو ملال

آہ وہ گلزاریت کیسا مقدّس تھا مقام
تھا برستا نور جس جا اس جگہ آیا وبال

مَیں زیارت کو گئی دل ہو گیا پاش پاش
حالتِ بقیع کو دیکھا بھر گیا دل میں ملال

حضرت بی بی کے صدقے ان کے قدموں کے نثار
اُن کے صدقے میں اُمتِ مصطفیٰؐ بس بے زوال

اُن کی شفقت اُن کی رحمت اُمتِ عاصی پہ ہے
کس طرح ایسی مبارک جگہ کو آیا وبال

دیکھ کر حالت بقیع کی فرشتے روتے ہیں
کیا تعجب ہے جو اشرفؔ کو ہوا ایسا ملال

لڑتے ہیں زندوں سے موتا سے کوئی لڑتا نہیں
صاحبِ بقیع سے کہوں ایسا کیا جنگ و جدال

صاحب بی بی کا پردہ سب کو بس معلوم ہے
دفن کی تاکید تھی آہ کیسا تھا خیال

ہائے کیسا وقت ہے چادر ہے نہ دیوار ہے
دیکھ کر حالت کو روتا ہے میرا بال بال

جس کو عزت خود خدا نے دی وہ مٹنے کی نہیں
جو مٹانا چاہے گا خود اس پر آئے گا وبال

حضرت بی بی کے گھر سے لے لیا چکّی کو بھی
اور پردہ لے کے اُن کے گھر کو کر دیا پائمال

کچھ زیارت کی جگہ باقی نہ چھوڑی ہائے ہائے
کیا کہوں اشرؔف کے دل میں بھر گیا بے حد ملال

❀❀❀

نذرِ علی مرتضیٰؓ

نمایاں ہے ہر شے میں صورت علیؓ کی
ہر ایک رنگ میں دیکھی رنگت علیؓ کی

جو دیکھا ہے چشمِ حقیقت سے مَیں نے
نظر آئی ہے سب میں صورت علیؓ کی

ہے ذاتِ علیؓ میں ذاتِ محمدؐ
محبت نہیں، کی ہے الفت علیؓ کی

ہمارے دل و جاں ہیں قربان اُن پر
ہے کیا دلربا پیاری صورت علیؓ کی

مسلمان ہرگز نہ اس کو سمجھنا
نہ ہو جس کے دل میں محبت علیؓ کی

کرم کرتے ہیں دشمنوں پر بھی اپنے
نرالی ہے دنیا سے سیرت علیؓ کی

نہ کیوں کر کرم ہووے اشرفؔ پر اُن کا
ہے بندہ نوازی کی عادت علیؓ کی

❀❀❀

حاجت روائے خلق ہیں مشکل کُشا علیؑ
وردِ زباں ہو میرے نہ کس طرح یا علیؑ

مشکل کُشا ہر ایک کے ہیں آپ یا علیؑ
للّٰلہ کیجیے مری حاجت روا یا علیؑ

اچھی ہوں یا بُری ہوں کنیز آپ ہی کی ہوں
میری طرف بھی چشمِ عنایت ہو یا علیؑ

ہے ذاتِ پاک آپ کی حاجت روائے خلق
للّٰلہ کیجیے مری امداد یا علیؑ

طوفانِ روزِ محشر سے کچھ ڈر نہیں اسے
جس شخص کے جہاز کا ہے ناخدا علیؑ

آسان کس طرح نہ ہوں اشرفؔ کی مشکلات
مشکل کُشا جب اس کے ہیں مشکل کُشا علیؑ

❀❀❀

غزل
حضرت مولا علی مشکل کُشاؓ کی شان میں

مولا علیؓ کی آج شہادت کی رات ہے
ہر مرد و زن کے رونے کی واللہ بات ہے

حضرت رسولِ پاک کے تھے ہر جگہ پہ ساتھ
خیبر شکن پکارے گئے کیسی یہ بات ہے

مشکل کُشا کہا انہیں شیرِ خدا کہا
ولیوں میں آپ سے بڑھ کر نہیں صفات ہے

پیدا ہوئے حرم میں رہے مصطفیٰؐ کے ساتھ
ملتی ہوئی رسول سے سب اُن کی بات ہے

بیٹی دیا نبیؐ نے علیؓ مرتضیٰ کو بیاہ
مشہور جب سے ہو گئی یہ پانچ ذات ہے

اشرفؔ قلم کو روک لے آگے نہ کر رقم
سوچو ذرا یہ اوروں سے کہنے کی بات ہے

❀❀❀

نذرِ حسینؓ

اور

شہیدانِ کربلا

فاتحِ کرب وبلا

اے حسینؓ ابنِ علیؓ اے رازدارِ کُن فکاں
فاطمہ کے چاند سردارِ جوانانِ جناں

توڑ ڈالا تُو نے باطل کا طلسمِ سامری
وہ تری ضربِ کلیمی وہ ترا عزمِ جواں

دی حیاتِ تازہ تُو نے پیکرِ اسلام کو
صبر تھا بے مثل تیرا عزم تیرا بے کراں

زیرِ خنجر کی ادا تو نے نمازِ آخری
تیرا ہر نقشِ قدم ہے سجدہ گاہِ عاشقاں

آبرو اسلام کی قائم ہے تجھ سے اے حسینؓ
تُو نے کی تبلیغِ قرآں برسرِ نوکِ سناں

کیسے کیسے مہ جبیں اسلام پر قرباں کیے
اصغرِ بے شِیر سے معصوم اکبر سے جواں

مطمئن تھا نفسِ قدسی تیرا اے زہرہ کے لعل
تُو نے بتلایا کہ حق کی موت میں تلخی کہاں

سیّدہ کے لال تیرا نام تیرا تذکرہ
ہر تغیّر میں رہا انسانیت کا پاسباں

السّلام اے معنیٔ آیاتِ قرآنِ مبیں
السّلام اے مظہرِ نورِ خدائے دو جہاں

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے سلام
زندگی کیا موت پر بھی ہے تیرا سکّہ رواں

ہو نگاہِ لطف ہم سب پر شہہِ دنیا و دیں
ہیں وطن سے دُور مولا آپ کے یہ مدح خواں

❀❀❀

اللہ رے جلالت و رفعت حسینؓ کی
پوچھے کوئی رسولؐ سے عظمت حسینؓ کی

فخرِ خلیل سبطِ نبی سرورِ جلیل
اس حق کی ہے جلالت حسینؓ کی

سرور ہیں صاف نورِ نبوت ایک جزو
نعتِ رسولِ پاک ہے مدحت حسینؓ کی

بیٹے کو اپنے صدقہ نواسے پر کر دیا
یہ تھی رسولِ پاک کو الفت حسینؓ کی

علمِ حسنؓ علیؓ کی شجاعت نبیؐ کا خُلق
مجموعۂ کمال ہے سیرت حسینؓ کی

کُفر و نفاق و شرک کا تختہ الٹ دیا
یہ حوصلہ یہ عزم یہ جرأت حسینؓ کی

عزت کی موت ہے بخدا عین زندگی
اس کی ہے اِک مثال شہادت حسینؓ کی

قائم رہے گی مٹ نہیں سکتی مٹائے سے
اِک یادگار تا بہ قیامت حسینؓ کی

❁❁❁

قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے
نُورِ عینِ نبوی سرورِ ذیشاں مددے

اے امامِ دو جہاں اے شہہِ دوراں مددے
مددے بہر نبی سرورِ شاہاں مددے

شیر سے جا کے ہے مسلماں کو چھڑایا تم نے
شام میں طفلِ ضعیفہ کو جلایا تم نے

یا حسینؓ ابنِ علیؓ شاہِ شہیداں مددے
قرۃالعینِ نبی سرورِ مرداں مددے

اپنا اعجاز ہر اِک جا پہ دکھایا تم نے
کیوں مرے کام میں عرصہ لگایا تم نے

آپ ہیں بحرِ کرم آپ ہیں دریائے عطا
آپ کے در سے نہ سائل کوئی محروم رہا

میرا اب کون ہے کونین میں حضرت کے سوا
التجا میری یہ ہے آپ سے اب بہرِ خدا

یا حسینؓ ابنِ علیؓ شاہِ شہیداں مددے
قرۃالعینِ نبی سرورِ مرداں مددے

دین و دنیا خدا نے تمہیں مختار کیا
مالکِ رُوئے زمیں واقفِ اسرار کیا

اپنے گھر کا تمہیں اللہ نے مختار کیا
تم کو کونین کا خالق نے مددگار کیا

یا حسینؓ ابنِ علیؓ شاہِ شہیداں مددے
قرۃالعینِ نبی سرورِ مرداں مددے

حضرتِ جعفرِ صادق کا تصدّق اے شاہ
واسطہ موسیٰ کاظم کا شہا عرش پناہ

ہے شب و روز کرم پر تری عاصی کی نگاہ
مجھ خطا کار کی بھی کیجیے اب عفوِ گناہ

حضرتِ عباسؓ دلاور کی قسم!!
آپ کو زور و شبابِ علی اکبر کی قسم

آپ کو تشنہ لبی اس علی اصغر کی قسم
آپ کو حضرتِ زینب کے کُھلے سر کی قسم

یا حسینؓ ابنِ علیؓ شاہ شہیداں مددے
قرۃ العینِ نبی سرورِ مرداں مددے

یہ مرتبہ آپ کو یا شاہ خدا نے بخشا
اپنا الطاف و کرم آپ پہ سب ختم کیا

عید کے روز شُتر آپ کو خالق نے دیا
گُل کی بخشش کا سبب آپ کے باعث سے کیا

کیجیے میری مدد ابنِ حسن کا صدقہ
اور نبی زادیوں کے رنج و محن کا صدقہ

یا حسینؓ ابنِ علیؓ شاہِ شہیداں مددے
قرۃ العینِ نبی سرورِ مرداں مددے

درِ اقدس سے پلٹتا نہیں سائل ناکام
عرض ہر ایک کی مقبول ہے بے طولِ کلام

چل رہی ہے مری گردن پہ تفکر کی حسام
وقتِ امداد ہے جلد آیئے اے عرش مقام

یاحسینؓ ابنِ علیؓ شاہِ شہیداں مددے
قرۃالعینِ نبی سرورِ مرداں مددے

یا حسینؓ ابنِ علیؓ جلد مجھے شاد کرو
علی اصغر کا تصدّق مری امداد کرو

مری بربادی جو چاہے اسے برباد کرو
میری جانب سے تم اللہ سے فریاد کرو

طعنِ ابنائے زمانہ سے نہیں ہے فرصت
چونکہ غربت ہی سمجھتی ہوں اسے بھی ذلت

میرے آقا کہیں ملتی نہیں مجھ کو راحت
رنج پر رنج ہے پاتی نہیں مولا مہلت

❀❀❀

مرثیہ

ہائے کس منہ سے کہوں مَیں واقعاتِ کربلا
یاد سے جس کے کلیجہ منہ کو آتا ہے

رات سے پانی نہ پایا اہلِ بیتِ پاک نے
منہ میں جو آیا کہا کافرِ لعیں ناپاک نے

ہو گیا ساری مصیبت کا ان ہی پر خاتمہ
جنّت الفردوس کی مالک ہیں بی بی فاطمہ

کافرِ بد ذات نے کچھ بھی قدر جانی نہیں
منزلت حضرت امامِ پاک پہچانی نہیں

آپ نے ہر طور سے ان کو سمجھایا بات میں
پَر نہ سمجھے فرق کچھ آیا نہ اُن کی گھات میں

ایک کافر نے کہا تم ہو نواسۂ مصطفٰیؐ!
پانی خود پیتے پلاتے دیکھتے ہم معجزا

جب سُنا شبیرؑ نے فوراً مصلہ کو ہٹا
نہر کوثر کی وہیں مردود کو دکھلا دیا

گر گیا قدموں پہ اور گر کر مسلماں ہو گیا
اشرفِؔ خستہ کرم اُن پر تھا یہ اللہ کا

❀❀❀

مرا منہ نہ تھا اس کے قابل خدایا!
کہ دیدار ہوتا نبیؐ زادیوں کا!

تصدّق کروں جان قرباں کروں دل
ملے گر قدم پھر نبیؐ زادیوں کا

مرے دل کو بھایا نظر میں سمایا
وہ جوڑا شہانا نبیؐ زادیوں کا

جو فرمایا مجھ سے تھا فرمانِ مولا
میں مانوں گی کہنا نبیؐ زادیوں کا

کلامِ خدا ہے کلامِ پیمبر!
ہوا رُتبہ اعلیٰ نبیؐ زادیوں کا

تڑپتا ہے دل مثلِ ماہی ہمارا
مَیں پھر دیکھوں جلوہ نبیؑ زادیوں کا

یہ اشرفؔ تو ہے ان کے در کی بھکاری
کرم ہووے اس پر نبیؑ زادیوں کا

❀❀❀

غزلِ شہیداں

کس قدر ہوتا ہے صدمہ یاد کر کے واقعات
ہائے میں حاضر نہ تھی اُس دم جو کرتی کوئی بات

یا امامِ پاک مَیں فریاد کرتی ہوں سنو
آپ ہیں فریاد رس فریاد کرتی ہوں سنو

جنّت البقیع کی پھر مجھ کو زیارت ہو نصیب
ہیں محمد مصطفیٰؐ کے آپ ہی بے شک حبیب

آہ رے افسوس حالت کیا ہماری ہو گئی
کربلا میں ہائے حضرت کی شہادت ہو گئی

تھا یہی منظور ربّ العالمیں کو ہائے ہائے
کُل فرشتے روتے تھے کرتی تھیں حوریں ہائے ہائے

امتحاں ایسا کڑا محبوب کا اپنے لیا
پھر تو جنّت کا مکیں کوثر کا مالک کر دیا

جو محبّ ہوں گے حسینؓ ابنِ علیؓ کے دوستو
جام کوثر کا پلائیں گے اُن ہی کو دوستو

اشرفِؔ خستہ نہ اب فریاد کر خاموش ہو
سونگھ لے خوشبو جنابِ پاک تاکہ ہوش ہو

❁❁❁

یاالٰہی حشر میں ہو اس طرح میری پکار
اے اہلِ بیت و جاں نثارِ بوترابؓ

ہر صحابہ سے ہے بڑھ کر عزّ و شاں چار یار کی
مدح خواں سب کی ہوں لیکن ہوں نثارِ بوترابؓ

خود کہا اللہ نے اللہ کے محبوب نے
جان لو پہچان لو مشکل کُشا ہے بوترابؓ

جو پکارے گا انہیں حاجت روائی ہو گی
خلق کا حاجت روا ہے ہمارا بوترابؓ

جو پھرا مولا علیؓ سے پس وہ مجھ سے چُھٹ گیا
حشر میں سامان بخشش کا کریں گے بوترابؓ

آپ کی ہی ذات پر سُن لو سخاوت ختم ہے
فاقہ خود کرتے تھے اور بھرتے تھے کاسہ بوترابؓ

جب صدا سنتے تھے سائل کی کھڑے ہو جاتے تھے
فکر مند ہوتے اور کرتے مدد تھے بوترابؓ

اپنے فرزندوں کو سائل کی نذر بس کر دیا
کون ہے ایسا سخی جیسے سخی ہیں بوترابؓ

کیا کہوں اب حشر کا ہم کو کوئی کھٹکا نہیں
جانتی ہوں باخدا حامی مرا ہے بوترابؓ

مَیں نجف اشرف میں پہنچوں اب تمنا ہے یہی
واں مرا سردار ہے کہتے ہیں جس کو بوترابؓ

پَر نہیں بازو میں اڑ جانے سے بھی مجبور ہوں
خود بُلا لو پاس اپنے آسرا ہے بوترابؓ

دست بستہ ہو کے تُو کہہ دینا اشرفؔ کا سلام
اے صبا جانا اگر سُوئے دیارِ بوترابؓ

❁❁❁

دیدار کرا دیجیے بیتاب ہے اشرفؔ
تا حشر یونہی آپ سے فریاد کریں گے

تڑپے ہے گنہہ گار تری، فاطمہ زہرا
پردے کو اٹھا ہم بھی تو کیا یاد کریں گے

جو لوگ کہ افضل ہیں وہ کیا چاہیں گے تجھ سے
درخواست تو ہم ایسے گنہہ گار کریں گے

سُن لیجیے اب صدقہ حسینؓ ابنِ علیؓ کا!
ظالم ہیں میرے نفس یہ بیداد کریں گے

مجبور ہوں رنجور ہوں خاتونِ صامِت
کب امداد مری سیّدِ ابرار کریں گے

خاطر سے نبیؐ کے تمھیں ہم بھی ہیں پیارے
للّٰہ کرم کیجیے ہم یاد کریں گے!

ہم وہی ہیں جس کے لیے آپ نے بی بی
فرمایا تھا فرزند کو قربان کریں گے

اُمت ہوں ترے بابا کی اب رحم ہو مجھ پر
دشمن مرے در پے ہیں یہ برباد کریں گے

آنکھوں سے مرے اشک کا دریا ہُوا جاری
دیکھو ہمیں سیلاب یہ غرقاب کریں گے

اشرفؔ ہو کنیز آپ کی یا اشرف النّساء
فرقت میں دردِ دل مجھے بے تاب کریں گے

جب حکمِ خدا ہو گا تو سب ٹوٹ پڑیں گے
بد دین کی طاقت نہیں جو کام کریں گے

لاکھوں کو کیا قتل ہزاروں کو مٹایا!!
کیوں اہلِ عرب پر ارے ادبار یہ آیا

یارب تُو کرم کر کہ ہے کمزور یہ اسلام
جو توڑنا چاہے وہ ہے دہر میں ناکام

عورت ہوں نہیں قابو میں اب دل ہے ہمارا
جاں دینے کو تیار ہوں اسلام ہے پیارا

امداد تُو اسلام کی کر بارے خدایا
حسنینؓ کا خوں خاطرِ اسلام بہایا

صدقے ہو مری جاں اور قرباں ہو مرا سر
سو(100) جان خدا دے تو میں قرباں کروں اُن پر

اشرفؔ کی تمنا ہے تُو سُن باریِ تعالیٰ
اسلام کو قوت دے خداوندِ تعالیٰ

❁❁❁

درگاہِ بریلی اور اپنے پیر کے حضور

ہوں مدّاح جو اپنے پیرِ مغاں کی
وہ ہیں درد اور دکھ میں کام آنے والے

مُریدوں کے رہبر غریبوں کے والی
ذرا ایک ہم سے بھی آنکھیں ملا لے

کبھی محوِ وحدت کبھی شکلِ انساں
مَیں صدقے ترے میرے دل بر نرالے

ملے جب، تو چہرے پہ لانبا سا گھونگھٹ
او گھونگھٹ میں صورت کو دکھلانے والے

پریشان و حیران پھرتی ہوں تجھ بن!
اب آ جا مرے دل میں گھر کرنے والے

چھپائے ہو ہم سے عبث اپنی صورت
او ہر شے میں جھلکی کے دکھلانے والے

ہے بستی یہ ویران اے یار تجھ بن
اب آ جا مرے دل میں گھر کرنے والے

ہماری بھی بگڑی بنا جاؤ صاحب
جو لاکھوں کی بگڑی بنا دینے والے

ہوئی دین و دنیا سے بے فکر اشرفؔ
کیا آپ کو جب سے تیرے حوالے

❀❀❀

چلے جاتے ہیں پاپیادہ ہزاروں
نہ کر غم اگرچہ سواری نہیں ہے

بُلاتے ہیں در پردہ وہ ہم کو بے شک
یہ میراث میری تمہاری نہیں ہے

تڑپتی رہی دردِ فرقت کی ماری
یہ سودا مرے سر پہ بھاری نہیں ہے

بریلی کی اِک بار پھر حاضری ہو
تمنا ہے کیا میری باری نہیں ہے

ہوا دل مرا ضرب سے پُرزہ پُرزہ
وہ کہتے ہیں یہ ضرب کاری نہیں ہے

ہوا شیفتہ پیر مرشد کے اوپر
مرے دل کی سُوکھی کیاری نہیں ہے

بریلی سے یثرب کا سیدھا ہے رستہ
چلی جائے گی تو مداری نہیں ہے!

ہیں دنیا میں بزرگ بزرگی کے قابل
مرا دل تو کوئی پجاری نہیں ہے

بڑے جوش پر ہے سخاوت کا دریا
وسیع پل ہے اس کا دواری☆ نہیں ہے

خدایا مجھے پھر تُو پہنچا دے واں پر
یہ فریاد ہے آہ و زاری نہیں ہے

ترے فیض کا بس اُبلتا ہے چشمہ
مرے دل کی کھیتی میں کیاری نہیں ہے

بُلا کر کے اب در پہ رکھ لیجے حضرت
کہ دنیا میں مجھ سی بے چاری نہیں ہے

نظر سے مرے دل پہ ہے زخم کاری
یہ تیزی نگہ کی کٹاری نہیں ہے

اے اشرفؔ تُو اب ہند میں کیوں پڑی ہے
مدینے میں تجھ سا بھکاری نہیں ہے

❀❀❀

☆آستانہ۔چوکھٹ

او پردے سے جلوے کو دکھلانے والے
مرادیں مریدوں کی بر لانے والے

دلوں میں جگہ کر کے آ جانے والے
او آنکھوں سے پردے میں ہو جانے والے

کلیجے کو ہاتھوں سے ہوں مَیں سنبھالے
جگر پر لگے تیرے نظروں کے بھالے

بجُز تیرے آئی بلا کون ٹالے
ہزاروں ہیں بس تیرے ہی در کے پالے

پڑے ہائے اب مجھ کو جینے کے لالے
تُو رُخ سے ذرا اپنے پردہ اٹھا لے

بریلی میں اب مجھ کو جلدی بلا لے
ہمیں ڈستے ہیں رات دن ناگ کالے

مَیں ہوں تیرے قربان اے زلف والے
ذرا پردہ آنکھوں سے میرے ہٹا لے

او قطرے کو دریا بنا دینے والے!
بھٹکتے کو رستہ بتا دینے والے

مَیں قربان ہوں غوث الاعظم کے پالے
علیؓ تم کو چاہیں مرے گیسو والے

دکھا دے تُو اشرفؔ کو جلوہ بلا لے
کہ آنکھوں سے پردہ دُوئی کا اٹھا لے

❀❀❀

غزل
از
بریلی شریف

رحیمی کریمی جہاں سے نرالی!! سخاوت بھی ہے ان کے ہی در کی پالی
دُرودوں کی بانہوں میں لے کر کے ڈالی بنوں روضۂ پاک کی اب میں مالی
چلوں سر کے بل پھر مدینہ میں یارب
وہ محبوبِ عالم رسُولِ مکرم! ہے حامی ہمارا وہ نُورِ مجسّم
حبیبِ خدا ہے وہ فخرِ دو عالم شفیع ہے گنہ گار اُمت کا ہر دم
دکھا دے ہمیں کُوئے جاناں کو یارب
تڑپتی ہوں مَیں دردِ الفت کی ماری بلا لو مجھے مَیں۔ ہوں چڑیا تمہاری
چبھا تیر دل میں ہوا زخم کاری رسولِ خدا پر مَیں واری واری
پھڑکتی ہوں جلوہ دکھا مجھ کو یارب
غمِ ہجر کب تک میں سہتی رہوں گی جو زندہ رہی یوں ہی مرتی رہوں گی
پڑی ہند میں ہائے کرتی رہوں گی بلم کے درشؐ کو ترستی رہوں گی
مرا حال اُن کو سنا دیجیے یارب

☆دیدار۔درشن

رحم کھائیں گے حال سن کر کے بے شک　　خطائیں مری بخشوائیں گے بے شک
ہمیں سامنے وہ بلائیں گے بے شک　　خطائیں مری بخشوائیں گے بے شک
محمدؐ کا جلوہ دکھا مجھ کو یارب

نہ زر ہے نہ پَر ہے بہت بے بسی ہے　　مرے پاؤں لنگ ہیں بڑی بے کسی ہے
ہے مشہور بس تیری فریاد رسی ہے　　خبر لے خبر تجھ سے دنیا بسی ہے
پہنچنے کی صورت بتا مجھ کو یارب

درِ مصطفیٰؐ پر بٹھا دیجیے مجھ کو　　وہ موہنی صورتیا دکھا دیجیے مجھ کو
فدائی اُن ہی کی بنا دیجیے مجھ کو　　شرابِ محبت پلا دیجیے مجھ کو
یہ پردۂ دُوری اٹھا دیجیے یارب

❀❀❀

یارب تُو بریلی میں مجھے رہنے کی جا دے
حضرت کے غلاموں میں مرا نام لکھا دے

جب روح مری تن سے جدا ہو مرے مولا
پردہ یہ دُوئی کا مری آنکھوں سے اٹھا دے

جلوہ ہو مرے پیر کا بس سامنے میرے
بگڑی ہوئی باتوں کو مری آج بنا دے

لاشہ مرا جب دفن کریں لوگ یہاں پر
تو رُوح کو حضرت ہی کے کوچے میں بسا دے

دوزخ کا نہ ہو ڈر نہ جنّت کی تمنّا
دیدار سے حضرت کے مستانہ بنا دے

جب روزِ قیامت اٹھیں سارے سیانے
محبوب کا اپنے مجھے دیوانہ بنا دے

جب جنّتی جنّت میں چلے، شاد و مگن ہو
ہم یہ ہی کہیں تجھ سے کہ اب جلوہ دکھا دے

مٹ جانے پہ وہ ملتے ہیں خود تُو نے کہا ہے
اب مٹ کے ہوئی زندہ، اُن سے ملا دے

منجدھار میں نیّا ہے خبر لے مرے مولا
اب ڈوبتی کشتی کو مری پار لگا دے

اشرفؔ کی تمنا ہے یہی سن لے اے خدا
اب شافعِ محشر کا مجھے جلوہ دکھا دے

❁❁❁

یثرب میں نہ پہنچے جو ہوئے اُن کے فدائی
کیا سیکھی ادا تم نے رسولِ مدنیؐ کی

ہنستے ہیں مرے حال پہ سب اپنے پرائے
افسوس ترے ہجر نے کیا حال روی کی

سب لوگ چلے جاتے ہیں خود تو ہے بُلاتا
کیا ہم ہی نے تقصیر کوئی بہت بڑی کی

ثابت جو کیا مجھ پہ وہ ہے جرمِ محبت
سیکھی ہم نے چلن اویس قرنی کی

اے جانِ جہاں مَیں تری زلفوں پہ ہوں قرباں
صدقہ ہوں مرے پیر یہ کیوں دل شکنی کی

غم دل میں بھرا، شق ہے جگر، جان ہے باقی
دیتی ہوں دُہائی مَیں بریلی کے دھنی☆ کی

جس کو تو ملا مل گئی بس ساری خدائی
بگڑی ہوئی باتوں کو ہزاروں کے بھلی کی

اِک روز تو مل جا یہی آرزو میری
قدموں پہ مروں لوگ کہیں جان فدا کی

دن رات ترے نام کا پڑھتی ہوں وظیفہ
بڑھتی ہے تغافل سے لگن اور بھی دل کی

اے پیر سنو صدقہ حسینؓ ابنِ علیؓ کا
جُز تیرے میرے دل کی کلی کس نے ہری کی

جب تُو نہ ملے زندہ رہوں کس کے سہارے
کچھ وجہ نہیں کھلتی ہے اس پردہ دری کی

اب بے ترے دیدار کے مَیں رہ نہیں سکتی
سیراب کرو ورنہ مروں گی بے تری کی

روؤں گی نہ تڑپوں گی عہد کرتی ہوں حضرت
للّٰہ دوا دیجیے دردِ جگر کی

❁❁❁

☆سمجھ۔عقل

پڑی ہے مزاروں پہ پھولوں کی چادر
دو عالم میں خوشبو بسائے ہوئے ہیں

عجب شان سے آپ سوئے ہوئے ہیں
اور ہم جان ہاتھوں سے کھوئے ہوئے ہیں

خدا کے لیے رُخ سے گھونگھٹ اُٹھا دو
تری پائینتی سر جھکائے ہوئے ہیں

بہت دن پہ ہم یاد آئے ہوئے ہیں
کسی بے رحم کے ستائے ہوئے ہیں

تڑپتی ہوں میں مُرغِ بسمل کی صورت
جگر میں وہ بھالا چھپائے ہوئے ہیں

قدم آپ کے اب تو پائے ہوئے ہیں
مقدّر تو ہم آزمائے ہوئے ہیں

مری آنکھیں اَنْ☆ سُوجھ اب ہو گئی ہیں
وہ نظروں میں میری سمائے ہوئے ہیں

بریلی میں ہم کو بُلا لیجے صاحب
غلاموں کا سر خط لکھائے ہوئے ہیں

وہ گھر میرے مدّت سے آئے ہوئے ہیں
بگڑتے ہوؤں کو بنائے ہوئے ہیں

کیاری پسند آئی اشرفؔ کے دل کی
وہ تُخمِ محبت کو بوئے ہوئے ہیں

❀❀❀

☆بے بصارت

بزرگانِ دین
کے حضور

آسان کرو مشکل مری یا خواجۂ ہند غریب نواز
ہو تم ہی سراپا شانِ علیؓ یا خواجۂ ہند غریب نواز

تم سالکِ راہِ طریقت ہو تم عارفِ سِرِّ حقیقت ہو
ہے شان تمہاری سب سے بڑی یا خواجۂ ہند غریب نواز

سُن لیجے ذرا اب عرض مری مَیں چَڑیا ہوں تُمرے در کی
از بہرِ خدا از بہرِ علیؓ یا خواجۂ ہند غریب نواز

للّٰہ کرم کی ہووئے نظر، ہے رنج سے حال بہت ابتر!!
ساری رینؔ موہے روتے گزری یا خواجۂ ہند غریب نواز

اے خواجہ کہاں تک رنج سہوں تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں
کہ رحیم و کریم ہے ذات تیری یا خواجۂ ہند غریب نواز

☆رات

موری نیا پڑی بیچ دھارے میں تم کھے کے لگا دو کنارے میں
ڈوری مری، ہاتھ میں ہے تمرے یا خواجۂ ہند غریب نواز

گھر تیرا مکّے مدینے میں ہے، جلوہ ترا دل کے نگینے میں ہے
اجمیر ہے اجلاس ترا یا خواجۂ ہند غریب نواز

طلبی سے تری سب جاتے ہیں ہم در پہ پڑے گھبراتے ہیں
اب کھوج کرو جلدی میری یا خواجۂ ہند غریب نواز

مضطر ہے اشرفؔ اٹھو پھر للّٰہ کرم کی ہو اِدھر بھی نظر
بھٹکی نہ پھروں اب میں در در یا خواجۂ ہند غریب نواز

❀❀❀

ترے رخسار کے قربان ہُوں گیسو والے
دیکھو فرقت میں ترے پڑ گئے دل پر چھالے

بعد مدّت کے درِ پاک پہ اشرفؔ آئی
ہجر میں رونے سے اب آنکھوں میں پڑ گئے جالے

کیا کہوں، کس سے کہوں کون خبر لے میری
لے خبر جلد مری آ کے بریلی والے!

جان قربان کروں تیرے قدم پر اپنی
اپنے رخ سے ذرا پردۂ دُوری کو ہٹا لے

ترے مے خانے کے صدقے مرے ساقی سن لے
ایک پیمانہ عنایت ہو رہیں متوالے

اپنی ہٹی سے مجھے اب نہ ہٹانا صاحب
پہنچیں گے تا بہ فلک دیکھیے میرے نالے

عشق کی آگ نے تن من کو جلایا میرے
سامنے آ جا ذرا آگ بجھانے والے

شکر صد شکر ترا جلوہ تقی میں چمکا
پاتے اس طرح سے ہیں دیکھیے پانے والے

آ گئی ہوں مَیں بریلی میں بلایا تُو نے
تری فرقت میں پڑے دل پہ ہزاروں چھالے

اشرفِؔ خستہ کو رکھ لیجیے بُلا کر در پر
ٹھوکریں کھاتے نہیں پھرتے تیرے متوالے

❀❀❀

سلامِ خواجہ

خواجۂ بے کس نواز، السّلام السّلام
درد اٹھتا ہے مرے دل میں یہ سودا رہے سر میں
کر دے مجھ کو سرفراز السّلام السّلام
خواجۂ بے کس نواز، السّلام السّلام
دل میں مرے درد ہے رحم میں تُو ہی فرد ہے!
کہتے ہیں سب بندہ نواز، السّلام السّلام!
کرتی ہے عرض یہ ناشاد، پوری کر دو دل کی مُراد
مجھ کو تو ہے بس تمہیں پہ ناز السّلام السّلام
جاتے ہیں جو نامُراد آتے ہیں وہ شاد شاد
تُو ہی تو ہے غریب نواز السّلام السّلام
کیجیے خواجہ مری امداد سُن لیجیے مری فریاد
تُو ہے اے سلطانِ فیاض السّلام السّلام!
غوث قطب کے پیارے ہوتُم ولیوں کے دُلارے ہوتُم
ختم ہے تُم پر راز و نیاز السّلام السّلام

مُرشد نے مجھے بتلایا رُتبہ ترا سمجھایا
ہمیں ہے تم پر ہر دم ناز السّلام السّلام
پھر اجمیر میں لیجیے بُلا پردۂ دُوری کو اب اٹھا
تُو ہی مرا ہے کارساز السّلام السّلام!
نظرِ کرم ہو جائے مجھ پر، رب کا رحم ہے ہر دم تجھ پر
کرتی رہوں مَیں اُن کی نیاز السّلام السّلام
حکم ہو مَیں آؤں اجمیر تڑپت بِلکت ہو گئی دیر
کس سے کہوں اے غریب نواز السّلام السّلام
اشرفؔ بے کس کے لیے اب کہہ دیجے کہ بخشے رب
ہم کو ہے بس تُم پر ناز السّلام السّلام

❀❀❀

اب ڈوبی کشتی اے شہاشاہ نظام الدین حسین
لیجیے مجھے اب تو بچا شاہ نظام الدین حسین

تُو ہے ہمارا ناخدا شاہ نظام الدین حسین
مری جان ہے تجھ پر فدا شاہ نظام الدین حسین

شب روز یہی ہے صدا شاہ نظام الدین حسین
ہوئے نہ تو مجھ سے جُدا شاہ نظام الدین حسین

میرے سر پہ ہو سایہ ترا شاہ نظام الدین حسین
تجھ سا نہیں رہبر مرا شاہ نظام الدین حسین

❀❀❀

غوث الاعظم بہ منِ بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے

آپ کی ذات سے اسلام ہوا ہے روشن
آپ کی ذات سے ولیوں نے منایا ہے جشن

پنجتن پاک کے صدقے میں دکھا دیجیے پھبن
آپ کے در کی غلامی میں ہیں نرگس و سوسن

غوث الاعظم بہ منِ بے سر و ساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ دیں مددے

میری بگڑی کو بنانے کو تمہیں کافی ہو
مجھ مریضہ کے تو واللہ تمہیں شافی ہو

حشر میں بعد محمدؐ کے تمہیں کافی ہو
کر دو اب دل کی دوا تم تو بڑے شافی ہو

غوث الاعظم بہ منِ بے سر و ساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ دیں مددے

جُز ترے کس سے کہوں تُو ہی ہے ہمدم میرا
آسرا رکھتی ہوں ہر دم مرے مولیٰ مددے

لیجیے جلد خبر رنج و الم نے گھیرا
مَیں لگاؤں ترے واڑہ☆ کا ہر دم پھیرا

مَیں بھکاری ہوں ترے در کی دیا کر دیجیے
اشرفِؔ خستہ کی فریاد ذرا سن لیجیے

مرتی ہوں غیب سے سامانِ سفر کر دیجیے
قبر میں تحفۂ ایمان ذرا دھر دیجیے

غوث الاعظم بہ منِ بے سر و ساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ دیں مددے

☆کوچہ۔گلی

آپ کے جدِّ معظمؐ سے مدینہ آباد
آپ کی ذاتِ مکرّم سے مقدّس بغداد

کیوں نہیں سنتے ہیں اب آپ ہماری فریاد
ہوں مصیبت میں پھنسی کیجیے مری امداد

غوث الاعظم بہ منِ بے سر و ساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ دیں مددے

❀❀❀

مَیں شیدا دل سے ہوں تیری محی الدین جیلانی
مدد کیجیے ذرا میری محی الدین جیلانی

مَیں بیمارِ محبت ہوں، دوا حاذق سے کیا ہو گی
دوا دیدار ہے تیری محی الدین جیلانی

مرے آئینۂ دل میں ترا جلوہ رہے ہر دم
گوارا ہے نہیں دُوری محی الدین جیلانی

کسی صورت سے ہو جاتی حضوری در کی اب حاصل
دکھاؤں کیسے مجبوری محی الدین جیلانی

سُوئے بغداد لے جائے تمنّا دل کی اب یا رب
کُھلے زنجیرِ مجبوری محی الدین جیلانی

شناسائے حقیقت واقفِ رمزِ طریقت
حضوری جس کی ہو تیری محی الدین جیلانی

حقیقت میں تمہارا خُلق خُلقِ احمدی بابا
مری ہو دُور لاچاری محی الدین جیلانی

خدارا آج ہو جائے نگاہِ فیض مجھ پر بھی
ہے اشرفؔ بہت دُکھیاری محی الدین جیلانی

❁❁❁

تُو بگڑی ہماری بنا غوث الاعظم
ذرا شکل اپنی دکھا غوث الاعظم

کروں کیا مَیں تیری ثنا غوث الاعظم
مری جان تم پر فدا غوث الاعظم

ہو لختِ جگر مرتضیٰ غوث الاعظم
ہے حامی تمہارا خدا غوث الاعظم

ہو نُورِ نظر مصطفیٰ غوث الاعظم
کرو رحم بہرِ خدا غوث الاعظم

سُنی ایک بڑھیا کی فریاد تُو نے
براتی و نوشہ جیا غوث الاعظم

خدا کو ہے منظور خاطر تمہاری
کرو میرے حق میں دُعا غوث الاعظم

تباہی میں کشتی پڑی ہے ہماری
تمہیں ہو مرے ناخدا غوث الاعظم

کنارے لگا دیجیے بیڑا ہمارا
یہ اشرفؔ ہے در کی گدا غوث الاعظم

تو لختِ جگر کو مرے شاد کر دے
یہ ہی ہے مری التجا غوث الاعظم

❁❁❁

خدارا کر مدد میری معین الدین اجمیری
بڑی سرکار ہے تیری معین الدین اجمیری

مجھے در پر بُلا لیجے دوا پھر دل کی کر دیجے
بنا بگڑی ہوئی میری معین الدین اجمیری

کسی کو زور طاعت کا کسی کو بل عبادت کا
مجھے امید ہے تیری معین الدین اجمیری

پلا دو خُم کا خُم خواجہ مئے توحید کا مجھ کو
نہیں ہوتی مری سیری معین الدین اجمیری

تمہاری نام لیوا ہوں تمہارے بن بیوا ہوں
لگاتی در کی ہوں پھیری معین الدین اجمیری

بھرا دیجیے مرا چمٹا☆ اڑھا دیجیے ذرا کمبل
مَیں جوگن ہوں در کی تری معین الدین اجمیری

مصائب سہتے سہتے تھک گئی اب تو کرم کیجیے
کریمی خاص ہے تیری معین الدین اجمیری

نوازش سے مرے سرکار اب محروم مت کیجیے
خبر لیجیے ذرا میری معین الدین اجمیری

مَیں واری جاؤں تیرے چہرۂ زیبا کی اے حضرت
منوّر آنکھیں ہوں تیری معین الدین اجمیری

ہٹا پردہ کہ تیرے دیکھنے والوں میں ہم بھی ہیں
یہ اشرفؔ لونڈی ہے تیری معین الدین اجمیری

❀❀❀

☆کشکول

دل بند پیر کی ہو بندہ نواز بی بی
ہم سب کی مرسلیں ہو بندہ نواز بی بی

بگڑی بنانے والی مُردے جِلانے والی
مَیں کیا کہوں کہ کیا ہو بندہ نواز بی بی

اچھی ہوں یا بُری ہوں جیسی ہوں آپ کی ہوں
اب تو مجھے نِبا ہو بندہ نواز بی بی

حسنینؓ کا تصدّق خیر النّساء کا صدقہ
للّلہ کچھ عطا ہو بندہ نواز بی بی

خیر النّساء کی پیاری بانو کی ہو دلاری
جلوہ ہمیں دکھاؤ بندہ نواز بی بی

در کی تری گدائی ہم کو ہے بادشاہی
جاروب کش بناؤ بندہ نواز بی بی

سچے میاں کا صدقہ موسیٰؑ میاں کا صدقہ
محبوب کا تصدّق بندہ نواز بی بی

دیکھو ہماری حالت مدِّنظر عنایت
اپنی مجھے بنا لو بندہ نواز بی بی

حضرت تقی کا صدقہ اس دل بری کا صدقہ
للّٰلہ کچھ عطا ہو بندہ نواز بی بی

محشر میں بھولنا مت زہرا سے تم ملانا
جب میں کہوں کہ آؤ بندہ نواز بی بی

اشرفؔ تڑپ رہی ہے حالت بہت ہے ردی
پردۂ دُوئی اُٹھاؤ بندہ نواز بی بی

❀❀❀

متفرقات

- غزل
- ٹُھمری
- نظم

کس لیے دنیا بنا کے رب نے بندوں کو رکھا
آزمایش کر رہا ہے اپنے فرمانے کے بعد

حکم یہ ہم کو سنایا کبریا نے شوق میں
بھولنا مت اصلیت دُنیا میں رہ جانے کے بعد

بھول کر ہم کو نہ دُنیا میں بسر کرنا کبھی
پھر پلٹ آو گے دنیا سے مر جانے کے بعد

جو مصیبت پڑے سہنا نہایت صبر سے
شکر کرنا تم ہمارا رنج پڑ جانے کے بعد

دل پہ ہو صدمہ تو صبر و شکر تم کرنا مدام
کام کا ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد

ذلتیں دنیا میں ہوں تو اس سے شرمندہ نہ ہو
ہم تمہیں دیویں گے عزت پاس آ جانے کے بعد

نیکی کرنے کے لیے ہم نے اتارا ہے تمہیں
جائیں گے مزدور واپس کام کر جانے کے بعد

مت بدی کرنا کبھی کہ ہو سزا کے مستحق
ہو گے شرمندہ بہت اعمال کھل جانے کے بعد

لوگ کہتے ہیں کہ اشرؔف سے بُرا کوئی نہیں
قدر اُس کی ہوگی صاحب اُس کے مر جانے کے بعد

❀❀❀

ملتا ہے سبق روز نیا دورِ زماں سے
میری سی نظر کوئی مگر لائے کہاں سے!

آگاہ ہوں ہستی کے ہر اِک رازِ نہاں سے
حیراں ہوں مَیں کیا جلوۂ نیرنگِ جہاں سے

ملنے کو تو سو بار ملوں اہلِ جہاں سے
وہ دل ہے کہاں اب اسے لاؤں مَیں کہاں سے

اب کُھل گئے دل پر مرے اسرارِ حقیقت
اب مجھ کو شکایت نہیں کچھ دورِ زماں سے

آزاد ہوں ہر قیدِ تعلق سے جہاں کی
بے فکر ہوں اب دہر کے مَیں سُود و زیاں سے

ہر جلوہ فریب دہ ہے ہر پردہ فریبی
بیزار ہے ہر ایک نظر بزمِ جہاں سے!

عالم ہے یہ اب میری وسیع النظری کا
بالا ہے نظر حدِّ کون و مکاں سے

سنتی ہوں مَیں کانوں سے حقیقت کی آواز
کہتی ہوں مَیں ہر بات حقیقت کی زباں سے

ہے کوئی جگہ کوئی کہیں سجدے کے قابل
جاؤں مَیں کہاں اُٹھ کے درِ پیرِ مُغاں سے

جاتی ہے کدھر کعبۂ مقصود کدھر ہے
پوچھے تو کوئی راہروِ کوئے بتاں سے

حیران ہوں مومن کہوں کس کو کہ کافر
سنتی ہوں ترا نام مَیں ہر ایک زباں سے

سو کام بنا دیتی ہے اِک حُسنِ عقیدت
ملتا ہے مجھے فیض درِ پیرِ مُغاں سے

آساں نہیں کچھ کہنا حقیقت کو سمجھنا
دشوار نکلنا ہے حدِّ کون و مکاں سے

یہ طرزِ تکلّم یہ فصاحت یہ بلاغت
خود بول رہا ہے وہی بس میری زُباں سے

سب سے ہے الگ راز ترا چپ رہو اشرفؔ
آتی ہے صدا یہ ہی سنو ارض و سما سے

❀❀❀

شکل اُن کی دیکھ کر مَیں دل سے شیدا ہو گئی
ہوش بھی جاتا رہا اور عقل رخصت ہو گئی

ٹیس اٹھتی ہے جگر میں اور حالت ابتر ہو گئی
ہائے یہ کیسی خلش اب دل میں پیدا ہو گئی

قتل کر کے ہائے مجھ کو بس وہ قاتل چل دیا
تن پھڑکتا رہ گیا اور جان رخصت ہو گئی

یا رسولِ پاکؐ میرے حال سے واقف ہیں آپ
پیر زادی کی ہمارے دل میں الفت ہو گئی

ہے تمنا بس یہی آنکھوں سے وہ اوجھل نہ ہوں
آئی جب تحریر گویا اُن سے وصلت ہو گئی

ہو گئی تسکین دل کو روح تازی ہو گئی
اشرفِ خستہ مگر اب ختم حُجت ہو گئی

❁❁❁

نظم

حالتِ اسلام

دل تھام کے فریاد مَیں کرتی ہوں الٰہی
اسلام کی دیکھی نہیں جاتی ہے تباہی

کلمہ سے بھی روکتا ہے اہلِ عرب کو
تعظیم سے بھی روکتا پھرتا ہے وہ سب کو

افسوس قیامت ہے قیامت ہے قیامت
کیا ہو گیا بد دین کی اب آ گئی شامت

روتے ہیں فرشتے بھی ملائک بھی بشر بھی
حسرت سے ابھی دیکھتے ہیں شمس و قمر بھی

اشرفؔ عاصی کا حج کرنا مرے مولا ہو قبول
آنکھوں سے جلوہ دکھا یارب رسُول اللہ کا

❀❀❀

رات آئی ہے کسی کو کل☆ سے سونے کے لیے
اور ہمارے واسطے آئی ہے رونے کے لیے!

بند آنکھیں جب ہوئیں اِک کرب پیدا ہو گیا
اِک جلن دل میں اٹھی اور کروٹیں بدلا کیے

کس قدر بے چین رہتی ہوں خیالِ یار میں
در پہ رہتی ہے نظر اور کروٹیں بدلا کیے

ماہیٔ بے آب سی تڑپا کروں مَیں کب تلک
شربتِ دیدار دے للّٰہ تو میرے لیے

کس مزے سے زندگی ہوتی بسر اے جانِ جاں
تُو ہمارے واسطے ہوتا اور ہم تیرے لیے

☆چین

رات ساری ہم کھڑے ہو کر گزارا کرتے ہیں
اِک ذرا بس تمہارے ہی نظارے کے لیے

چھا گئے میری نگاہوں میں رہے دل میں مرے
کیوں نظر آتے ہیں میرے سہارے کے لیے!

جس نے جو تجھ سے طلب کیا تُو نے اس کو دے دیا
کیا سخاوت وہ نہیں زیبا ہے اب میرے لیے

نام لیوا ہوں نہ کر عیبوں پہ تُو میرے نظر
کر وہی للّٰہ جو لازم ہے بس تیرے لیے

دم میں راہ کو کیا روشن ہمارے پیر نے
اب جھلک اس کی بڑھا دے نورِ کامل کے لیے

❁❁❁

ہمیں دنیا سے کیا مطلب عدم کے رہنے والے ہیں
جو آئے ہیں وہ دو دن رہ کے واپس جانے والے ہیں

محبت میں کسی کی نہ پھنس جاؤں مَیں دنیا میں
بدیسی کر کے الفت غیروں کی پچھتانے والے ہیں

وطن کو جائیں گے واپس عدم ہی ہے وطن میرا
ہو الفت دیس والوں سے وہیں پر رہنے والے ہیں

مسافر خانے کو یاں لوگ گورستان کہتے ہیں
ضرورت ہے وہیں رہنے کا گھر بنوانے والے ہیں

محل کوٹھی بنا کر اے محبوؔ یاں کرو گے کیا!
سب ہی سامان یاں چھوڑیں گے واپس جانے والے ہیں

محبت رکھ دل میں اُن کی جو محشر میں شفیع ہوں گے
شفیع المذنبیں رہبر ہمارے ہونے والے ہیں

ارے اشرؔف سنبھل جا راز کی باتیں نہ کہہ ڈالو
سمجھ جائیں گے، سب تو کام الٹا کرنے والے ہیں

❀❀❀

ذات خالق کی رہے گی سب فنا ہو جائیں گے
روزِ محشر مصطفیٰؐ رہبر مرے بن جائیں گے

راز جو سینے میں ہیں وہ سب فنا ہو جائیں گے
عیب اپنے دیکھ کر سب لوگ بس شرمائیں گے

پیر و پیمبر کھڑے دیکھا کریں گے سامنے
بد عمل کو دیکھ کر بندے بہت گھبرائیں گے!

زور اپنا کچھ نہ واں پر چل سکے گا دوستو
دن قیامت کے بدی کو دیکھ کر پچھتائیں گے!

کر لو جو نیکی ہے کرنی موت سر پر ہے کھڑی
جب پکارے گا ہمیں، فوراً ابھی مر جائیں گے

مال و زر سب لیں گے بس کورا کفن دیں گے ہمیں
سب عزیز و اقربا مدفن تلک بس رہ جائیں گے

فاتحہ پڑھنے کو کب مرقد پہ جائے گا کوئی
جب کہے گا بھی کوئی تو نام سے ڈر جائیں گے

دوست احباب جیتے ہی جی کے ہیں سنو اے یارِ من
بعد مرنے کے بھی احباب بس چھٹ جائیں گے!

باپ ماں فرزند و زن سب جیتے جی کے ہیں رفیق
موت جس دم آئے گی نظروں سے سب چھپ جائیں گے

وقتِ مُردن سامنے جلوہ ہو تیرا اے خدا
اور رسُولِ پاکؐ پر ہم جاں فنا کر جائیں گے

صدقہ حضرت مصطفیٰؐ کا رحم کی ہووے نظر
بس علیؓ مشکل کُشا رہبر مرے ہو جائیں گے

جب نزع کا وقت ہو اے کبریا سن لے مری
دم لبوں پر ہو اور مدح و ثنا پڑھ جائیں گے

جیتے جی اشرفؔ کو پھر یثرب میں پہنچا اے خدا
مر بھی جائیں گے تو بقیع میں دفن ہو جائیں گے

❀❀❀

یک جھلک دیکھ کے دیوانے بنے پھرتے ہیں
ہم تو ہیں قید پھریں کس طرح صحرا صحرا

کیا کہوں سب سے نرالی ہے پیارے کی ادا
کہیں چھپتے ہیں کہیں پھرتے ہیں وہ بے پہرا

انتظاری نے تری خوب دکھایا صحرا!
صبح سے شام ہوئی شام سے پچھلا پہرا

اشرفِ خستہ کا دم ہونٹوں پہ اب آ پہنچا
آنکھیں اَن سُوجھ ہوئیں کان ہے اُس کا بہرا

❁❁❁

آپ تو رخصت ہوئے اور ہم تڑپتے رہ گئے
خونِ جگر پینے کو ہے غم کیا جگر میں بھر گئے

کیا خبر تھی اس طرح ہم سے جدائی ہو گی
خود طلب کرتے تھے اب بندش ہماری کر گئے

دل کو بس تیری طلب ہے اور تمنا کچھ نہیں
زندگی تیرے لیے ہے ورنہ ہم تو مر گئے

اشرفِ مسکیں کی حالت آپ کو معلوم ہے
رحم سے جس وقت دیکھا ہم اُسی دم مر گئے

❋❋❋

خوش نہ ہوں دولتِ دنیا سے زمانے والے
روئیں گے صورتِ خوارہ خزانے والے

آئے دنیا میں تو ہم روتے ہوئے آئے تھے!
اپنی فرقت میں ہیں اوروں کو رُلانے والے

درد ہے دل میں مرے سینہ ہوا غم سے فگار
ہم نہیں صدمۂ فرقت کے اٹھانے والے

پاس تصویر بھی آ جائے تو ہو دل کو قرار
قبر میں آئیں گے تصویر دکھانے والے

تجھ پہ حسرت کی نظر ڈالیں گے سب یار مرے
روئیں گے دیکھنا بس لاش اٹھانے والے

مجھ پہ جو کچھ کہ گزرنی ہے گزر جائے گی!!
خود ہی پچھتائیں گے بس مجھ کو ستانے والے

میں دعا گو ہوں کیا دل کو مرے جس نے خراب
تحفہ کیا ساتھ میں لے جائیں گے بس مجھ کو ستانے والے

خون دل کا مرے ہاتھوں میں مَلے ہوویں گے
سرخ رنگ ہوویں گے ظالم کو بتانے والے

منہ سے ہم اُف نہ کریں گے سرِ محشر سن لو
خود کہیں گے مجھے ٹھوکر سے ہٹانے والے

سن کے فریاد مری آپ کہے گا مولیٰ!!
اشرفؔ خستہ یہ ہیں منہ کو چھپانے والے

صدمے پر صدمے سہے صبر سے کچھ اُف نہ کیا
ایسے بندوں کے ہیں ہم ناز اٹھانے والے

آج محبوب کی میرے تجھے زیارت ہو گی
پاتے دیدار ہیں الفت میں ہی مرنے والے

❀❀❀

کُل مال و متاع لیں گے عزیز و اقارب!
جائے گا مسافر ابھی یک دم میں وطن سے

رو رو کے ہر اِک سمت سے گُل کرتے ہیں فریاد
اڑ جائے گی بُلبل ابھی افسوس چمن سے

جب جان نکلتی ہے نہیں روکتا کوئی
رُوح جاتی ہے اُس یار تلک پہلے دفن سے

مرقد میں سُلا دیتے ہیں بس دُلہن سا بنا کے
رکھ دیتے ہیں منہ کھول کے سب لوگ کفن سے

مٹی دیا کرتے ہیں سنو منہ کی دکھائی
کچھ واسطہ باقی نہیں رہتا ہے بدن سے

مَیں کیا کہوں ہر وقت یہی خیال ہے مجھ کو
واقف نہ ہوئی مَیں ملک الموت کے فن سے

اشرؔف نہ کرو فکر یہ ہیں راز کی باتیں
شعلہ بھڑک اٹھتا ہے ترے دل کی جلن سے

❁❁❁

عشق نے میری کیا مٹی پلید کی ورنہ مَیں آدمی تھی کام کی
مفت میں ضائع کیا عمرِ عزیز رٹ لگی اب خدا کے نام کی

وقتِ آخر ہے وہ آ جائیں ذرا ہے بھلی صورت یہی انجام کی
کھو گیا وقتِ جوانی مفت میں بات سوجھی ہے مجھے اب کام کی

نام اُن کا یاد ہے اب ہر گھڑی بات ہے واللہ یہ انعام کی
اشرفِؔ مسکیں کو پھر دکھلائے ہوں تصدّق میں اُس گلفام کی

چکھ لیا وصلت کا جب سے ہے مزا یاد ہے لذّت مجھے اُس جام کی
چاہتی ہوں پہنچنا اُس یار تک چوٹی پکڑا دے کوئی اب بام کی

❀❀❀

چراغِ مسجد و محراب و منبر، ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ
یہ ہیں چار یارِ پاک بشر انہی کے کام سے خوش تھے پیمبرؐ

نہیں دنیا میں کوئی ان کا ہم سر، ان ہی سے دین روشن ہے سراسر
یہی ہیں ہر ولی اللہ کے دلبر، تھے گاتے گیت بس داؤدؑ یکسر

ہر ایک کعبے مَیں یہ کہتا تھا جا کر، چلے آئے ہیں یارانِ دل بر
نہیں مکہ میں اب کوئی ہے یاور، ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

حضورؐ سرورِ عالم کے اوپر نثار جان کرتے تھے برابر
خدا کا حکم فرماتے تھے فرافر، تھے ڈر سے کانپتے بندے تھراتھر

اے اشرفؔ کیا کہوں مَیں ان کے جوہر
خدا نے چُن کے بھیجے تھے یہ گوہر

❀❀❀

مست آنکھیں دیکھ کر مستی چڑھی ہاں
بے خودی سے حالت ابتر ہو گئی ہاں

کیا کہوں اُس شوخ نے کیا کر دیا ہاں
بیٹھے بٹھلائے دیوانی ہو گئی ہاں

رنگ میں اپنے مجھے رنگ لیجیے ہاں
آپ کی ہو کر پرائی ہو گئی ہاں

لاج میری آپ کے ہے ہاتھ میں
ہر طرف رُسوا نہ اب کروائیے ہاں

پہلے پہلے بھر بھر جام ساقی پی گئے ہاں
تھوڑی تلچھٹ رہ گئی پلوائیے ہاں

اشرفِ مسکیں کو اب بلوائیے ہاں
ہو گئی رسوا ترس اب کھائیے ہاں

❀❀❀

ساقیا روک لے ہاتھ مے نہ پلانا مجھ کو
فرض ہو جائے گا دلبر سے ملانا تجھ کو

اس کی شیدا ہوں مَیں جو پردے میں رہا کرتا ہے
لوگ سمجھیں نہ کہیں دیکھ کے دیوانا مجھ کو

غمِ فرقت میں تڑپتی ہوں خبر لو صاحب
کب روا ہے مری جاں اتنا رُلانا مجھ کو

بے خودی خود مجھے پہنچائے گی اس یار تلک
آتشِ ہجر نہ اب دیکھ جلانا مجھ کو

وصل کی آئی جھلک رنگ مسرّت کا چڑھا
نظر آتا ہے صبا وقت سُہانا مجھ کو

آہ مٹی مری برباد ہوئی جاتی ہے
اے صبا جھونکے میں مت لے کے اڑانا مجھ کو

موت آ جائے گی گر ہند میں مر جاؤں گی
اس کے کوچے میں مری جان بسانا مجھ کو

اس کا فرمان مجھے یاد ہے ہر دم واللہ
وقت پر بھولوں تو پھر آ کے بتانا مجھ کو

مست بے خود ہوں، نہیں، ہوش ذرا ہے باقی
درِ اقدس پہ شہا جلد بلانا مجھ کو

کیا وہ آئیں گے مرے گھر میں بتا دے ساقی
اُن کے رہنے کا بتا دینا ٹھکانا مجھ کو

وہ جھروکے سے ہمیں دیکھ کے کیا سمجھیں گے
برملا سامنے اِک بار دکھانا مجھ کو

کہتی اشرفؔ ہے ذرا اِس کی بھی سن لو صاحب
در بدر دیکھنا ٹھوکر نہ کھلانا مجھ کو

❀❀❀

اگر ہوا دن تو آہ و زاری جو رات آئی تو بے قراری
کوئی مرے یا جیے مری جاں تمہیں کسی کا خیال کیا ہے

یہ ہم نے مانا کہ ہو کے بے خود کہا تھا منصور نے انا الحق
مگر صد افسوس یہ نہ سمجھا کوئی کہ اس کا مآل کیا ہے

صبا نے بلبل سے جب یہ پوچھا سبب ہے کیا تیری بے کلی کا
تو گل کو حسرت سے دیکھ بولی کہ یہ تو ہے مہمان دو گھڑی کا

ہمارے ہادی، ہمارے رہبر نہ بھولو، نوکر کے ہوں برابر
بلا کے اشرؔف کو رکھ لو در پر ہٹے گی کیسے مجال کیا ہے

❁❁❁

فنا و بقا کا عجب ماجرا ہے مرے پیر و مرشد نے مجھ کو بتایا
نگاہوں میں جس روز سے تُو سمایا کسی کی جگہ اپنے دل میں نہ پایا

ہر اِک رنگ میں رنگ تیرا ہے پنہاں سفیدی کہیں اور کہیں نیلا پیلا
ترا جلوہ پانی کی لہروں میں دیکھا سنسان جنگل میں دیکھا بسیرا

چرند و پرندوں میں قدرت ہے تیری درندوں میں بھی تجھ کو پایا اکیلا
جوتُو ہے وہ مَیں ہوں، جومَیں ہوں وہ تُو ہے حسد میں تُو ہر اِک کے کرتا ہے پھیرا

تُو ہرجائی ہو کے نہیں مجھ سے ملتا، اکیلے میں بھی تُو نے گھونگھٹ نہ کھولا
کہوں راز کی بات کیا اپنے منہ سے، ہر اِک مولوی سُن کے بولے گا فتویٰ

❀❀❀

دیکھتی ہوں مَیں تجلّی اب برابر نُور کی
پاتی ہوں بے شک مَیں لذّت گھر کے اندر طُور کی

خود فنا ہو کر کے جو اللہ سے واصل ہوا
خوب وہ سمجھے گا باتیں سن لو بس منصور کی

ہے مجھے افسوس کیوں اُن کو چڑھایا دار پر!!
بس وہی انسان ہے جس کو بات سوجھے دُور کی

موت کی سب نیند سوئیں گے سنو اے یارِ من
جی اٹھیں گے یک صدا سن کر کے مُردے صُور کی

پایا ہے جب سے مزہ مَیں نے فنا فی اللہ کا
لگتی ہے ہر دم کلہاڑی ہڈی ہڈی چوُر کی

اشرفِ مسکیں کے دل کو بھا گئی اُن کی ادا
ایک دم الفت کو اُس نے سب کی، دل سے دُور کی

❀❀❀

ٹھمری

بزبانِ ہندی

مرے مادھو بن شامی بلا گیَو
موری ماتا پتا کو چھڑا گیَو

سوئی تھی مَیں اپنے مندر میں
موہے سوتی کو آ کے جگا گیَو

جنگل میں کیسے رہ گیَو
کاہے جھونپڑیا چھوا گیَو

لائے اکلی نہیں کوئی ساتھی
سکھیَن کو بچھڑائی گیَو

چادر اُڑھائے منہ چھپا کے
ہمکا اکیلی سُلائی گیَو

تختا لگا کے کواڑ جکڑا کے
اوپر سے مٹی ملائی گیَو

کب پیا آ کے کواڑ کھلوائے ہیں
دن نہیں ہم کا بتائی گیو

دکھا کے شبیہہ چھپا کے مُورتیا
اشرفؔ کو للچائی گیو

❀❀❀

غزل، ٹھُمری

موری کُسمی چنریا رنگا دے بلماں　　موری خالی پٹریا بھرا دے بلماں
چندری پہن ہم سُسرا میں جائے　　دیور سے بہت لجائے بلماں
نِرمل چندریا دیور نے بنائی تھی　　میکے میں تُم نے بگاڑی بلماں
سُسرا کے ہیں سب لوگ پرائے　　مورا بہت جیا گھبرائے بلماں
اشرفؔ کو تو کوئی جینھن ناہیں　　پہلے سے ہمکا چینھا دے بلماں

❀❀❀

نظم

حالاتِ عرب

عرب کا حال کیا لکھوں جگر شق ہوتا ہے میرا
کرم کر یاالٰہی آسرا رکھتی ہوں مَیں تیرا

مصیبت ہے مصیبت رنج و غم نے ہر طرف گھیرا
عرب چھُوٹا عجم چھُوٹا پڑا ہے شام میں ڈیرا

گرفتاری کیا مردوں کی بھیجا شام میں اُن کو
پڑی ہیں عورتیں یثرب میں ان کو رنج نے گھیرا

کیا وہ ظلم ناری نے کہ دل سن کر مرا ٹوٹا
جو عورت مرد سب بھاگے تو اُن کا مال و زر لوٹا

تباہی آ گئی اہلِ عرب پر ہائے کیا کہیے
خدایا رحم کر اب آسرا رکھتی ہوں مَیں تیرا

زیارت روضۂ اقدس کو وہ کرنے نہیں پاتے
تڑپتے لوٹتے ہیں اُن کو رنج و غم نے آ گھیرا

یہ اشرفؔ نیم جاں بے حد تڑپتی ہے کرم کر دے
خداوندا ہوں عورت آسرا رکھتی ہوں مَیں تیرا

❀❀❀

طوفان زلزلہ کے وقت

(1935ء)

ہے غضب میں کبریا بندوں کے بد اعمال سے
جان کر کرتے گنہہ ہیں بات بس مانی ہے یہ

لوطؑ کی اُمت پہ آیا تھا غضب بھونچال کا
زلزلہ کہتے ہو جس کو قہرِ ربانی ہے یہ

جان کر حکمِ خدا فرمان پر ملتی نہیں!
موت کو مت دُور جانو سخت نادانی ہے یہ

بوالہوس کہتے ہیں کہ دنیا اِسی کا نام ہے
لطف سے کرلیں بسر واں حوُریاں جانی ہے یہ

آزمایش کے لیے دنیا کو قائم کر دیا
کہتے ہو دنیا جسے سمجھو کہ بس فانی ہے یہ

حکم یہ قرآن میں رب نے سنایا ہے ہمیں
راضی تم رہنا رضا پر بات لاثانی ہے یہ

امتِ احمدؐ کا دعویٰ کرتے ہیں کس منہ سے ہم
بوالہوس ہیں خود غرض ہیں شکل پہچانی ہے یہ

جو صفت اُمت کی ہونی چاہیے ہم میں نہیں
ہیں مسلماں نام کے رب کی مہربانی ہے یہ

اشرفِؔ مسکیں سمجھ دنیا، ہوا کی ہے پتنگ
یاں کٹی واں جا لگی، بہتا ہوا پانی ہے یہ

❀❀❀

شمعِ حرم

ہزاروں عازمینِ حج جہازوں پر سوار آئے
جہاں اِک شمع روشن تھی وہاں پروانہ وار آئے

گریباں ہے نہ دامن ہے برہنہ سر برہنہ پا
جنونِ عشق کے مارے بھی کیا دیوانہ وار آئے

تعالی اللہ کیا دعوت تھی جس دعوت کے شیدائی
زبانوں پر لیے لبیک کی ہر دم پکار آئے

نہیں کچھ دخل ارادے کو نہ ہمت کو نہ کوشش کو
کشش تھی ایک مقناطیس کی بے اختیار آئے

بھلا وہ دل پڑے جس دل پہ دورہ دردِ الفت کا
سکوں کس طرح سے آئے اسے کیسے قرار آئے

وہ کپڑے اس حیاتِ دنیوی سے تھے جو وابستہ
اٹھائے ہاتھ کانوں تک اور اُن کو سب اتار آئے

متاعِ عقل و دانش جمع کی تھی مدتوں میں جو
وہ میقاتِ حرم پر عشق کی بازی میں ہار آئے

دل و جاں کی وہ دولت جو بہت پیاری رہی اب تک
خدا کے گھر میں پھر پھر کر وہیں پر اس کو وار آئے

گئے عرفات کو اور زیرِ سایہ جبلِ رحمت کے
خدا سے عفو خواہی کو بہ عجز و انکسار آئے

جو ڈالی رحمتِ باری نے خاک اُن کے گناہوں پر
تو چہروں اور بالوں پر لیے گرد و غبار آئے

وہاں سے چل کے مزدلفہ میں ٹھہرے ایک پوری شب
یہاں سے ہی لیے رحمت کے موتی در کنار آئے

منیٰ میں آ کے دیں قربانیاں پھر راہِ مولیٰ میں
براہمی نہج پر کر کے پھر رمی و جمار آئے

غرض جس جس جگہ نقشِ کفِ پائے نبیؐ دیکھا
وہیں آنکھیں بچھا کر بختیار و کام گار آئے

وہ اندازِ جنوں تھے یا کہ آدابِ ہنر مندی
نہ دیکھے جو خود آنکھوں سے اسے کیا اعتبار آئے

تحیّر کا وہ عالم تھا خشیت کی یہ حالت تھی
گئے تھے چشمِ حیراں لے کے واپس اشک بار آئے

وہ طوفاں کیف و مستی کا وہ بارش نورِ ایقاں کی
خدایا عمر میں میری پھر آئے بار بار آئے

❁❁❁

یہ دعا اپنی وفات سے ایک دن قبل
9 ستمبر 1949ء کو لکھی

خداوندا تصدّق مصطفےٰ کا
تصدّق مرتضیٰ مشکل کُشا کا

تصدّق پنجتن کا یا الٰہی
تُو کر دے دُور یہ میری تباہی

عمر گزری گناہوں میں ہماری
مرے رب ہے بڑی یہ شرم ساری

گھٹا غم کی خدایا چھا رہی ہے
اجل سر پر مرے منڈلا رہی ہے

تُو ہے غفار مولیٰ رحم کر دے
گنہگارِ حزیں کی شرم رکھ لے

عمر گزری گناہوں میں ہماری
مرے رب ہے بڑی یہ شرم ساری

نہیں اعمال بہتر ہیں ہمارے
یہ بیڑا پار ہو تیرے سہارے
ہماری آخرت با خیر ہووے
ہمیں جنت کی یارب سیر ہووے

عمر گزری گناہوں میں ہماری
مرے رب ہے بڑی یہ شرم ساری

نزع کے وقت پردہ دُور ہو جائے
محمدؐ کا نظارا خوب ہو جائے
تمنا دل کی ہے یارب ہماری
تُو پوری کر دے تو ہو گی رہائی

عمر گزری گناہوں میں ہماری
مرے رب ہے بڑی یہ شرم ساری

رسولِ پاکؐ کا دیدار ہو جائے
تو یہ جانِ حزیں قربان ہو جائے
ہماری جان جب تن سے جدا ہو
محمد مصطفیٰؐ پر بس فدا ہو

عمر گزری گناہوں میں ہماری
مرے رب ہے بڑی یہ شرم ساری

❀❀❀

حسن عبداللہ حسنؔ

پیدائش جنوری 1906ء

وفات 14 ستمبر 1946ء

حُسنِ حسن

• میٹرک 1922ء	گورنمنٹ انٹر میڈیٹ اسکول، جھانسی، یوپی
• انٹر 1924ء	گورنمنٹ انٹر میڈیٹ اسکول، جھانسی، یوپی
• بی اے 1927ء	سینٹ جانس کالج آگرہ، الٰہ آباد یونیورسٹی
• ایل ایل بی 1930ء	الٰہ آباد یونیورسٹی
• ایم اے 1938ء	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
• پی ایچ ڈی	اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز، لندن دوسری عالمی جنگ کے باعث علی گڑھ واپس آئے۔ یہاں بقیہ مقالہ مکمل کیا لیکن 14 ستمبر 1946ء کو انتقال ہوگیا اور ڈگری لینے لندن نہ جاسکے۔
• ملازمت	ایڈووکیٹ 38-1931ء تک بارہ بنکی اور غازی پور تدریس...... اِٹاوہ، اُستاد فارسی، اردو سینٹ جانس کالج آگرہ۔ اُستاد فارسی، اردو کنٹرولر اسٹیوارڈ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مطبوعات

☆ مثنوی فروغِ بزم یعنی جوہرِ مکنونِ شریعت 1941ء مطبوعہ: اختر پرنٹنگ ورکس، علی گڑھ

☆ مثنوی بادِ مخالف 1945ء بحیثیت اسٹیوارڈ مسلم یونیورسٹی

☆ مثنوی خدمتِ ماموره۔ 1942ء سیاستِ امین الامم، ملتِ اسلامیہ

مطبوعہ: ہندوستانی پریس، غازی پور

☆ نظم مجاہد جلسۂ عام میں پڑھنے پر حاضرین نے مجاہدِ ملت کا خطاب دیا۔

تقریبِ پذیرائی ''افکارِ حسن''

تصویروں کے آئینے میں

8اگست2007ء

تقریب پذیرائی

اپنے والد حسن عبداللہ مرحوم کنٹرولر واسٹیوارڈ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
پروفیسر فارسی و اُردو سینٹ جانس کالج آگرہ اور اٹاوہ،
جن کا انتقال صرف چالیس سال کی عمر میں ہوگیا تھا۔
رحلت کے آدھی صدی بعد میں نے اُن کا منتشر کلام
''افکارِ حسن'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔
اس کاوش کو اپنے نادیدہ والد کے حضور فرضی طور پر پیش کرنے کی
حقیقی تقریب میں آپ کی موجودگی کی خواہاں ہوں۔

جناب جمیل الدین عالی صدارت فرمائینگے۔

- اظہارِ خیال کیلئے جناب ذاکر علی خان علیگ جنہوں نے مرحوم کو دیکھا ہے
- پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنے تحریر کردہ خاکے کے ذریعے
- پروفیسر سحر انصاری ادبی نظر کے حوالے سے
- اشعر نور اکابرین اور اساتذہ کی آرا کے ساتھ
- محترم اقبال صدیقی فرزند رشید احمد صدیقی اپنی یادوں کے ساتھ تقریب میں موجود ہونگے۔

میں اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ آپ دوستوں کی منتظر ہونگی۔

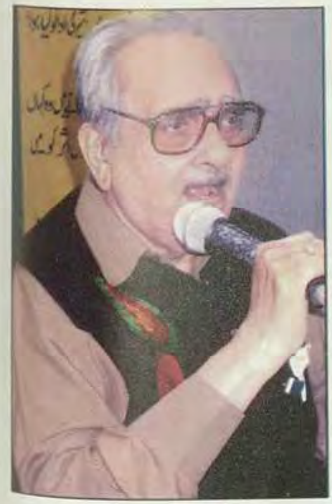
پروفیسر نوشابہ صدیقی

تاریخ بدھ 8 اگست 2007
وقت: پابندی کے ساتھ بعد نماز مغرب
مقام: آرٹس کونسل کراچی
فون: 5870600 - 0345-2131448

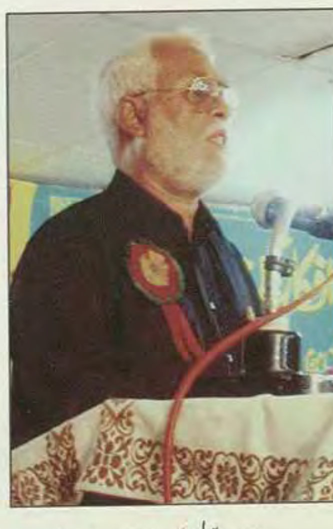
تقریبِ تعارف ۔ افکارِ حسن کے شرکاء



ذاکر علی خان



جمیل الدین عالی



حسن اسمٰعیل ولد حسن عبداللہ



ڈاکٹر فرمان فتح پوری

تقریب کے مقررین



دردانہ جلیل بنتِ حسن عبداللہ



نوشابہ صدیقی بنتِ حسن عبداللہ



اشعر نور نواسۂ حسن عبداللہ





نثار اختر اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری



تقریب کے شریک حسن مظفر ولد حسن عبداللہ



مہمانِ محترم ڈاکٹر اعجاز فاطمہ بنتِ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد مرحوم تقریب کے موقع پر



حسن عبداللہ فیملی کے چند افراد تقریب میں



سحر انصاری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اعجاز فاطمہ، دردانہ جلیل اور نوشابہ صدیقی



حاضرین اور فیملی ممبر

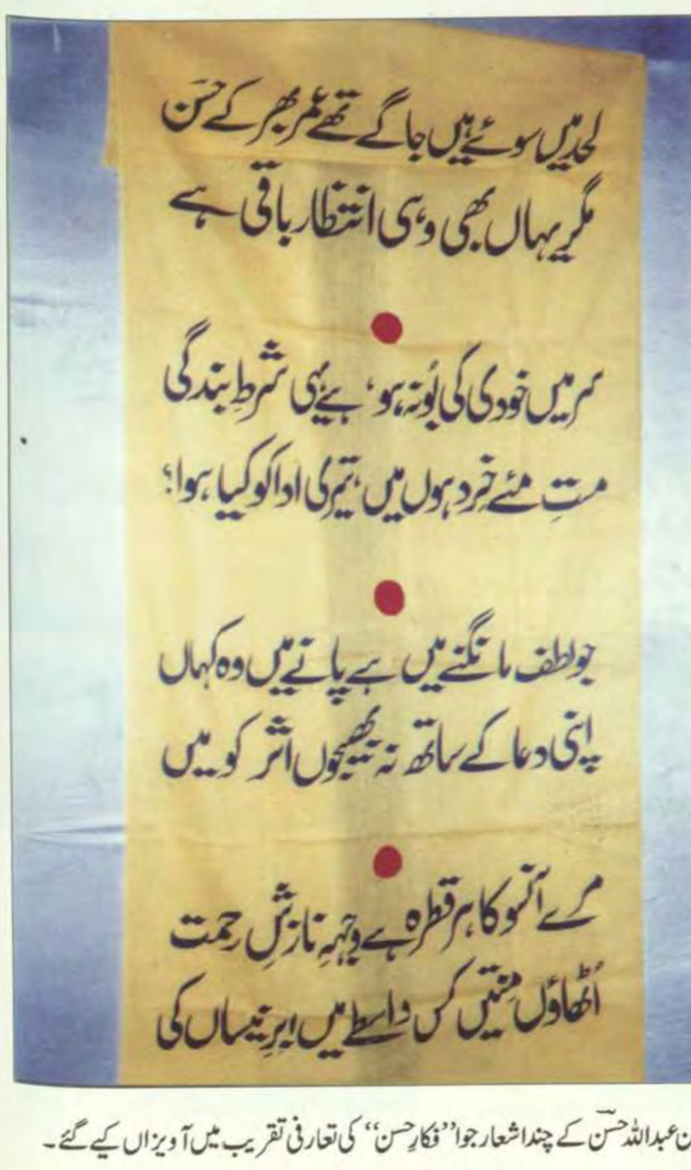
حسن عبداللہ مرحوم کے بڑے صاحبزادے حسن اختر نے ہجرت کے وقت جن کی عمر صرف 24 سال کی تھی، پاکستان آ کر ہر مہاجر کی طرح جدوجہد کی۔ اعلیٰ ملازمت کی اور آخر میں اپنا تمام وقت لکھنے لکھانے میں صرف کیا۔

آج تک انہوں نے تقریباً 27 کتابیں تحریر کی ہیں۔ اس کے علاوہ رسالہ اذان بھی نکالا۔ خصوصیت یہ ہے کہ اپنی تصانیف سے کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا اور عشقِ رسول ہی کو اپنا شعار بنایا۔

انہوں نے پانچ قرآن پاک اپنے ہاتھوں سے تحریر کیے۔



حسن اختر ولد حسن عبداللہ



حسن عبداللہ حسنؔ کے چند اشعار جو ''فکارِ حسن'' کی تعارفی تقریب میں آویزاں کیے گئے۔



حسن عبداللہ حسن

یہ تصویر 12 نومبر 1938ء کو آرٹ پورٹریٹس لمیٹڈ، لندن میں لی گئی۔

ہم زندگی کے واسطے مر جائیں گے حسنؔ
جب کوئی اور زیست کا ساماں نہ کر سکے

انتقال سے 14 دن قبل
30 اگست 1946ء

ترتیب

☆☆☆

پروفیسر رشید احمد صدیقی

حسن عبداللہ

بھونپو بے وقت بجا۔ دل دھک سے ہوگیا۔ حسن عبداللہ رحلت کر گئے۔ صرف چند لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ دفعتاً بیمار ہو گئے تھے ورنہ یونیورسٹی کے احاطہ میں کسی شخص کے ذہن میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ حسن عبداللہ کی وفات کا اعلان کیا گیا تھا یا کوئی مر سکتا تھا، سوا حسن عبداللہ کے، وہ ایسے کڑیل جوان تھے۔ جہاں ہوتے دور سے پتا لگ جاتا کہ حسن عبداللہ مصروفِ کار یا پیکار ہیں!

یونیورسٹی کے حال ہی میں ''اسٹیوارڈ'' مقرر ہوئے تھے، اس کام کے علاوہ یونیورسٹی میں رہدرسانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ اپنے اور دوسروں کے معلوم نہیں کتنے اور مشاغل اپنا رکھے تھے۔ یونیورسٹی میں کوئی تقریب ہونے والی ہو، دوسروں کے ہاں کوئی انتظام درپیش ہو، شہر میں کوئی جلسہ ہونے والا ہو، علی گڑھ سے باہر کوئی ہلچل یا ہمہمہ ہو، حسن عبداللہ کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی حیثیت سے پیش پیش رہتے۔ گفتگو سے، بحث مباحثے سے، ہاتھ پاؤں سے، شعر و شاعری سے، دل سے، دام سے، دوا دوِش سے، جسم و جان میں کس بلا کی تب و تاب تھی!

لمبے تڑنگے، خوش رو، خوش لباس، اکڑنے اور فروتنی دونوں میں یگانہ، نہ آہستہ بولتے تھے، نہ چپکے سے کام کرتے، ان کی زندگی کے ساز میں دھیما سُر کوئی تھا ہی نہیں، بڑے شریف گھرانے کے تنہا اُجالا تھے، اخلاق و وضع داری میں کھرے مشرقی۔ جس کو محبوب رکھتے اس کو کوئی نا ملائم کہے تو حسن عبداللہ کا رنگ متغیر ہو جاتا، پھر نہ وہ اپنا دیکھتے نہ پرایا، نہ چھوٹا نہ بڑا، نہ نیچ نہ اونچ، اپنے بس میں ہوتے نہ دوسروں کے، سنبھل جاتے تو قدموں پر سر رکھ دیتے!

میرے وہ شاگرد تھے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی ہی سے اُردو میں ایم۔ اے کیا تھا۔

پی۔ایچ۔ڈی کرنے لندن گئے۔لڑائی چھڑ گئی تو سلسلہ منقطع کر کے ہندوستان واپس آ گئے۔ گریجویٹ ہوتے ہی وکالت شروع کر دی تھی، لیکن ان کا دل اُردو لکھنے پڑھنے میں لگتا تھا۔کچھ دنوں آگرہ میں اُردو فارسی کے لکچرر رہے۔یہ سب ہوا اور ہوتا رہا، لیکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اُردو کا معلم بننے کا حوصلہ اور ولولہ دل سے نہ نکلا، کاش کسی نے ان کی وہ والہانہ تمنا دیکھی ہوتی جب وہ اپنے خاص اندازِ سپردگی میں کہتے تھے، رشید صاحب مجھے کچھ نہ چاہئے۔مجھے تو آپ شعبہ میں لے لیجئے، میں تنخواہ نہ لوں گا بلکہ کچھ اپنے پاس سے دوں گا۔مجھے میرے اللہ اور میرے ابا نے کھانے بھر کو دے رکھا ہے!

میں نے ان کو شعبہ میں لینے کی تحریک بھی کی، لیکن ہوا وہی جس کا اندیشہ تھا۔یونیورسٹی نے ان کو نہ چھوڑا۔لڑائی کے زمانے میں رسد رسانی کا جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس کو اس انہماک اور سر چکرا دینے والی ایمانداری سے کرتے تھے کہ یونیورسٹی کے حکام کے اس مقولے کا رد کرنا بھی آسان نہ تھا کہ اُردو لکچرر تو آج نہیں کل کوئی نہ کوئی مل جائے گا، حسن عبداللہ جیسا ایماندار میرِ ساماں نہ ملے گا۔یہ بات سچی اور پکی تھی۔ہم میں سے بڑے سے بڑے بے ایمان کا مقولہ تھا کہ حسن عبداللہ جیسا ایماندار کوئی اور نہ تھا!

حسن عبداللہ جذباتی تھے۔جتنا جلد چڑ جاتے اتنا ہی جلد من جاتے۔ہمیشہ چڑتے پہلے تھے منتے بعد میں تھے، اور جب من جاتے تو پھر آپ کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے۔ مولوی نذیر احمد نے (Explosive) کا ترجمہ بھک سے اُڑ جانے والا مادّہ لکھا ہے۔اس سے بڑھ کر شاید خود انگریزی کا لفظ بھی مفہوم کو ظاہر نہیں کرتا۔حسن عبداللہ کے بارے میں بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھک سے اُڑ جانے والے شخص تھے۔اس جلالی صفت کے بعد ان کی جمالی صفت آتی۔جب وہ منانے کے لیے پاؤں پکڑ لیتے۔معذرت کے سارے کلمات استعمال کر جاتے اور کام کر دیتے۔

میرے سامنے وہ سگریٹ نہ پیتے۔مَیں دفعتاً ان کے آفس میں پہنچ جاتا اور وہ سگریٹ پیتے ہوتے تو اسے مسل کر چھپا دیتے یا پھینک دیتے اور سروقد کھڑے ہو جاتے۔میں نے ان سے بارہا کہا کہ اس تکلف میں کچھ دھرا نہ تھا، اس سے مجھے آپ ہی سے نہیں، خود اپنے سے بیگانگی کا احساس ہونے

لگتا ہے اور یہ بات میرے لیے ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کو یہی اچھا لگتا ہے۔

میں نے ان کو دل جمعی سے آفس میں بیٹھے کبھی نہ پایا۔ کوئی موجود ہے تو اس سے ''بھڑے'' ہوئے ہیں۔ کوئی نہ ہو تو ٹیلی فون ہی پر کسی سے آداب تسلیمات یا مار دھاڑ میں مصروف ہیں۔ ٹیلی فون پر بھی بڑے زور اور دھماکے سے گفتگو کرتے۔ ایک دفعہ میں ان کے آفس پہنچا اور بولا، حسن صاحب ذرا لائبریری کو ٹیلی فون کرنا ہے۔ کہنے لگے ٹیلی فون خراب ہے۔ میں نے کہا جبھی تو آپ کے ہاں آیا ہوں۔ اٹنشن ہو گئے۔ اور یہ اس بات کا اعلان تھا کہ وہ نہ صرف ہر نامعلوم حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے بلکہ کہیں اور سے حملہ نہ ہوا تو خود حملہ کر بیٹھیں گے۔ بولے، یہ کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کی آواز بگڑے ہوئے ٹیلی فون پر بھی منزل مقصود تک پہنچ جائے گی اس لیے آپ سے درخواست کرنے آیا ہوں...... فوراً جیسے کمر کھول دی اور ہنس پڑے۔ کہنے لگے قبلہ آپ بھی غضب کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ۔ یہ ان کا بڑا منجھا ہوا فقرہ تھا، جو وہ خوشی میں بھی استعمال کرتے اور ناخوشی میں بھی!

اُمورِ شریعہ میں بڑے بے جھجک اور بے لچک تھے۔ انگلستان میں ٹیوب کے اسٹیشن پر اترے، سامنے زینہ۔ زینہ کے موڑ پر تھوڑی سی کشادہ جگہ تھی۔ آنے جانے والوں کا ریلا تھا۔ حسن صاحب کو نماز کا وقت یاد آ گیا۔ وہیں نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے، اِدھر کا مجمع اِدھر اور اُدھر کا اُدھر، گڑبڑ مچ گئی۔ پولیس سارجنٹ بلایا گیا اس نے پہلے تو کچھ غور کیا پھر کچھ کہا۔ یہ رکوع میں چلے گئے، وہ دو قدم پیچھے کھسک گئے۔ اس کے بعد سجدے میں چلے گئے تو اس نے سیٹی بجائی۔ یہ اُٹھ کھڑے ہوئے تو اُس نے ان کے دونوں شانوں کو جھنجوڑا۔ یہ نیت توڑ کر اس سے گتھ گئے۔ معاملہ پولیس کمشنر تک پہنچا، اس نے ان کو فہمائش کی کہ شارع عام راستہ چلنے کے لیے ہے، عبادت کے لیے نہیں، اور سارجنٹ کو تاکید کی کہ غیر ملکیوں کا بہر حال احترام کرنا چاہیے۔

یہ واقعہ آج کل کہیں ہندوستان میں ہو جاتا تو اللہ ہی جانتا ہے کیا کچھ نہ ہو جاتا!

شعر کہنے پر بلا کی قدرت تھی، غالبؔ کے دیوانے تھے۔ کیا مجال کوئی غالبؔ کو بُرا بھلا کہہ کر اُن کے سامنے یا ان کی گلی سے نکل جائے۔ تقریر کرنے میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اس کے پیچھے تو جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آگرہ کسی کام سے گئے تھے وہیں سے مرض الموت لائے۔

شدّت کا بخار چڑھا، ساتھ دست بھی آنے لگے۔ لوگوں نے ان کے اعزاز میں جلسہ کر دیا تھا، دوستوں نے بہتیرا سمجھایا کہ موقع تقریر کرنے کا نہ تھا، آرام کرنے کا تھا۔ بالآخر طے پایا کہ صرف معذرت کر کے چلے آئیں گے۔ معذرت کرنے کھڑے ہوئے تو 2½ گھنٹے دھواں دھار تقریر کر ڈالی۔ نڈھال ہو گئے۔ بالآخر علی گڑھ لائے گئے۔ حالت بگڑ چکی تھی لیکن دوڑ دھوپ، علاج معالجے سے طبیعت سنبھل گئی، اور لوگوں کو یک گونہ اطمینان ہو چلا تھا کہ مرض پر قابو پا لیا گیا ہے۔ لیکن وقت پورا ہو چکا تھا۔ دفعتاً طبیعت نے پلٹا کھایا اور اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں پہنچ گئے۔

یونیورسٹی میں غلے کی فراہمی اور رسد رسانی کا پہلے پہل انتظام مرحوم کے سپرد ہوا تو کیا دیکھتا ہوں ایک دن اپنے بہترین سوٹ میں ملبوس چلے آ رہے ہیں۔ میں دیکھ کر مسکرایا تو چونکتے سے ہو گئے۔ پوچھنے لگے بات کیا ہے، قبلہ آپ کا مسکرانا خالی از علت نہیں۔ میں نے کہا، کوئی بات نہیں، دل خوش ہو گیا، اس زمانے میں کسی کو اچھے لباس میں دیکھ کر یوں بھی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ آپ نے اپنے لیے کپڑے کا انتظام کر ڈالا تو میرے لیے غلہ کی بھی یقیناً فکر رکھیں گے۔ تنک گئے اور بولے، حضور والا یہ سوٹ میں نے انگلستان میں سلوایا تھا، میں اسے عمداً پہن کر آیا ہوں اور اپنے دوسرے کپڑے بھی جلد جلد پہن کر دکھا دوں گا تا کہ لوگ کبھی اور دیکھیں تو یہ خیال نہ کریں کہ میں نے یونیورسٹی کا روپیہ کھا کر یہ سب بنوایا ہے، اور قبلہ...... (اب حسن صاحب تیز ہونے لگے تھے) میں نے فلاں صاحب کو اپنا بینک کا حساب بھی دکھا دیا ہے کہ اتنی رقم میری اپنی ہے تا کہ آگے چل کر چہ میگوئیاں نہ شروع ہو جائیں۔ میں سنجیدہ بن گیا، اور حسن عبداللہ صاحب کو ان کی عاقبت بینی پر مبارک باد دی۔ ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ حسن صاحب اللہ آپ کی مدد فرمائے لیکن آپ کے قیمتی کپڑوں اور بینک میں بچت کی میزان کے بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کپڑے منگنی کے ہوں۔ رہی بچت سو یہ بھی تو ناممکن نہیں ہے کہ آپ نے کسی سے قرض لے کر دکھا دیا ہو۔ حسن صاحب برس پڑے، کہنے لگے قبلہ اللہ کے واسطے مجھ پر رحم کیجیے۔ کچھ اور کہنے والے تھے کہ میں ہنس پڑا اور وہ سمجھ گئے اور خود بھی ہنسنے لگے۔ بولے، قبلہ آپ کی ان ہی باتوں سے تو میں آپ کے سامنے سگریٹ نہیں پیتا۔ ماشاء اللہ، جزاک اللہ۔ میں نے کہا اچھا کرتے ہیں کہ سگریٹ نہیں پیتے، لیکن احتیاطاً عقیدت میں کبھی کبھی عقل کا کھوٹ بھی ملاتے رہیے، ورنہ کچھ اور پینے لگیے گا!

پچھلے رمضان میں وائس چانسلر صاحب کے ہاں کچھ لوگ افطار پر مدعو تھے۔ افطار سے پہلے بعض اہم کاموں سے متعلق مشورہ بھی تھا، مرحوم بھی مدعو تھے، لیکن ابھی پہنچے نہ تھے۔ میٹنگ ہو رہی تھی، اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب نے حسن صاحب کی ایک فروگذاشت یاد کرکے برہمی کا اظہار کیا اور بار بار کیا۔ بات کوئی ایسی نہ تھی، لیکن جو چیز عجیب سی نظر آئی وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب اس معاملے کو رہ رہ کر یاد کرتے اور برہم ہوتے، حالانکہ حسن عبداللہ کو موصوف بے حد عزیز رکھتے تھے اور مرحوم بھی ڈاکٹر صاحب کے فدائیوں میں تھے۔ میرا دل بے اختیار چاہا کہ کاش اس وقت حسن عبداللہ آ جاتے۔ عجیب اتفاق کہ حسن صاحب آ موجود ہوئے، سارا کام چھوڑ کر ڈاکٹر صاحب نے مواخذہ کرنا شروع کر دیا۔ پہلے تو حسن صاحب اسے معمولی بات سمجھتے رہے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں سنبھل بیٹھے۔ حاضرین میں قاضی خورشید احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی علیگ ریاضی کے مشہور ماہر بھی تھے جو حال ہی میں یو پی کے محکمہ تعلیم سے ریٹائر ہو کر علی گڑھ آئے تھے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں مقیم تھے، قاضی صاحب کی زبان میں تھوڑی سی لکنت بھی ہے جو قاضی صاحب کے بخشنے میں اکثر بڑا لطف پیدا کر دیتی ہے۔ جو لوگ قاضی صاحب کی ذہانت وفطانت سے واقف ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے مواقع پر قاضی صاحب کی موجودگی کیا رنگ لا سکتی تھی۔ حسن عبداللہ صاحب نے جواب دہی شروع کی، ہر شخص خاموش تھا، صرف قاضی صاحب کبھی کبھی سر ہلا دیا کرتے تھے۔ مباحثہ میں گرمی آ چلی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی طلبی دفعتاً ٹیلی فون پر ہوئی۔ اب مطلع صاف تھا، حسن عبداللہ نے قاضی صاحب کی طرف رُخ کیا اور گرج کر بولے اور تو اور آپ کو دیکھیے کس مزے سے گردن ہلاتے تھے۔ قاضی صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے کہ لکنت مانع آئی۔ مَیں نے کہا حسن صاحب آپ سمجھے نہیں، قاضی صاحب تو آپ کی حمایت میں گردن ہلاتے تھے۔ قاضی صاحب نے سٹپٹا کر تنکے کا سہارا لیا، اور بولے اور نہیں تو کیا! حسن عبداللہ اب جو گرجے ہیں تو زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا! قاضی صاحب کی محفل اور مجمع میں بند ہونے والے لوگوں میں نہ تھے لیکن اس موقع پر ایسے زچ ہوئے کہ سب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ حسن صاحب نے اسی جوش وجلال میں سائیکل اُٹھائی اور چل دیے۔ ہم سب نے بہتیرا پکارا کہ افطار کرتے جایئے، لیکن کون سنتا ہے!

کئی دن بعد ملاقات ہوئی تو ہنسنے لگے۔ بولے قبلہ، آپ نے خواہ مخواہ مجھے قاضی صاحب سے بھڑا دیا، آپ کا تو کچھ نہ بگڑا، روزے کی جھلاہٹ کی مجھے قاضی صاحب سے معافی مانگنی پڑی۔

مرحوم بڑے دوست پرست تھے۔ ان کے بہت سے احباب چھوٹی چھوٹی جگہوں پر تھے، لیکن وہ ان کی خاطر اور ان کی حمایت میں بڑے سے بڑے آدمی سے نبرد آزما ہونے کے لیے فوراً سر بکف ہو جاتے۔ وہ جس کو اچھا یا اپنا محسن سمجھتے تھے اس کے خلاف کبھی کچھ نہ کرتے، بلکہ اکثر بے محل اور بے جا پاسداری پر اُتر آتے تھے، اس سے نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ ادنیٰ کارروائی پر آمادہ کیے جاسکتے تھے۔ یا ان کی سیرت میں کوئی بنیادی خامی تھی۔ وہ جذباتی آدمی تھے، جذباتی آدمی بالعموم مخلص ہوتا ہے، اس کے دل میں کھوٹ کپٹ کا بڑی مشکل سے گزر ہوتا ہے۔ طبعاً وہ عوام کے آدمی تھے اور چھوٹوں کی حمایت میں بڑے سے بڑے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مجھے ان کی یہ ادا بہت بھاتی تھی!

میرا وہ بہت خیال کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر میرے دل میں شگفتگی اور اعتماد پیدا ہو جاتا تھا۔ اور جس شخص کو دیکھ کر میرے دل کی یہ حالت ہوتی ہے اس کے مرنے کا مجھے بڑا غم ہوتا ہے، لیکن اس غم کا مقابلہ اس غم سے کیسے کروں، اور کون کرسکتا ہے جو مرحوم کے بوڑھے باپ، بوڑھی ماں، بھائی پر فدا ہونے والی بہنوں، نیک نفس بیوی اور معصوم بچوں کا ہوگا۔ ایسوں کا غم، اور ایسا غم اس رحمتِ بیکراں کی طرف سے مغفرت کی بشارت ہے، جس کے جوار میں مرحوم پہنچ گئے! میں کچھ ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہوں۔

(پروفیسر رشید احمد صدیقی کی کتاب ''گنج ہائے گرانمایہ'' سے لیا گیا)

❑

تذکرۂ مشاہیرِ غازی پور
(تالیف: عزیز الحسن صدیقی)
سے اقتباس......
(صفحہ 199)

تذکرۂ مشاہیرِ غازی پور...... تالیف عزیز الحسن صدیقی غازی پوری نے کی ہے۔ اس کی طباعت غالباً جنوری 1996ء میں عمل میں آئی ہے اور اس کا نسخہ جو فوٹو کاپی کی شکل میں ہے، مجھ تک جون 2011ء میں پہنچا ہے جبکہ مَیں نے اپنے ابا جان مرحوم کا گمشدہ کلام اگست 2007ء میں "افکارِ حسنؔ" کے نام سے شائع کر لیا تھا۔

> "مولوی حسن عبداللہ بن حاجی مولوی ابوالحسن نے ابتدائی تعلیم مہتمم مدرسۂ دینیہ مولانا عمر فاروق سے حاصل کی تھی۔ مولانا مرحوم سے انہیں بے حد عقیدت تھی اور مولانا نے بھی ان کی تعلیم و تربیت پر بہت توجہ دی تھی۔ انہوں نے وکالت کا امتحان بھی پاس کیا تھا۔ وہ اس میدان کے آدمی نہ تھے۔ اس پیشے میں جب تک رہے اپنا مالی نقصان ہی کرتے رہے اور اکثر مقدموں میں فریقین کی صلح کرا دیا کرتے تھے۔ بڑے باصلاحیت اور ذی استعداد آدمی تھے۔ دل میں قومی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

مدرسۂ دینیہ سے تعلق اور استادِ شفیق سے عقیدت کا پتہ اس بات سے لگتا ہے کہ 1936ء میں مدرسۂ دینیہ کے سالانہ جلسہ میں خطبۂ صدارت ان ہی نے پڑھا۔ ان کا نکاح مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے پڑھایا تھا اور انہوں نے دین مہر بوقتِ نکاح ادا کر دیا تھا۔ مرحوم نے بہت کم عمر پائی۔ ستمبر 1946ء میں بمقام علی گڑھ انتقال ہوا اور مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔"

❑

عرض ہے

مَیں نے جب "افکارِ حسنؔ" 2007ء میں مرتّب کی، اس وقت کچھ چیزیں جو میری دسترس میں نہیں تھیں وہ چھپنے سے رہ گئی تھیں۔ اور کچھ ایسی چیزیں جو میرے ہی پاس تھیں اور اس قدر حفاظت سے رکھی تھیں کہ اس موقع پر نہیں مل سکیں، مثلاً شادی کا وہ دعوت نامہ جو میرے دادا کی جانب سے چھپا تھا جبکہ میرے نانا کی جانب سے چھپا ہوا دعوت نامہ جو فارسی زبان میں تحریر تھا وہ مَیں نے "افکارِ حسنؔ" میں شامل کر لیا تھا۔

اب اس کتاب میں مَیں، اُن دنوں (1927ء) میں شائع ہونے والے اخبار "مشرق" کی خبر اور سہرے کے ساتھ دونوں دعوت نامے شامل کر رہی ہوں۔ یوں دونوں دعوت نامے، شادی کا پُر لطف قصہ، سہرے اور خود میرے ابّا کی لکھی ہوئی نظم ایک ساتھ شائع کر کے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے گویا یہ شادی اب ہر پہلو سے مکمل ہو گئی ہے۔

مگر ہر موقع کی تاریخ نکالنے والا شخص اپنی شادی کی تاریخ یوں نکالتا ہے۔

"ہر شام شبِ برات ہو ہر صبح صبحِ عید"

وہ یہ نہ جان سکا کہ صرف 19 برس قائم رہنے والی یہ شادی ان کے اپنے بچوں کے لئے نہ شبِ برات ہو گی نہ صبحِ عید کی مانند کہ وہ اپنی تمام زندگی صرف یتیمی کی صبح اور یتیمی کی شام میں گزاریں گے۔

نوٹ:۔

دو صفحات پر مشتمل ''مشرق'' نمبر 64 جلد 21 بتاریخ 5 دسمبر 1927ء میرے پاس تہہ کیا ہوا مدت سے محفوظ ہے۔ اس کی 16 تہیں ہیں اور وہ اس قدر بوسیدہ ہیں کہ انہیں جوڑ کر پڑھنے میں مجھے بے انتہا احتیاط کرنی پڑی۔ نہیں معلوم یہ ہفت روزہ ہے یا پندرہ روزہ۔ یہ کتنے صفحات پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ کس ادارے سے چھپتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر کون تھے اور مقامِ اشاعت کہاں تھا۔ اس کے اگلے پچھلے صفحات مجھ تک نہیں پہنچ سکے۔ ان صفحات پر میرے اباّ کی شادی کی دلچسپ روداد شائع ہوئی۔ دو شعرا کے تین عدد سہرے بھی چھپے۔ تیسرا گنگا جمنی سہرا صفحات کے دوسری طرف تھا جس کے بیشتر حروف معدوم ہو چکے ہیں اور پڑھنے میں مشکلات کا سامنا رہا۔ پھر وہ کلام زیادہ تر فارسی پر مبنی ہے جسے میں درست انداز میں اتار نہیں پائی مگر ہاں مجھے یہ افسوس ضرور ہے کہ میری دادی نے جو مدح میرے اباّ کے نکاح پر لکھی اور جس کا ذکر اس میں موجود بھی ہے، وہ صفحات اس میں سے غائب ہیں۔ ہاں پچھلی سمت میں روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر معروف صحافی مولانا ظفر علی خان کے لیے بڑے اچھے الفاظ میں خبر چھپی ہے اور اہلِ پنجاب سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ ان کی بات غور سے سنیں، عمل کریں اور ان کی عظمت کی قدر کریں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''مشرق'' پورے برِ صغیر کی خبریں چھاپتا تھا اور اس کا رجحان دین کی طرف واضح تھا۔

نوشابہ صدیقی

نانا کی طرف سے
حسن عبداللہ کی شادی کا دعوت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چمن چمن ستایش بہار آفرینے را کہ ریاحین رنگا رنگ انواع عالم
درچار چمن عناصر بیک نسیم کن شگفانیدہ وگلشن گلشن نوراباں بربنی زندش نخلبند گلستان نبوت را کہ
جیب و دامن جہانیاں را بگلہای مرادات دوعالم بہتر از چمن در بہار گردانیدہ سپس شادمانی را صلا کر
باہتزاز باد بہاری عنایات باری درخیابان یازدہم جمادی الاول ۱۳۴۶ھ اطراف روش روز دوشنبہ
مطابق ۷ نومبر ۲۷ء نخل تقریب تاریخ عقد نکاح صبیۂ این احقر البریہ بر شگفتہ نظارت نگاہ آرزو شدہ
شکر این موہبت را مجلسے تشریف بزرگان وعزیزان تراج دعای نکو سرانجامی باد ع
بیا کہ فرش رہت چشم خانہ آبادی ست ٭ بیا کہ آمدنت غازۂ رخ شادی ست المکلف

بندہ احقر سید علی ظفر از سلیم پور

(C.R.U.)

دادا کی طرف سے
حسن عبداللہ کی شادی کا دعوت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منقبت نعت بعد حمد باشد — بر دل ما چو نور باشد حمد
اے محمد علی سیتس پرسان — عرض پیش اعزہ و خلان
نور عینین من ابوالحسن است — آنکہ روح و روان و جان من است
ہمراہ لخت قلب و نور نگاہ — ہست ہر گونہ نیک عبداللہ
کدخدائیش را بود ساماں — وز جناب شما است این ارمان
زینت محفل و برات شوند — بہر ما قدوہ سمات شوند
بشنوند از عروس این خبر است — دختر سید علی ظفر است
از جمادی اولین دہ ہست — بہر محفل چو حامی اللہ ہست
یازدہ را روان برات شود — از بھتیا سیلیم پور رود
ششم و ہفتم از نومبر گیر — روز یکشنبہ و دوشنبہ پذیر
سال ہجری زبہر این ساماں — سیزدہ صد بہ شش چہل میدان
عیسوی سال نوزدہ صد است — بیش ازان بست ہشت ہم ہفتاست

ہر کہ عزت فزائے ما باشد
خوش بہر حال دائما باشد

تفصیل ایام متعلق شادی نور دیدہ حسن عبداللہ سلمہ اللہ

دعوت محفل بمقام بیتیا بروز یکشنبہ بتاریخ ۶ر نومبر ۱۹۲۷ء
مطابق ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ

روانگی برات براہ شہر غازیپور بروز دوشنبہ بتاریخ ۷ر نومبر
مطابق ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ۔

واپسی برات براہ شہر غازیپور بروز سہ شنبہ بتاریخ ۸ر نومبر
مطابق ۱۲۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ۔

دعوت ولیمہ بمقام بیتیا بروز چہار شنبہ بتاریخ ۹ر نومبر مطابق
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ۔

الداعی

محمد علی عفی عنہ موضع بیتیا
پرگنہ شادی آباد
ضلع غازیپور

بہ یادگار شادیٔ خود 9 نومبر 1927ء

ماں باپ کی مراد اعزّا کا فخرِ عین
سہرا ہے سر پہ تیرے یہ کتنا حسنؔ سعید

خوش باش و زندہ باد سدا ہے یہی دعا
کثرت ہو آل و مال کی لطفِ خدا مزید

تاریخ پوچھی مَیں نے تو ہاتف نے یہ کہا
کہ چاہتے ہیں گر وہ درِ عیش کی کلید

اعدؔا بھی کد نکال کے دل سے پکار اٹھیں
24
ہر شام شبِ برات ہو ہر صبحِ عید

24 - 1951 = 1927ء

☆☆☆

ایک پُر لطف شرعی شادی کا ذِکرِ خیر

(مشرق نمبر 64 جلد 21 مورخہ 5 دسمبر 1927ء)

7 نومبر 1927ء کو ہمارے مکرم دوست مولوی حاجی ابوالحسن صاحب انسپکٹر تعلیمات مدارس قسمت گورکھ پور، رئیس پہتیا ضلع غازی پور کے صاحبزادے کی تقریبِ شادی تھی۔ برات حاجی سیّد علی ظفر صاحب رئیس سلیم پور متصل یوسف پور، محمد آباد ضلع غازی پور گئی تھی۔ باوجودیکہ مولوی ابوالحسن صاحب نے باستثناء اعزائے خاص اپنے کسی دوست کو نوید نہیں بھیجی تھی، جناب مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ سے اور جناب خان صاحب مولوی محمد مثنیٰ صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر محمد آباد، ضلع اعظم گڑھ سے باقتضائے خلوص ومحبتِ خاص پہتیا تشریف لائے اور تقریب میں شریک ہوئے۔ اعزا کی ایک معقول تعداد شرکتِ تقریب کے لئے مجتمع تھی۔

پہتیا ضلع غازی پور کا ایک گاؤں ہے جو غازی پور سے چار کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ دو کوس تک تو پختہ سڑک ہے۔ دو کوس خاص خام سڑک ہے جو اس قدر ناہموار ونشیب وفراز سے پُر ہے کہ اکّے بھی بہ مشکل وہاں تک جاتے ہیں۔ لیکن یہ جناب مولوی ابوالحسن صاحب اور ان کے والدِ ماجد حاجی مولوی حافظ محمد علی صاحب کی خوش انتظامی تھی اور تصرفِ خاص کہ ہفتوں موٹر لاریاں ان کے دولت خانے تک دوڑتی پھرتی تھیں۔ چنانچہ برات بھی سلیم پور تک جو پہتیا سے دس کوس ہے، آٹھ دس موٹر لاریوں کے ذریعے سے گئی اور آئی۔ کھانے پینے کے انتظامات

قاضی محمد احمد صاحب مختار کلکٹر غازی پور و رئیسِ چوکیا کے ہاتھ میں تھے۔ ان کی یہ خصوصیتِ خاص تھی کہ باوجود دوڈھائی سو مہمانوں کی موجودگی کے بلا کسی قسم کے شور وغل کے اوقاتِ مقررہ پر ہر شخص کو چار روز ناشتہ و کھانا پہنچتا رہا۔ کسی کو ذرّہ بھر شکایت کی نوبت نہ آئی۔ انتہائی الوالعزمی و فراخدلی سے سب کی مدارات و مہمان نوازی ہوئی۔

مہمانوں کی آمد 5، 6 نومبر سے جاری تھی۔ سات نومبر کو چار بجے دن کو برات پہتیا سے روانہ ہو کر ساڑھے چھ بجے شام کو سلیم پور پہنچی۔ وہاں حاجی علی ظفر صاحب کی جانب سے بھی مہمانوں کی ضیافت و مدارات کا وسیع پیمانے پر خاص اہتمام رہا۔ عمدہ سے عمدہ کھانے اور ناشتے مہمانوں کے سامنے پیش کئے گئے۔ انعقادِ تقریب سے پہلے حسن عبداللہ صاحب بی اے، صاحبزادہ مولوی حاجی ابوالحسن صاحب نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی تھی کہ خاندان کے دیگر ممبروں کا دین مہر چودہ ہزار عموماً ہے۔ مَیں مراعات چاہتا ہوں۔ پہلے سے حاجی علی ظفر صاحب سے طے کر لیا جائے کہ مہر شرعی قرار دیا جائے۔ چنانچہ ابوالحسن صاحب نے ان کو اطلاع دی۔ اس پر حاجی علی ظفر صاحب نے یہ جواب دیا کہ مَیں آپ کو مختارِ مجاز کرتا ہوں۔ آپ خود ہی جو فیصلہ فرمائیں گے مجھے اس سے اختلاف نہ ہوگا۔ اس کے بعد معاملہ پردۂ اخفا میں رہا۔ کسی کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا آخری رائے قرار پائی۔ حتیٰ کہ خطبۂ نکاح میں نوشے کے چچا مولوی محمد یحییٰ صاحب بیرسٹرایٹ لاء جج ریاست گوالیار نے یہ مسئلہ سب کے روبرو پیش کیا۔ اس وقت مولوی ابوالحسن نے اپنی دریادلی اور پابندیٔ شریعت کا یہ ثبوت علی رؤس الاشتاہ پیش فرمایا کہ چودہ ہزار کے پرامیسری نوٹ دین مہر میں ادا کرنے کے لئے صاحبزادے کے سامنے رکھ دیئے اور فرمایا کہ مثل دیگر ممبران خاندان کے تم بھی بہ کشادہ پیشانی اس تعداد مہر کو قبول کر کے اسی وقت ادا کر دو۔ اس تقریب کا یہ ایسا طرۂ امتیاز ہے جس کی مثال اپنے اقران و ماثل تو کیا ہم نے تو بڑے بڑے دولت مند و پابندِ شریعت خاندانوں میں بھی نہیں دیکھی۔ ہر شخص اس اولوالعزمی کا مدّاح و ثناء خواں تھا۔ اس کے ساتھ ہی صاحبزادے نے اپنی سعادت مندی و حوصلہ مندی کا یہ اظہار کیا کہ آبدیدہ اور متاثر ہو کر یہ کہا کہ ابا جان آپ اس رقم کو اٹھا لیجئے۔ مَیں انشاءاللہ اپنے ہاتھوں اور اپنی کمائی سے اس رقم کو ادا کر دوں گا۔ بہر حال یہ ایسی مثال ہے کہ جس کی نظیر تلاش سے بھی نہیں مل سکتی۔ بعد نکاح

مولوی حاجی شیخ محمد صاحب المتخلص شیخ کا سہرا اور نوشاہ صاحب کی والدہ ماجدہ کی تصنیف مبارکباد پڑھی گئی جو اپنی نوعیت میں ایک خاص اثر رکھتی تھی۔ اس کے بعد انجم صاحب شاعر غازی پور کا گنگا جمنی سہرا بزبانِ اُردو فارسی پڑھا گیا۔

خان صاحب مولوی شیخ محمد صاحب کے سہرے کے متعلق ایک تحریر جناب اثیم ترمذی کی آئی ہے۔ ہم اسے بھی پیش کرتے ہیں۔

❑

سہرا

عزیزی حسن عبداللہ خلف الصدق مولوی حاجی ابوالحسن صاحب انسپکٹر مدارس، رئیس پہتیا، ضلع غازی پور

از خان صاحب مولوی شیخ محمد صاحب،
اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اوّل، گورکھ پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابرِ رحمت بنا ترا سہرا — کہ تہِ چرخ چھا گیا سہرا
دے رہا ہے مجھے مزا سہرا — لے رہا ہے مری دعا سہرا

زندگی بخش ہے ترا سہرا — موجِ آبِ بقا ہے یا سہرا
مل کے زلفوں سے اُڑ چلا سہرا — پا گیا شہپرِ ہما سہرا

جب سے سر پر ترے چڑھا سہرا — ہم سرِ زلف بن گیا سہرا
رہنمائے رہِ خدا سہرا — ہے حق آگاہ و حق نما سہرا

خلق عالم کا واسطہ سہرا — دلِ آدم کا مدعا سہرا
جاں فزا ہو اگر مسیح بنائیں — رشتۂ عمرِ خضر کا سہرا

رات کو والقمر ہے وِردِ زباں　　دن کو پڑھتا ہے والضحیٰ سہرا
نئے نقشے کرے گا پیشِ نظر　　نئی صورت دکھائے گا سہرا

نگہِ شوق کے ہجوم سے ہے　　سہرے پر تیرے دوسرا سہرا
شانِ اللہ حسن ہے تیرا　　اور ہے قدرتِ خدا سہرا

رات کو ماہ تھا نگاہوں میں　　دن کو خورشید بن گیا سہرا
ہے نسیم آپ مروحہ جنباں☆　　جھلے رخ پر نہ پنکھیا سہرا

آنکھ سے میری دیکھتا ہے تجھے　　پردہ ہے میری آنکھ کا سہرا
کوئی دیکھے ہمارے حسن کا اوج　　بن گیا سایۂ ہما سہرا

نظر آتی ہے حسن کی صورت　　حسن رخ کا ہے آئینا سہرا
چٹکیاں جب نگاہِ شوق نے لیں　　مثلِ دل کے تڑپ اٹھا سہرا

کون دل کو بچائے گا ان سے　　دل ربا زلف دل ربا سہرا
زلف قربان تیرے سہرے پر　　ہے تری زلف پر فدا سہرا

لوٹ ہے تیرے پھول سے رخ پر　　موجِ بادِ بہار کا سہرا
جب حسینوں نے بزم میں گایا　　دے گیا اور ہی مزا سہرا

تھی تمنا جناب قاریؔ☆ کو　　دیکھیں اس نونہال کا سہرا
کیوں نہ دل آپ کا ہو شاد کہ ہے　　آپ کے دل کا مدعا سہرا

ہو مبارک ابوالحسن کو شیخ
آج عبداللہ کا سہرا

☆☆☆

☆ دستی پنکھے کی طرح ہلکورے لینا
☆ دادا حافظ محمد علی قاریؔ

گنگا جمنی سہرا

جنابِ انجم غازی پوری کا زورِ قلم

مصحفِ رخ پہ کھلا خوب منوّر سہرا
سورۂ نور کی تفسیر سراسر سہرا

لائی مالن ہے جو پھولوں کا معطر سہرا
گلشنِ عیش و طرب کا ہے گلِ تر سہرا

رخِ روشن کی چمک سے ہے منوّر سہرا
سہرا پھولوں کا ہے یا نور کی چادر سہرا

زیب دیتا ہے بہت چاند سے منہ پر سہرا
دیکھتے ہیں نگہِ شوق سے اختر سہرا

کہکشاں سہرے کی لڑیاں ہیں رخِ روشن پر
آسمانِ مہ و خورشید ہے گز بھر سہرا

مرحبا طرّۂ دستارِ حسن عبداللہ
حبّذا غیرتِ سلکِ دُر و گوہر سہرا

رنگِ اخلاص میں ڈوبے ہیں جوانانِ چمن
گاتے ہیں سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

لہریں لیتا ہے بہت بحرِ طرب جوش میں ہے
لطف ہے لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

نور افزا ہے نظر نورِ نظر کا چہرہ
سرمۂ چشم پہ رہے یہ منوّر سہرا

زیبِ رخسار بھی ہے طرّۂ دستار بھی ہے
کلیوں سے پھول بنا پھولوں سے زیور سہرا

بوئے گل آئی ہے گلشن سے پئے نظارہ
دیکھتی ہے رخِ رنگیں کو ہٹا کر سہرا

لڑیاں موتی کی ہوں قربان وہ سہرے کی جھلک
موتیوں کا کوئی دریا ہے سراسر سہرا

سطحِ افلاک سے اونچی ہے زمیں سہرے کی — اوجِ معنی سے ہوا عرش کا ہم سر سہرا
دل ربا سہرے کی لڑیاں ہیں ذرا دیکھو تو — گہنا پھولوں کا ہے یا حسن کا زیور سہرا

بارک اللہ عجب آج خوشی کا دن ہے — اچھے نوشاہ مبارک ترے سر پر سہرا
لبِ گل پہ ہے رنگِ تبسّم کی بہار — بلبلیں گائیں گی اب پھولوں سے مل کر سہرا

نور آنکھوں کا ہوا اور سرورِ دل بھی — پہنچا کس طرح دماغوں میں مہک کر سہرا
غالبؔ و ذوقؔ بھی آئے ہیں زہے اوجِ سخن — شعرا سنتے ہیں کہتے ہیں سخن ور سہرا

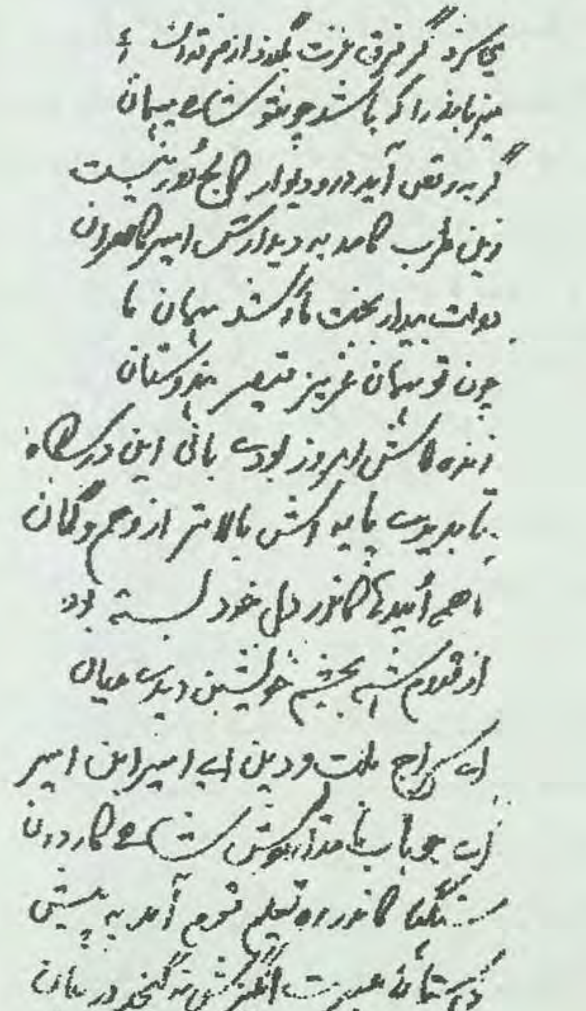
چاریاروں کے ہو سایہ میں حسن عبداللہ — بوالحسن اغی علی کی بنے چادر سہرا
فتح و فیروزی و اقبال و ظفر سایہ فگن — دامنِ آلِ عبا کا رہے سر پر سہرا

نغمۂ بلبلِ رنگیں کہ مبارک باشد — بہر بارانِ خدا بہر پیمبرؐ سہرا
حوریاں رقص کناں شورِ مبارک بر لب — طرّۂ حسن ز بس بر سرِ دلبر سہرا

پُر کند دامنِ دل راز دُرِ عیش و نشاط
صورتِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

☆☆☆

نمونہ فارسی کلام حسن عبداللہ کی اپنی تحریر میں



قصه کوته جهل عمرو آتشش کالبا در خاک بود
جهل سی ای گوش شنید تا بازآورد از دوزخ آتشش رفته
دولت بغداد نه بود، حامی این درگاه
گوشش بانی همه بر باد رفته بی گمان
شکر الله کز معانی برخواست آن جنگ و خلاف
جمله بر لب شعر بر اعراد این کالج میان
عاقبت مقبول کالج بدین غایت رسید
تربیتگاه غریبان گشت آن درگاه شبان
شکر این اہل نوازی [illegible] که در عین خویشتن
اہل کالج را فزودی آبرو و عز و شان
گر نویسد بارہ خوان بنیست یار امید علم
ور بگوید اغوی ترا زان نیست بس رزبان
پس چه آن بهتر که گردد بر دعا ختم سخن
زانکه باید جز دعا خواجه ازما بندگان
تا ز تعلیم است و تلقین دهر دو دنیا افروغ
تا بود بود کعبه [illegible] با علم و عمل نظم جهان

ملت افغان ز تدبیر تو اندر علم و فن

گوئے سبقت بُردہ باد از جملہ ابنائے زمانہ

آن چنان کز نوعِ جود در زادہ و لاثقت بر تر گشت

همچنان در علم و حکمت باد افغان از جهان

تا بود خیر و صلاح خلق در صلح و توافق

تا خیالِ دوستی پایه آورد است و افغان

اتحاد دولت هند و خداداد امیر

باد مستحکم بسان اتحاد جسم و جان

☆☆☆

فارسی کلام جدید خطِ نستعلیق میں

می سر ز گر فرق عزت بگذرد از مرقدان
میزبانے را کہ باشد چونتو شاھے مہمان

گر بہ رقص آید در و دیوارِ کالج دُور نیست
زین طرب کامد بہ دیدارش امیرِ کامران

دولتِ بیدار بخت ما کہ شد مہمان ما
چون تو مہمانِ عزیزِ قیصرِ ہندوستان

زندہ کاش امروز بودے بانی این درسگاہ
تا بدیدے پایہ اش بالاتر از وہم و گمان

تاہمہ امید ہائے کاندر دل خود بستہ بود
از قدومِ شہہ بچشمِ خویش دیدے عیاں

اے سراجِ ملت و دین اے امیر ابن امیر
اے جو بابِ نامدار خویش شاھے کار دان

سنگہا کاندر رہِ تعلیم قوم آمد بہ پیش
داستان عبرت انگیزش نہ گنجد در بیان

قصہ کوتہ جہل و دانش سالہا در جنگ بود
جہل می کو شید تا نگزارد از دانش نشان

دولت ہذار نہ بودے حامی ایں درسگاہ
کوشش بانی ہمہ برباد رفتے بے گمان

شکر اللہ کزمیاں برخواست آں جنگ و خلاف
جملہ بربستند بر امداد ایں کالج میان

عاقبت مقبولی کالج بدیں غایت رسید
تربیت گاہِ غریباں شد گزر گاہِ شہان

شکر این کہتر نوازی کز قدزم خویشتن
اہلِ کالج را افزودی آبرو و عز و شان

گر نویسد پارۂ نوان نیست یا رائے قلم
در بگوید اند کے زاں نیست یزوے زباں

پس ہماں بہتر کہ کردد بر دعا ختمِ سخن
ز انکہ ناید جز دعائے خواجہ از ما بندگان

تا ز تعلیم سمت و تلقینِ دین و دنیا را فراغ
تا بود وابستہ با علم و عمل نظمِ جہان

ملت افغان ز تدبیر تواند ز علم و فن
گوئے سبقت بُردہ باد از جملہ ابنائے امان

آن چنان کز نوع خود در زور و طاقت برتر است
ہم چناں در علم و حکمت باد ممتاز از جہان

تا بود خیر و صلاح خلق در صلح و وفاق
تا نہال دوستی بارآور در امن و امان

اتحاد دولتِ ہند و خداداد امیر
باد مستحکم بسانِ اتحادِ جسم و جان

☆☆☆

خطبۂ صدارت

جس کو

مولوی حسن عبداللہ صاحب

ایڈووکیٹ غازی پور

نے

مدرسۂ دینیہ اسلامیہ غازی پور کے

اوّل جلسۂ سالانہ میں

بہ حیثیت

صدر استقبالیہ کمیٹی

بتاریخ 15 فروری 1936ء

پڑھا

352

خطبۂ صدارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمائے کرام اور معزز حاضرینِ جلسہ

مَیں کوئی مولوی، عالم یا واعظ نہیں ہوں اور نہ آپ حضرات کا زیادہ وقت لوں گا۔ مجھ کو کارکنانِ مدرسۂ دینیہ نے استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے واجب التعظیم علمائے کرام کا خیر مقدم کرنے کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ اگر مَیں یہ کہوں کہ انہوں نے انتخاب غلط کیا تو یہ میرے لئے شاید لائقِ تعزیر ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ مجھ سے بہتر افراد اس کام کے لئے غازی پور میں کم نہ تھے اور مَیں خود کو اس عزت افزائی کا مستحق نہیں سمجھتا۔ مَیں نے گریز بھی بہت کیا لیکن میرے انکار اور موصوفین کے اصرار کی آخر کوئی حد بھی ہونی تھی۔ چاروناچار، بالآخر مجھے خاموشی کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑا۔

آپ حضرات خوب واقف ہیں کہ غازی پور میں چند سال قبل تک عظیم الشان جلسے ہر سال ہوا کرتے تھے جن میں ہمارے بہترین تقار اور واعظین شرکت فرماتے تھے اور کم از کم کچھ دنوں کے لئے ایک تازہ اسلامی روح ہم میں پھونک جاتے تھے۔ ہمارے برادرانِ وطن ان موقعوں پر اپنے شکوک بھی رفع کرلیا کرتے تھے اور ہمیں بھی اپنے مذہب کی خوبیاں نظر آجایا کرتی تھیں لیکن افسوس ہے کہ چند سال سے وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب ہمیں مدرسۂ دینیہ کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ اس کے کارکنان نے پھر اس نیک تبلیغی کام کی انجام دہی کا بیڑا اوٹھایا ہے اور ایسے باکمال محققینِ علمِ دینیات کو زحمت دی ہے کہ وہ آکر ہمیں ہمارے مذہب سے آگاہ کریں اور ہمارے مُردہ دلوں کو تازگی بخشیں۔ ہم ان معزز مہمانوں کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ

اعتراف ہے کہ ہم اونکی اپنے خاطر خواہ اور انکے شایانِ شان میزبانی سے قاصر ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم کو یہ قوی توقع رکھنی چاہئے کہ یہ فخرِ قوم وملت حضرات ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہم سے بددل نہ ہوں گے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر سال اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہمارے مذہبی جلسوں کو زینت بخشیں گے اور ہماری حوصلہ افزائی کریں گے اور خود بھی ماجور ہوں گے۔

گر قدم رنجہ کنی جانبِ کاشانۂ ما رشکِ فردوس شود از قدمت خانۂ ما

حضرات آپ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں مختصراً اس قسم کے نیک جلسوں کی آپ کے سامنے ضرورت پیش کردوں۔ غالباً ہم میں سے کوئی اس سے منکر نہ ہوگا کہ تبلیغ ہمارا ایک بہت بڑا مذہبی فرض ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تبلیغ کے معنی ہم میں اکثر افراد صرف اس قدر سمجھتے ہیں کہ اسلام کے محاسن غیر مذاہب کے افراد کے سامنے پیش کئے جائیں اور اونہیں اسلام کی دعوت دی جاوے اور تبلیغ کے معنی ہیں بھی یہی۔ لیکن میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کے عقائد کی اصلاح دوسروں کو دعوتِ اسلام دینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ بہر حال اس میں حُجت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ مبارک جلسے نہ صرف برادرانِ وطن کو قبولِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں بلکہ ہمارے خیالات اور عقائد کی صحت بھی کرتے ہیں۔ ہمارے فخرِ قوم نوجوانان جنھوں نے اعلیٰ تعلیمات حاصل کرلی ہیں اور اعلیٰ مدارج پر پہونچ گئے اور اونکے عقائدِ مذہبی کی نسبت کچھ کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ تفصیل میں وقت زیادہ صرف ہوگا اس لئے میں ایک مثال پر جو کوئی فرضی لطیفہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، ماکتفا کرتا ہوں۔ میرے ایک ہندو دوست نے میری موجودگی میں ایک مسلمان صاحب سے جو بفضلہٖ ایک اچھے عہدے پر ممتاز ہیں، سورۃ الحمد شریف کے معنی دریافت کئے اور افسوس ہے کہ میرے معزز دوست اس سے بالکل قاصر رہے۔ بعد ازاں فرشتوں کے وجود، جنّت و دوزخ کی حقیقت، معراجِ نبویؐ وغیرہ کی بابت موصوف نے اپنے عقائد اس طرح بیان فرمائے اور ایسی ایسی تاویلات پیش کیں کہ جس سے یہ صاف ظاہر تھا کہ حضرت مانتے تو سب کچھ تھے لیکن کچھ اس طرح پر کہ نہ ماننا میرے نزدیک اس سے بہتر تھا۔ میں نے کچھ اپنا اظہارِ خیال چاہا تو انہوں نے جھنجھلا کر یہ فرمایا کہ یہ سب باتیں بہت پرانی ہیں اور نئی

زمانہ 20th Century یعنی بیسوی صدی عیسوی میں جب ہر شخص مذہب کی تحقیقات میں مصروف ہے،ہم کو اپنے خیالات کی اصلاح کرنی ضروری ہے۔ مجھے بیساختہ ہنسی آ گئی اور مَیں نے یہ کہہ کر سلسلۂ گفتگو کو بخوفِ بدمزگی ختم کر دیا کہ موصوف کی رائے میں اسلام گویا ایک صرف وقتی مذہب تھا جو نعوذ باللہ داعیٔ مذہب کے وقت کے بعد پرانا ہو گیا اور اب اس میں وقت اور ضروریات کے اعتبار سے اصلاح یا بہ الفاظ دیگر تخریب کی ضرورت ہے اور اس کام کے لئے موصوف مصلحِ قوم کے عہدہ پر سرفراز ہوئے ہیں۔

ملک میں ہر طرف صدائیں بلند ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی حالت سدھارنی چاہئے اور ہر شخص بجائے خود ایک مصلحِ قوم بننا چاہتا ہے اور روز ایک نئی طرزِ عمل اختراع کرتا ہے لیکن اس وقت تک مجھ کو ہر اسکیم ناکامیاب نظر آتی ہے جب تک انفرادی حیثیت سے ہر شخص اپنی اصلاح خود نہ کرے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ ہم میں جب تک قوم کی اصلاح کا خبط اپنی اصلاح پر مقدم رہا، اوس وقت تک تمام کوششیں رائیگاں ہیں۔ غرض یہ ہے کہ بہت ضروری ہے کہ اسلام کی حقیقت کم از کم سال میں ایک بار تو ہم پر آشکار ہو جائے اور سال میں ایک بار تو ہم خدا کے پیارے حبیبؐ کی اچھی تعلیم سن لیں تا کہ ہم میں سے جو لوگ ختم اللہ علیٰ قلوبھم ......الخ، کی مصداق نہیں ہیں اونکی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنی صحیح معنوں میں اصلاح کر سکیں۔

حضرات میرا پختہ اور مستحکم خیال ہے کہ موجودہ طرزِ تعلیم میں قصور ہے۔ ہم اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بہترین اسناد لیتے ہیں اور اُفقِ عالم پر مانندِ خورشیدِ درخشاں چمکتے بھی ہیں۔ ہر کہ ومہ ہماری عزت کرتا ہے اور ہمارا شمار تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو تربیت، صحیح تربیت ہم میں مفقود ہوتی ہے۔ ہم میں تربیت کا فقدان ہونا یقیناً ہمارے تعلیم کے نقص پر دلالت کرتا ہے۔ کامیاب تربیت میرے نزدیک وہ ہے جو انسان کی روح میں حلول کر کے اس میں ایک تازگی اور آراستگی پیدا کر دے۔ اور علماء کرام اگر آپ اُن سے استدعا کریں تو آپ کی تشفی کر دیں گے کہ اسلامی تعلیم بے شک مکمل تعلیم ہے جو فی الحقیقت انسان کو انسان بنا سکتی ہے۔ یہ اسلام ہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ دنیاوی عزوجاہ بھی بدرجۂ اتم اسلام کے شیدائیوں کے قدم چومتا تھا۔ تربیت تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اچھی تعلیم کا نتیجہ اچھی تربیت ہوگی۔ انسان کی

ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ارادوں میں استقامت اور استقلال ہو اور خارجی اثرات یا حوادث اس کے عزم بالجزم کو جنبش نہ دے سکیں، وہ رائے قائم کرنے میں تعجیل نہ کرے، تامل سے کام لے لیکن رائے قائم کر لینے پر مشکل سے بدلے۔ مگر کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں اس قسم کی تربیت دی جاتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے نوجوان یورپ کی کورانہ تقلید کر کے اپنی شخصیت اور قومیت کو فنا نہ کر دیتے۔ ہاں۔ ہم نے انگریزی پڑھی اچھا کیا۔ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ علم مومن کی گم شدہ چیز ہے اسے جہاں پائے لے لے اور حالی نے اسے خوب نظم کیا ہے۔ ؎

کہ حکمت کو اِک گم شدہ لال سمجھو جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

علم کوئی علم ہو اسے حاصل کرنا بہت بہتر ہے اور ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی اسلامی تعلیم، تہذیب، تاریخ، روایات اور عقائد کو فراموش کر دیں۔ بقول سر اقبال ؎

علمِ حاضر ہی پڑھا زائرِ لندن بھی ہوئے
مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ نشیمن بھی ہوئے
حال ان کا مئے نو اور زبوں کرتی ہے
شبِ مہ سایہ کی ظلمت کو فزوں کرتی ہے

اگر ہم نے جملہ علوم و فنون حاصل کئے اور بہترین ترقی بھی کی تو ہماری ترقی سے مسلمانوں کا جی کیا خوش ہوا۔ مزا تو جب تھا کہ ہم مسلمان رہ کر ترقی کے زینوں پر چڑھتے۔ تب البتہ قوم ہم پر ناز کرتی اور ہم قوم کے ہونہار فرزند ہونے پر فخر کرتے تو بے جا نہ ہوتا۔

حضرات، ہر قوم کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ اپنی مذہبی زبان اور مذہبی علوم کو نہ صرف محفوظ رکھے

بلکہ تعلیم وتدریس اور تالیف اور تصنیف کے ذریعہ سے اون کوترقی دے۔ عربی ہماری مذہبی بلکہ قومی زبان ہے۔ اس کے علاوہ آج بھی وہ ایک زندہ زبان ہے اور علمی حیثیت سے بھی وہ ایک بہت بلند پایہ زبان ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر ایسے ملک اور ہر شہر اور ہر قریہ میں جہاں مسلمان آباد ہیں ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے جو اپنی زندگی عربی زبان اور مذہبی علوم کیلئے وقف کردے۔ ہم نہایت مسرت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں ایسی درسگاہیں بکثرت موجود ہیں جو اس جماعت کو زندہ رکھتی ہیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا غازی پور بھی اس قسم کی دو درسگاہوں پر ناز کرسکتا ہے جو اس کام کو آپ حضرات کی اعانت سے بقدرِ استطاعت بخوبی انجام دے رہی ہیں۔ ایک مدرسہ چشمۂ رحمت ہے اور جو تقریباً ستر پچھتر برس سے غازی پور کی شرم رکھے ہوئے ہے اور دوسرا مدرسۂ دینیہ ہے جو نسبتاً چند روز کا بچہ ہے جس نے ابھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔ ہم کارکنانِ مدرسۂ دینیہ کی جدوجہد کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے آپ حضرات کی مدد اور توجہ سے مدرسۂ دینیہ کو بھی اس قابل بنادیا ہے کہ غازی پور اگر اوس پر ناز کرے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہماری دعا ہے کہ خدا ان دونوں درسگاہوں کو روزافزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ سے استدعا ہے کہ آپ دامے درمے قدمے قلمے ہر طرح ان دونوں درسگاہوں کی امداد فرماتے رہئے۔ تاکہ غازی پور کی اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی آبرو قائم رہے۔

من نہ گویم کہ این مکن آں کن　　　مصلحت بین و کار آساں کن

ان درسگاہوں کا حال دیگر مدارس کے مقابلہ میں بہت سقیم ہے۔ اور آپ حضرات کا یہ فرضِ عین ہے کہ جس سے جو ہوسکے اور جس طرح بن پڑے انکی امداد میں کوتاہی نہ فرمائیں۔ (رباعی)

آنکہ بہ محنت بہم آوردی گنج　　　دانی کہ بود قافیۂ گنج تو رنج
تا چند کشی رنج حفاظت چوں مار　　　درمنفعتِ خلق بکن صرف و مرنج

اب خاتمۂ کلام پر میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے بہت سمع خراشی کی اور آپ کو علمائے کرام کے وعظ سے لطف اندوز ہونے سے تادیر باز رکھا لیکن بمصداق

ع شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

بات میں بات نکلتی گئی اور مَیں سلسلۂ کلام ختم نہ کرسکا۔ مَیں بالخصوص اپنے نوجوان دوستوں سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ میری اس بیبا کی اور دریدہ دہنی پر مجھ کو معاف فرمائیں گے۔ لیکن اتنا بھی عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نصیحت جس کسی کے بھی منہ سے نکلے اوس پر آپ کو غور کرنا اور اس کو سننا سمجھنا اور اگر اس قابل ہو تو اوس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔ بلالحاظ اسکے کہ نصیحت کرنیوالا کون ہے اور کیا ہے۔

اُنظُر اِلیٰ ماقالَ وَلاَ تَنظُر اِلیٰ مَن قالَ

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر ہر آنچہ ناصح مشفق بگویدت بپذیر

ناچیز

حسن عبداللہ حسنؔ

15 فروری 1936ء

❑

در مطبع انجم پریس غازیپور باہتمام جناب ذاکر حسین صاحب انجم
طبع یافت

ایک خط......

(اپنے شمسی نامی کسی دوست کے نام)

حسن منزل، غازی پور

17 جنوری 1942ء

مکرمی زاد عنایتہٗ وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ مورخہ 10 جنوری موصول ہوکر باعثِ افتخار و مسرّت ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح و تندرست رکھے اور فائز المرام فرمائے۔ آمین ثمہ آمین۔

حضرت مَیں کیا اور میری سخن فہمی کیا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اچھا کلام بہت سُنا اور اچھی صحبت بہت کافی اُٹھائی ہے اور کچھ گھوم پھر کے دنیا بھی تھوڑی بہت دیکھ لی ہے۔ اور یہ سخن سنجوں کی ''صحبت'' کا ''فیضان'' ہے کہ کچھ تھوڑا بہت خود بھی سمجھنے لگا ہوں۔ فی زمانہ میرا یہ تھوڑا سمجھ لینا بھی بہت معلوم ہوتا اس لئے کہ واقعی جیسا آپ نے فرمایا ہے کہ سامعین میں سخن سنجی مفقود، شعرا بھی حشرات الارض کی طرح چپہ چپہ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں اور اونکی تعداد روز افزوں ہے لیکن باقتضائے مذاقِ سامعین، ان کا مذاق اس درجہ پست اور لغو ہوگیا ہے کہ معاذ اللہ۔ ایسی فضا میں کسی معقول پسند اور سلجھے ہوئے مذاق کے شاعر کو چشم و گوش ہمیشہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر قسمت سے کوئی ایسا شاعر مل جاتا ہے تو جی یہی چاہتا ہے کہ اوسکی حقیقی داد جس کا وہ مستحق ہے دی جائے جس کو وہ بھی تحسینِ ناشناس سے الگ ایک سچی داد سمجھے۔ آپ کے اشعار میں جذبات اور خلوص کے علاوہ بندشِ الفاظ کا بھی لطف تھا۔ کوئی نشستِ الفاظ کی داد دے سکے یا نہ دے سکے لیکن آپ کے

خلوص نے ''ہر کس'' و ''ناکس'' سے یکساں، دادِ سخن لے ہی لی۔

مَیں تنقیص کے خیال سے نہیں کہتا بلکہ موازنہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ ''علامہ سروش'' کے پاس کیا تھا۔ الفاظ کا طمطراق اور نیم خواب آنکھوں کے ساتھ ترنم۔ یہی تھی اونکی کل کائنات۔ تشبیہات سے غلو کے درجہ تک اُن کا لگاؤ حُسنِ شعری سے قبح شعری تک اس لطیف صنعت کو پہونچا چکا ہے۔ پھر جہاں دس میں پانچ تشبیہات برمحل اور بے ساختہ ہیں وہاں بقیہ بالکل بے لگاؤ، بے محل، غلط اور بے معنی ہوتی ہیں۔ اور بعض تو ایک مسلمان کے کانوں پر آرہ کشی بھی کر جاتی ہیں۔ مثلاً ایک کمسن دوشیزہ کا ایک عمر رسیدہ کی آغوش میں ہونا سیکڑوں تشبیہات سے ادا کیا گیا ہے اور ان میں سے ایک تشبیہہ یہ تھی۔

''اِک اہرمن کا سینۂ یزداں پہ داغ تھا''

نعوذ باالله من ذالک۔ اس کے علاوہ شاید آپ کو خیال ہو کہ اِنہیں سروشؔ صاحب نے ''عِفریت'' کو بالضم ''عُفریت'' پڑھا تھا جو محض غلط ہے۔ صحیح لفظ عفریت بالکسر ہے نہ کہ عُفریت بالضم۔ شعر یہ تھا۔

عفریتِ اجل اپنا دہن کھول رہے ہیں
میزان میں انسان کا لہو تول رہے ہیں

یہ تو صرف ایک مثال ہے جو ذہن میں محفوظ ہے۔ اسے مشتے نمونہ از خروارے سمجھئے۔ ایسی غلطیاں بے شمار ملیں گی۔ بہرحال لمبی لمبی نظمیں جن میں تشبیہات اور شکوہِ الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، ایسے شعرا سے سننے میں آتی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ایک نوخیز اور ذہین شاعر مضمون آفرینی اور خلوصِ جذبات سے کام لے کر ''سیاسی'' یا اخلاقی نظم سنا جائے تو کیوں نہ دل پر ایک گہرا اثر پیدا ہو۔ مَیں بلا تصنع گزارش کرتا ہوں کہ آپ کے کلام کی صفائی، سادگی اور روانی ماشاالله لائقِ تحسین ہے اور پھر اس پر آپ کا خلوص آپ کے کلام کو دل نشین بنا دیتا ہے۔

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

آمین ثمہ آمین۔

اس سلسلہ میں مجھے جو کچھ گزارش کرنا ہے اُسے عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ کہ ''سیاسی'' نظموں میں ''سرمایہ داری'' اور ''غلامی'' کے خلاف جو جہادِ زمانہ ہو رہا ہے وہ میرے نقطۂ نظر سے شاہراہِ اسلام سے دور جا پڑا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ سرمایہ داری بھی ایک لعنت ہے اور غلامی بھی اس سے کچھ کم لعنت نہیں ہے لیکن سرمایہ داری کے خلاف جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ بالشویزم اور کمیونزم کے اصولوں کو مدِنظر رکھ کر کہا جا رہا ہے نہ کہ اسلامی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وتروزقُ مَن تَشَاءُ بغیرِ حساب'' یعنی ''مَیں جس کو چاہتا ہوں بے حساب روزی دیتا ہوں''۔ پھر اگر کسی انسان کے پاس بے حساب دولت ہو جو ایک اعلیٰ درجہ کی نعمتِ الٰہی ہے تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس پر تبرّا کہے اور اوسکے خلاف جہاد کرے۔ اگر یہ دولت مند جملہ حقوق جو اس پر واجب کئے گئے ہیں اور جن کی تصریح قرآن میں جابجا موجود ہے، پورے کرتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ دیتا ہے، صدقہ دیتا ہے، قربیٰ، یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل اور پڑوسی کی حاجت برآری کرتا ہے، حج کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس سے بہتر اور اس سے زیادہ مبارک کوئی انسان نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور قارون صفت ہے، اپنے اندوختہ کی افزونی کے لئے جیتا اور مرتا ہے تو ضرور وہ مردود اور قابلِ نفرین و ملامت ہے اور اس کے لئے قرآن میں وَیۡلٌ لِّکُلِّ☆ کی سورت موجود ہے اور بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اگر مجاہدینِ سرمایہ داری اس فرق کو ملحوظ رکھیں تو تبلیغِ اسلامی اور اصلاحِ سوسائٹی میں بڑی مدد ملے۔ اور ان کا یہ جہاد ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہو جائے۔ اسی طرح غلامی بھی اس وقت تک غلامی نہیں ہے جب تک کہ مذہب آزاد رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اہلِ قریش کے جور و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کو حبش کی طرح ہجرتِ اول کا حکم دیا۔ مسلمان وہاں گئے اور عیسائی حکومت کے زیرِ سایہ امن سے رہے۔ فتحِ مکہ کے بعد بھی اکثر ان میں سے غلامی چھوڑ کر آزادی کی طرف واپس نہیں ہوئے۔ اور چونکہ حبش میں ان کا مذہب آزاد تھا۔ انہوں نے اس عیسائی حکمران کی غلامی کو غلامی نہ سمجھا۔ ہر موقع پر حبش کے نجاشی بادشاہ کے معین و مددگار رہے۔

☆ سورۃ الھمزہ (104)

مسلمانوں نے مشرق سے مغرب تک ساری دنیا فتح کی لیکن حبش کے احسان کا بدلہ یوں دیا کہ ادھر کا کبھی رخ نہ کیا اور جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قوت رہی کسی اور کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ حبش پر لشکر کشی کرتا۔ اور کل کی بات ہے جب اٹلی نے جو خود بھی ایک عیسائی حکومت ہے حبش پر حملہ کر کے اسے فتح کیا اور نجاشی بادشاہ جلاوطن ہوا۔ اوسوقت کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جس پر اس کا خاص اثر نہ ہوا ہو۔ گھر گھر ماتم ہوا اور دنیا کے ہر گوشے سے اٹلی کے خلاف صدائیں اٹھیں۔ پھر وہی نجاشی بادشاہ اپنے ملک میں واپس آیا اور سب کو اسکے واپس آنے پر اطمینان ہوا۔ آج دنیا کی کوئی Dynasty ایسی نہیں ہے جو مسلسل دو ہزار برس سے حکمران ہو۔ یہ یقیناً اسی احسان کا نتیجہ ہے جو حبش کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں پر اس وقت کیا تھا جب کہ مسلمانوں کا کوئی سرپرست نہ تھا۔ آج وہاں نوّے 90 فصدی آبادی مسلمانوں کی ہے اور وہ چاہتے تو کب کا اس ملک کا تختہ الٹ گیا ہوتا۔ لیکن هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ o کے مصداق مسلمانوں نے وہاں غلامی میں رہنا پسند کیا لیکن ناسپاسی کا بدنما داغ اپنی پیشانی پر لینا مناسب نہ جانا۔

اسی قسم کی ایک چیز ''وطن'' بھی ہے جو ''سیاسی'' نظموں میں بہت سراہا جاتا ہے حالانکہ اسلام Universal brotherhood کا حامی ہے اور اسلام کا سنگِ بنیاد اسی اخوت کے جذبہ پر رکھا گیا ہے۔ اس میں رنگ اور نسل اور مقام کے امتیازات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ساری دنیا اسلام کا وطن ہے۔ اسلام رب العالمین کا بھیجا ہوا اور رحمت اللعالمینؐ کا لایا ہوا مذہب ہے۔ اور یہی دنیا نہیں بلکہ ساری دنیاؤں کے باشندے جو اس مذہب کو قبول کر لیں ایک ہی برادری کے افراد ہو جاتے ہیں۔ وطنیت اس جذبہ کے منافی ہے۔ بقول اقبال ؎

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
جمعیتِ اقوام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

مَیں نے آپ کا بہت سا عزیز وقت لیا۔ آپ مجھے معاف کیجئے گا۔ بہرحال جو دل میں تھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا مطلب اتنی خامہ فرسائی سے اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ مَیں آپ جیسے ہونہار شاعر کو ایک مسلمان شاعر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور میری تمنا ہے کہ آپ جو کچھ دیکھیں اسلامی عینک لگا

کر دیکھیں اور جو کچھ نظم فرمائیں تبلیغی نقطۂ نظر سے فرمائیں۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ تعصب کے گناہ میں مبتلا ہوں۔ رواداری کے مسلک کو ہرگز نہ چھوڑیئے۔ مگر پھر بھی اپنا مخاطب مسلمانوں کو کیجیے اور انہیں اسلامی روشنی میں سیاست اور اخلاق کا درس دیجیے۔ اور غیر مسلمانوں کو دعوت دیجیے کہ وہ اسلام کو سمجھیں۔ اسلام کا سورج وہ سورج ہے جو سمک سے سما تک ہر چیز پر پرتو افگن ہے۔ اور ہر چیز اپنی اصلی حالت میں اسی وقت دیکھی جا سکتی ہے جب دیکھنے والا سورج کی روشنی میں اسے دیکھے۔ ورنہ

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور مَیں چاہتا ہوں کہ میرا شمسی☆ جو کچھ دیکھے اسلامی شمسِ لازوال ہی کی روشنی میں دیکھے اور آپ کا یہ شعر ؎

چمن میں کس نے آ کر ''روئے تاباں'' سے نقاب الٹی
خزاں بھی بے خودی میں چیخ اٹھی، وہ بہار آئی

بہت خوب ہے۔ اور آپ نے پردہ پردہ میں بہت کچھ کہہ ڈالا ہے۔ پھر بھی تغزل کی لطافت کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ گستاخی معاف ہو تو میرا بھی یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔ مَیں نے نعتِ رسولؐ کے خیال کو یوں نظم کیا ہے ؎

خزاں دیدہ چمن میں وہ شمیمِ جانفزا آئی
کہ صورت ہی بدل دی جس نے تقدیرِ گلستاں کی

باقی آئندہ۔

والسلام
خادم
حسن عبداللہ

☐

☆ شمسی...... پورا نام معلوم نہیں

حسن عبداللہ حسنؔ
کے خوبصورت شکستہ اسلوبِ تحریر کا عکس

۷۸۶

حسن منزل، [illegible]
۱۷ فروری [illegible]

مکرمی زاد عنایتہٗ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ مورخہ [illegible] موصول ہو کر باعث افتخار و مسرت ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپکو صحیح و تندرست رکھے اور فائز المرام فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت میں کیا اور میری سخن فہمی کیا البتہ یہ ضرور ہے کہ اچھا کلام بہت شوق سے سنتا ہوں اور اچھی صحبت بھی ملی [illegible] اور کچھ گھوم پھر کے دنیا بھی تھوڑی بہت دیکھ لی ہے۔ اور یہ سخن سنجوں کی صحبت کا فیضان ہے کہ کچھ تھوڑا بہت شعر بھی سمجھنے لگا ہوں۔ فی زمانہ میرا یہ تھوڑا سمجھ لینا بھی بہت معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ واقعی جیسا آپ نے فرمایا ہے کہ [illegible] میں سخن سنجی مفقود ہے۔ شعرا بھی حشرات الارض کی طرح جگہ جگہ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں اور انکی تعداد روز افزوں ہے لیکن باقتضائے مذاق سامعین انکا مذاق بھی اسی درجہ پست اور لغو ہو گیا ہے کہ معاذ اللہ۔ ایسی فضا میں کسی معقول پسند اور سلیم مذاق سخن شناس کو چشم و گوش ہمیشہ تلاش کرتے رہتے ہیں اور اگر قسمت سے کوئی ایسا شاعر مل جاتا ہے تو جی بھی چاہتا ہے کہ اسکی حقیقی داد دی جائے [illegible] سے الگ ایک یکی داد دیجیے۔ انکے اشعار میں جذبات اور خلوص کے علاوہ خوش الفاظی کا بھی لطف تھا۔ کوئی تصنع الفاظ [illegible] نہ دیتے لیکن ایک خلوص نے ہر کسی و ناکسی سے یکساں داد وصول کی۔

میں تنقیص کے خیال سے نہیں کہتا بلکہ موازنہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ علامہ سرور [illegible] کے یہاں کیا تھا الفاظ کا طمطراق اور [illegible] کے ساتھ ترنم بھی تھا۔ انکی تخیل [illegible] تشبیہات [illegible] تک انکا [illegible] شعری سے صحیح شعریت تک رس لطیف صنعت کو بیچتا جاتا ہے۔ بہرحال [illegible] بے محل اور بے ساختہ ہیں [illegible] بالکل بے لگاؤ، بے محل، بے ربط اور بے معنی ہوتی ہیں۔ [illegible] ادا کرنے ہی کرتا ہی ہے۔ مثلاً ایک حسین دوشیزہ کا ایک عمر رسیدہ کی آغوش میں [illegible] تشبیہات سے ادا کیا گیا ہے اور ان میں سے ایک تشبیہ یہ تھی۔ "جیسے ایک ایرانی کا سینہ یزداں پہ داغ تھا" نعوذ باللہ من ذالک۔ اسکے علاوہ شاید آپکو خیال ہو کہ انھیں سرور صاحب نے "عفریت" کو بالضم "عُفریت" پڑھا تھا۔ جو بالکل غلط ہے۔ صحیح لفظ عِفریت بالکسر ہے نہ کہ عُفریت بالضم [illegible] عفریت اصلی [illegible] بھول رہے ہیں نہ میرا ان میں انسان کا لہو تول رہے ہیں۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ جو ذہن میں محفوظ ہے اسے مشتے نمونہ از خروارے سمجھیے۔ ایسی غلطیاں بے شمار ملینگی۔ بہرحال لمبی لمبی تقلیں تضمین، تشبیہات اور شکوہِ الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ایسے شعرا سننے میں آتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ایک نوعمر اور ذہین شاعر معنی آفرینی اور خلوص جذبات سے کام

لیکن "سیاسی" یا اخلاقی نظم سنا جائے تو کیوں نہ ویسا ہی ایک گہرا اثر پیدا ہو۔ میں بلا تصنع عرض کرتا
ہوں کہ آپ کا کلام ان صفاتِ سادگی اور روانی ماشاء اللہ لائقِ تحسین ہے اور پھر اسپر ایک خصوصی رنگ کلام کو
دل نشین بنا دیتا ہے۔ الحمد للہ شکر ہے زورِ قلم اور زیادہ۔ آمین ثم آمین۔

اسی سلسلہ میں مجھے جو کچھ گزارش کرنا ہے اس عرض کے بغیر بھی نہیں رہ سکتا وہ یہ کہ

"سیاسی" نظموں میں "سرمایہ داری" اور "غلامی" کے خلاف جو جہاد فی زمانہ ہو رہا ہے وہ میرے نقطۂ نظر سے:
شاہراہِ اسلام سے دور جا پڑا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ سرمایہ داری بھی ایک لعنت ہے اور غلامی اس سے بڑھ کر لعنت
نہیں ہے لیکن سرمایہ داری کے خلاف جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ بالشویزم اور کمیونزم کے اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر کہا جا رہا ہے
بجائے اسلامی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وترزق من تشاء بغیر حساب"
یعنی میں جسکو چاہتا ہوں بے حساب روزی دیتا ہوں۔ پھر اگر کسی انسان کے پاس بے حساب دولت ہو جو ایک طرح
کی نعمتِ الٰہی ہے تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اسپر تبرا کہے اور اس کے خلاف جہاد کرے۔ اگر یہ دولت مند جملہ
حقوق جو اسپر واجب کئے گئے ہیں اور جن کا تفصیلی ذکر قرآن میں جا بجا موجود ہے پورے کرتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ دیتا ہے۔
صدقہ دیتا ہے قربانی۔ یتامیٰ مساکین۔ ابن السبیل اور پڑوسی کی حاجت بر آری کرتا ہے حج کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں
خرچ کرتا ہے تو اس کی سرمایہ داری اعلیٰ کیا ہے۔ مبارک ہو کوئی نقصان نہیں ہے البتہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور قارون کی طرح
اپنے زر و جنس کی افزونی کیلئے جیتا اور مرتا ہے تو یقیناً وہ مستحق اور قابلِ نفرین اور ملامت ہے اور اس کے
لئے قرآن میں ویلٌ لکلِّ کی سورت موجود ہے اور بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اگر مجاہدین سرمایہ داری اس فرق کو
ملحوظ رکھیں تو تبلیغِ اسلامی اور اصلاحِ سوسائٹی میں بڑی مدد ملے۔ اور اگر یہ جہاد ختم فرما دیں تو ثواب کا مصداق ہو جائے۔
اسی طرح غلامی کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہے جب تک کہ ہم سب آزاد نہ ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اہلِ قریش کے
جور و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرتِ اول کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے وہاں پناہ لی اور عیسائی حکومت کے زیرِ سایہ امن پایا۔
فتح مکہ کے بعد بھی اکثر انہیں سے مکہ واپس چلے گئے مگر آزادی کی خاطر واپس نہیں ہوئے۔ اور چونکہ حبشی ہی ان کا محبوب آزاد وطن تھا
انہوں نے اسی عیسائی حکمران کی غلامی کو غنیمت سمجھا۔ پھر جب قیصر حبش نے نجاشی کو پادشاہ کے حسن و سلوک پر
مسلمانوں نے شرق سے غرب تک ساری دنیا فتح کی لیکن حبشہ کی طرف احسان کے بدلہ میں ادھر کبھی رخ نہ کیا اور جنگ میں مسلمانوں کو
انہوں میں قوت بھی تھی اور کوئی بھی جرأت نہ ہوئی کہ حبشہ پر لشکر کشی کرتا۔ اور یہ کل کی بات ہے جب اٹلی نے جو فوجی اور عیسائی
حکومت ہے حبشہ پر حملہ کر کے فتح کیا اور وہاں کا عیسائی بادشاہ جلاوطن ہوا۔ اس وقت کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جس پر اس کا اثر
اثر ہوا ہو۔ ہر گھر ماتم ہوا اور دنیا کے ہر گوشے سے اٹلی کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ پھر وہی عیسائی بادشاہ فتح کا ملک میں
واپس آیا اور مسلمانوں کو اس کی واپسی پر اطمینان ہوا۔ آج دنیا کی کوئی ایسی قوم نہیں ہے جو مسلمانوں سے زیادہ
کسی کو اس کا حکمران ہو۔ یہ یقیناً اسی احسان کا نتیجہ ہے جو حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں پر اس وقت کیا تھا جب کہ مسلمانوں
کا کوئی سرپرست نہ تھا۔ آج وہاں تقریباً نصف سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی بڑھ رہی جاتی ہے لیکن یہ ملک کا حکمران عیسائی بادشاہ ہے
لیکن ہل جزاء الاحسان الا الاحسان "کے مصداق مسلمانوں نے ہمیشہ فرمانبرداری میں رہنا پسند کیا لیکن اس کا کبھی خیال
اپنی پیشانی پر لینا مناسب جانا۔

اسی قسم کی ایک چیز "وطن" بھی ہے جو سیاسی نظموں میں بہت سر اٹھا رہا ہے حالانکہ اسلام
[illegible] Universal [illegible] اجاگر اور مسلم الثبوت بنا اور اس کی اخوت کے جذبہ پر رکھا گیا ہے جس میں رنگ اور نسل
اور مقام کی شرائط نہیں ہے ساری دنیا اسلام کا وطن ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کا جیسا ہوا

اور حضرت العلامہ اقبال کا فرمایا ہوا تو درست ہے۔ اور یہی دنیا میں مگر بیماری زیادہ ان کے باشندے جو اس مرض کے شکار ہیں
ایک کا ہر برادری کی لاقوامیت میں جاتے ہیں۔ وطنیت اس جذبہ کے منافی ہے۔ بقول اقبال ہے۔
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے ؛ قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے۔

میں نے آپ کا بہت سا عزیز وقت لیا۔ آپ مجھے معاف کیجئے گا۔ بہر حال جو دل میں تھا کہے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا خیال ذاتی خاص طور سے اس بات سے ... کہ آپ جیسے ہونہار شاعر کو ایک مسلمان شاعر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور میری یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی اسلامی عینک لگا کر دیکھیں اور جو کچھ نظم فرمائیں تبلیغی نقطۂ نظر سے فرمائیں۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ تصوف کے نکتہ نظر میں شامل ہوں۔ رواداری کے مسلک کو ہرگز نہ چھوڑئیے۔ مگر پھر بھی اپنا خیال مسلمانوں کی طرف اور انہیں اسلامی روشنی میں سیاست اور اخلاق کا درس دیجئے۔ اور غیر مسلموں کو دعوت دیجئے کہ وہ اسلام کو سمجھیں۔ اسلام ایسی جامع چیز ہے جو ہر شکل سے سمجھ میں آتی ہے ہر چیز پر پرتو افگن ہے۔ اور ہر چیز اپنی اصلی حالت میں اسی وقت دیکھی جا سکتی ہے جب دیکھنے والا اس کو نور کی روشنی میں دیکھے۔ حضرت
گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

اور میں چاہتا ہوں کہ میرا خمسہ جو کچھ دیکھے اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھے اسی کا پرچار کرے اور انکا یہ شعر ہے جس میں کہیں نہ اگر ... تو اپنے تقاضائے الٰہی ؛ خزاں ہی ہے خودی میں جو تجلی الٰہی وہ بہار آئی۔ بہت خوب ہے اور آپ نے ہر دو پردہ میں بہت کچھ کہہ ڈالا ہے۔ پھر بھی تغزل کی رعایت کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ گستاخی معاف ہو تو میرا بھی یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے نعتِ رسولؐ کے خیال کو یوں نظم کیا ہے۔

خزاں دیدہ چمن میں وہ نسیم جاں فزا آئی ؛ کہ صورت ہی بدل دی جس نے تقدیرِ گلستاں کی۔ باقی خیریت۔

والسلام
خادم
حسن عبداللہ۔

قطعۂ تاریخ وفات از تمنّا بجنوری

نا للہ ضمیرِ حافظ

۱۹۹۶ء

قطعہ تاریخ وفات

مولوی حسن عبداللہ صاحب حسن - اسسٹنٹ ڈائریکٹر آف اسٹورس

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

خلف الرشید مکرمی جناب حاجی ابوالحسن صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر

مدارس - [illegible]

[illegible] بجنور

"روضۂ یادگار حسن"

۱۴۱۷ھ

حیف صد حیف کہ از دستِ قضا + باغِ ہستیِ حسن گشت تباہ
چہ عجب مردِ خوش اوقات گزشت + کز طریقت بہ شریعت آگاہ
عارفِ کامل و مرد درویش + زاہد و متقی و صدق پناہ
مخلص و اہلِ وفا اہلِ کرم + سوز در قلب و مروت بہ نگاہ
سال رحلت ز تمنا بشنو
فیضِ باری بہ حسن عبداللہ

نالۂ ضمیر حافظ

۱۹۴۶ء

قطعہ تاریخ وفات

مولوی حسن عبداللہ صاحب حسن - اسٹوڈنٹ و کنڈ ڈپارٹمنٹ انگریزی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

خلف الرشید مکرمی جناب حاجی ابوالحسن صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر

غازی پور

روضۂ حسن قدسی نژاد

۱۳۶۵

آہ در عین جوانی ز حسن دست قضا (۱۳۶۵) + برد و در کلک فنا گوہر ہستی اش نہفت

حشر افتاد ازین غم بمیان احباب + شد جگر آب ز غم دوستش و دل بگفت

ز تقاضائے حسن نیز تامکہ فزون بود بہ قوم + حیف در چاہ فنا آن گہر تابان بنہفت

بس شد مانند چو ہم خواب ز دردِ دلیست + رفت در خلد و بآسودگی در جنت خفت

جو رستم سال وفاتش ز سر دوش فردوس

رونق افروز جنت حسن عبداللہ گفت

۱۳۶۵

از [illegible]

تمنا - مجبوری

البشیر

ہر منگل کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر محمد بشیر الدین

جلد ۴۷ اٹاوہ یوم سہ شنبہ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۶ نمبر ۳۸

ایڈیٹوریل۔ایک صالح جوان کی موت

ہم نے دلی رنج وافسوس کے ساتھ سنا کہ حاجی مولوی ابوالحسن صاحب پنشنر انسپکٹر مدارس ممالک متحدہ وسابق ڈائریکٹر سررشتۂ تعلیم ریاست کشمیر کے فرزندِ اکبر حسن عبداللہ مرحوم نے بمقام علی گڑھ ایک ہفتہ علیل رہنے کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا۔ مرحوم نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے ال ال بی کے بعد علی گڑھ سے ایم اے کی ڈگری لی۔ بعد میں ڈاکٹری کرنے کے لیے انگلستان گئے۔ دوبرس کی تعلیم کے بعد ایامِ تعطیل میں ہندوستان واپس آئے تھے جب کہ جنگ چھڑ گئی وہ ڈگری لینے کے لیے پھر انگلستان نہ جاسکے۔

طالب علمی کے زمانے سے ہی مرحوم نہایت نیک، صالح، پابندِ مذہب اور سعادت مند تھے۔ قیامِ انگلستان میں مرحوم نے ایک یہودی کے یہاں قیام کیا اس لیے کہ یہودیوں کے مذہب میں ذبیحہ کا گوشت استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مرحوم نے نماز روزہ ودیگر فرائضِ مذہب کا نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا۔

انگلستان سے واپسی کے بعد مرحوم نے انگریزی طرزِ معاشرت کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہ سادہ ہندوستانی لباس استعمال کرتے رہے۔ مرحوم کی خواہش تھی کہ وہ اسلامیہ اسکول اٹاوہ کی خدمت کریں اس لیے انہوں نے کچھ عرصہ تک اسکول میں آنریری طور پر ماسٹری کے فرائض انجام دیے لیکن سررشتۂ تعلیم کے قواعد کے بموجب وہ ٹرینڈ نہیں تھے اس لیے انہیں اسکول چھوڑنا پڑا۔ چونکہ مذہب اور ہندوستانی تہذیب وتمدن کا میں دلدادہ ہوں اور آج کل خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ سے یہ

چیزیں بالکل ختم ہوتی جارہی ہیں اس لیے قدرتاً مجھے ہر اس نوجوان سے محبت ہے جو اپنی تہذیب اور مذہب کا شیدائی ہے۔ مرحوم میں چونکہ دونوں چیزیں بدرجۂ اَتم موجود تھیں اس لیے مجھے مرحوم سے دلی لگاؤ تھا۔ لیکن مشیتِ ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ خدا مرحوم کے والد کو زندہ رکھے اور وہ مسلمانوں کی تعلیمی خدمات انجام دیتے رہیں۔ مرحوم کی بیوی بچوں اور ماں باپ کے ساتھ میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں خدا ان سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو آغوشِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

☐

نوٹ: ذیل کا مضمون مرحوم کے حالاتِ زندگی کا آئینہ دار ہے۔ یہ مضمون کانفرنس گزٹ علی گڑھ میں چھپا تھا۔ اس کی نقل ان بزرگوں و قدردانوں کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے جو مرحوم و مغفور کی علمی قابلیت، صداقت، سیاست اور اخلاق کے معترف و مداح رہے ہیں اور جو اُن سے اُن کی زندگی میں بھی محبت کرتے تھے اور آج بھی درگاہِ باری تعالیٰ میں ان کے لیے دست بہ دعا ہیں۔ قَالُوْا اِنَّ لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ٥

مسلم یونیورسٹی میں ایک اندوہناک حادثہ

نہایت رنج و ملال سے لکھا جاتا ہے کہ 14 ستمبر 1946ء کی صبح کو مولوی حسن عبداللہ صاحب ایم اے (علیگ) ایل ایل بی، اسٹیوارڈ مسلم یونیورسٹی نے کم و بیش ایک ہفتہ کی علالت کے بعد چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

حسن عبداللہ صاحب مرحوم جناب مولوی حاجی ابوالحسن صاحب سابق ڈائریکٹر تعلیمات ریاست کشمیر و ممبر اگزکٹو کونسل مسلم یونیورسٹی کے خلف الرشید تھے۔ انہوں نے بی۔اے کا امتحان گورکھ پور کالج سے اور قانون کا الہ آباد سے پاس کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ مسلم یونیورسٹی کے ایم۔اے بھی تھے اور اپنی قابلیت و ذہانت کے لحاظ سے ہم عصروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

مرحوم کی خانگی تربیت ایسی فضا اور ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں قدیم مشرقی علوم و تہذیب اور مشرقی و اسلامی روایات کو ایک خاص عظمت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود جدید تعلیم سے مستفید ہونے کے وہ اپنے خیالات و افکار اور ذہنیت و سیرت نیز دوسرے خصائل کے اعتبار سے موجودہ دور کے تعلیم یافتہ نوجوان سے بڑی حد تک مختلف تھے۔ وہ ایک خوش عقیدہ مسلمان تھے اور مذہبی فرائض پوری سرگرمی سے ادا کرتے تھے، بلکہ اپنے حلقۂ اثر میں دوسرے لوگوں کو بھی مذہبی احکام کی پابندی کی ترغیب دیتے تھے۔

قانون کے امتحان سے فارغ ہونے اور ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد آپ نے ضلع بارہ بنکی میں پریکٹس شروع کردی لیکن اپنی ذہانت واحتیاط کی وجہ سے اس پیشہ کو اپنے لیے مناسب وموزوں نہ پاکر ترک کردیا اور گزشتہ جنگِ عظیم سے پہلے اردو میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے انگلستان تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے کے کچھ مدت بعد جنگ چھڑ گئی اور آپ ہندوستان واپس آ گئے۔ مرحوم کو درحقیقت تعلیم کے پیشہ سے مناسبت تھی اور تعلیمی شعبہ میں کام کرنے کا بہت شوق تھا، لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس کی نوبت نہیں آئی۔

انگلستان سے واپسی کے بعد مسلم یونیورسٹی سے آپ کا تعلق پیدا ہوگیا اور کنٹرولر کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اُس کے بعد حسنِ کارگزاری کی بنا پر اسٹیوارڈ کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ ان دونوں خدمتوں کی نوعیت ایسی تھی کہ ایک بے اُصول وغیر متدیّن شخص تنخواہ کے علاوہ ہزاروں روپیہ کما سکتا تھا۔ اور وہ بھی ایسی تدبیروں سے کہ کسی کو گرفت کا موقع نہ ملے لیکن مرحوم اس سے کہیں بالاتر تھے۔ اُنہوں نے اپنے فرائض قواعد کی پوری پابندی کے ساتھ ایسی دیانت وامانت کے ساتھ ادا کیے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ یوں تو وہ ذاتی طور پر بڑے بامروّت وسیر چشم تھے اور اپنے احباب ومتعلقین کی ہر خدمت کے لیے تیار رہتے تھے، لیکن اپنے عہدے کے فرائض ادا کرتے وقت وہ بالکل بدل جاتے تھے۔ ممکن نہیں جو ذرا بھی کسی معاملہ میں کوئی رعایت کریں۔ ان کی اس بے لاگ دیانت داری سے بعض اوقات لوگوں کو شکایت بھی پیدا ہو جاتی تھی، لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور تھے۔ جب ان کے اس طرزِ عمل سے کوئی ناخوش ہو جاتا تو وہ اس سے معافی مانگتے تھے مگر اپنے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے تھے۔

مرحوم کی ایک نمایاں خصوصیت اُن کی اخلاقی جرأت تھی، نہایت صاف گو اور بیباک تھے۔ جس بات کو ٹھیک سمجھتے تھے، بے دھڑک کہہ دیتے تھے، نتیجہ کی پروا نہیں کرتے تھے نہ مصلحت وموقع دیکھتے تھے۔ بعض دفعہ لوگ ان کے اس طرزِ عمل سے حیران رہ جاتے تھے مگر وہ اپنی افتادِ طبع سے مجبور تھے، صاف گوئی کی یہ خوبی اُن میں مذہبی تربیت کے اثر سے پیدا ہوئی تھی۔ مذہب کا ان کی شبانہ روز کی زندگی پر زبردست اقتدار تھا اور اس معاملہ میں وہ ایک کٹر مولوی کی طرح متشدّد تھے۔

اپنے خاندان اور احباب کے ساتھ مرحوم کا سلوک بہت اچھا تھا وہ ہر شخص کے دُکھ درد میں

شریک ہوتے اور ہر خدمت کے لیے تیار رہتے تھے۔ مطالعہ کا ذوق تھا۔ اپنے "مذہبی معلومات" میں برابر اضافہ کرتے رہتے تھے اور ضرورت کے موقع پر پورے جوش سے مذہبی تقریریں کرتے اور آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیّبہ بیان کرتے تھے۔ اپنے بیان میں قرآن مجید کی آیات اور تاریخی روایات کا حوالہ دیتے تھے۔ ادب کا بھی اچھا خاصہ ذوق تھا۔ علی گڑھ کی مجلس مصنّفین کے ممبر تھے۔ جب موقع ملتا تو مجلس میں مقالہ پڑھتے اور علمی مباحث میں لیتے تھے۔

مرحوم کی ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ باوجود مسلم یونیورسٹی کی تعطیل کے نمازِ جنازہ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی، حالانکہ جنازہ لے جانے میں عجلت کی گئی اس لیے بہت سے اصحاب کو خبر نہیں ہو سکی۔ نمازِ جنازہ مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں ہوئی اور دوپہر سے پہلے تدفین عمل میں آئی۔ 16 ستمبر 1946ء کی صبح کو مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوئی۔ یہاں بھی کثیر مجمع تھا۔ ہر طبقہ کے مسلمان موجود تھے۔ وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی نے بھی دہلی سے آ کر نمازِ جنازہ اور قرآن خوانی میں شرکت کی۔ تعزیت کرنے والوں کی آمد کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور والدین و عزیزوں کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ مرحوم کے والد مولوی حاجی ابوالحسن صاحب نے اس صدمۂ جانگداز کو جس حیرت انگیز صبر و استقامت اور جس قوتِ ایمانی کے ساتھ برداشت کیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ واقعہ کی نوعیت ایسی ہے کہ علی گڑھ میں ہر شخص کو اس صدمہ میں مرحوم کے والدین سے گہری ہمدردی ہے۔ وہ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے۔ مرحوم نے اپنی یادگار میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں جن سے خاندان کی ساری اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

□

ڈاکٹر انوار احمد☆

یادِ حسن

شیشۂ دل کو چوُر کر حسرتِ دل بڑھا کے دیکھ
مورِ ضعیف جان پر کوہِ الم گرا کے دیکھ

شیشۂ دل میں عکسِ یار خود سے خودی مٹا کے دیکھ
حسرت و آرزو مٹا ہوش و خرد گنوا کے دیکھ

دانشِ خیر و شر ہو یا، منطقِ جبر و قہر ہو
ایک کو آزما لِیا اس کو بھی آزما کے دیکھ

تڑپے ہیں کس طرح ترے، گھائلِ ناوک ستم
شاہدِ بزمِ لامکاں پردۂ رُخ ہٹا کے دیکھ

توُ ہی بقا کی ابتداء توُ ہی فنا کی انتہا
دے کبھی گل کو رنگ و بو اور کبھی مٹا کے دیکھ

خوُگرِ صبر و ضبط ہوں اُف بھی کروں تو ہے گناہ
زیب نہیں مگر تجھے روتوں کو گر رُلا کے دیکھ

فکرِ حیات مستعار اور مجھے غلط غلط
مشقِ ستم کو اے حضور اور بڑھا چڑھا کے دیکھ

اپنا مقام بھول جاؤں اتنا نہیں ہوں تنگ ظرف
شوق سے تلخ و تند و تیز بادۂ غم پلا کے دیکھ

کشتِ اُمید جل گئی لُٹ گیا نخلِ آرزو
صبحِ سُرور کے خدا شامِ ملال آ کے دیکھ

مَیں ہوں نیاز مندِ شوق تُو ہے خدائے بے نیاز
اپنے تباہ حال کو یوں نہ نظر بچا کے دیکھ

میرے حسنؔ کو چھین کر میری بہار لوٹ لی
کیسا ہے یہ ترا کرم، دیکھ نظر ملا کے دیکھ

آہ حسن تم اپنے ساتھ لے گئے کیفِ زندگی
رنگِ چمن بگڑ گیا جانِ بہار آ کے دیکھ

زخمِ جگر کا اندمال امرِ محال ہی سہی
وہ ہے خدائے ممکنات دستِ دعا اُٹھا کے دیکھ

☆☆☆

☆ ڈاکٹر انوار مرحوم کے پھوپھی زاد بھائی اور ہم عمر ہونے کے باعث عزیز دوست تھے۔
ان کے یہ اشعار اماں کے نام لکھے گئے ایک خط میں ملے۔

حسن عبداللہ مرحوم کی یاد میں

از

مرتضیٰ صدیقی☆

وہ خاص بندۂ حق عبدِ نیک عبداللہ
فدائے ملت و مذہب کا اپنے پروانہ

خلوصِ اُلفت و رفعت صفائے طینتِ قلب
گُہر تھے اس کی گرہ میں بہت سے یکدانہ

حریمِ قُدس سے جب حاضری کا حکم آیا
حضورِ حق وہ چلا لے کے جاں کا نذرانہ

ذرا سی دیر میں کچھ ایسا انقلاب ہوا
جو آشنا تھے وہ سب ہو چکے تھے بیگانہ

خزاں کا دور ہے بدلا ہُوا ہے رنگِ بہار
جہاں چمن تھا وہاں ہو رہا ہے ویرانہ

غمِ فراق میں جب دل بہت ہوا بیتاب
سنا یہ خضر سے مَیں نے سخن حکیمانہ

مآلِ ہستیٔ عالم ہی جب فنا ٹھہرے
حکایتِ غمِ دنیا تمام افسانہ

☆☆☆

☆ مرتضٰی صدیقی کراچی میں انکم ٹیکس کمشنر تھے اور مرحوم کے بہنوئی اور شیدائی تھے۔
یہ نظم ان کے مجموعۂ کلام آئینۂ حیرت میں شائع ہوئی۔

حسن اسمٰعیل

"وہ بچہ مَیں ہوں"

آج کی شام، فقط آج کی شام
بوڑھے احساس کو بچے میں بدل جانے دو

آج اِک نظم سناتا ہوں بڑے کرب کے ساتھ
"ایک بچے کی کہانی ہے وہ بچہ مَیں ہوں"

اس کا عنوان بھی اخیر میں تجویز کریں

مُڑ کے پیچھے کی طرف دیکھنا تکلیف سہی
آج کی شام یہ تکلیف بھی منظور سہی
اب تو اِک عمر ہوئی سوچنا بھی چھوڑ دیا
کیوں کہ خوابوں کی بھی دنیا سے نکلنا تھا مجھے

آج کی شام مجھے پھر وہیں لے آئی ہے

آیئے آپ کو وہ بات بتا دیتا ہوں
جس کو اِک عمر تلک مَیں نے چھپا رکھا تھا

وقت پیچھے کی طرف موڑ کے دکھلاتا ہوں
جو بھی بولوں گا صحیح ہے یہ قسم کھاتا ہوں

"شرط صرف ایک کہ یہ نظم بھلا ڈالیں گے"

ایک بچہ ہے یہی آٹھ برس کا ہو گا
دوست کے ساتھ وہ اسکول سے باہر نکلا
ایک مضبوط سی بانہوں نے اٹھایا اس کو
اور گالوں پہ بڑے زور سے اس نے چوما
دوست کی آنکھ میں بجلی سی چمکتی دیکھی
اور چہرے پہ بھی پھیلا تھا محبت کا غرور

کار میں بیٹھ کر پھر ہاتھ ہلایا مجھ کو
ایک ہی لفظ کی تکرار تھی پیہم اس کی

"ابو ابو مرے ابو، مرے اچھے ابو"

گھوم کر اس نے ہر اِک سمت نظر دوڑائی
چاہتا تھا کہ کوئی اس کو بھی گودی لے لے

کانپتے ہاتھ سے گالوں کو ٹٹولا اپنے
ایک بوسے کی نمی گال پہ ڈھونڈی اس نے
گال گیلے تھے مگر وہ کسی برسات کے تھے
بادلوں سے نہ سہی آنکھ کی برسات تو تھی

لفظ ابو تو کئی بار سنا تھا اس نے
ایسا پہلے تو کبھی اس نے نہ محسوس کیا
آگہی لفظ کی جب آٹھ برس کو پہنچی
پھر تو ہر روز اسی لفظ کو کہنے کے لیے
اس نے اطراف میں ہر سمت تراشا اس کو
جس کو وہ دیکھ کے جذبات سے ابو بولے

گھر میں اِک فرد تھا شاید کہ وہی ابو تھا
لیکن اس نے تو کبھی اس کو اٹھایا ہی نہیں
یا اٹھایا تو کسی عمر کا وہ حصہ تھا
جو اسے یاد نہیں، یاد نہیں، یاد نہیں

ایک دن عزم کیا وہ بھی پکارے گا اسے
لفظ ابو پہ اگر حق ہے تو یہ حق مانگے گا
اس نے چپکے سے کواڑوں سے جو اندر جھانکا
ایک بچی کو وہ گودی میں لیے بیٹھا تھا
اس کے گالوں پہ بھی بوسوں کی نمی تھی روشن
اور آنکھوں میں بھی پھیلا تھا محبت کا غرور
وہ کوئی اور نہیں وہ تو بھتیجی تھی کوئی

اس کی ہمت نہ پڑی لوٹ کے باہر بھاگا
بھائی تو بھائی ہے ابو تو نہیں ہو سکتا

گرچہ ہر راہ میں وہ سایۂ دیوار رہا
لیکن ابو کی جگہ بھائی نہیں لے سکتا

گال گیلے ہی رہے ....

ایک دن شام کو گھر کی چھت پر
اس نے ہولے سے کئی بار کہا "میرے ابوٗ"
اجنبی لفظ تھا اس لفظ کو پھر دہرایا
اور پھر خوف سے چاروں طرف مڑ کر دیکھا
کوئی موجود نہ تھا پھر بھی وہ شرمندہ تھا

پھر تو ہر روز لحافوں میں پکارا اس نے
اور اکثر کڑی تنہائی میں باتیں بھی ہوئیں
پھر وہی راز کی باتیں بڑا سرمایہ تھیں
"خواب پھر خواب ہے بچے کا ہو یا بوڑھے کا"

جاگتی آنکھ سے اِک خواب کو ڈھالا اکثر
کہ کبھی راہ میں اِک شخص اسے مل جائے گا
وہ کہے گا کہ میں اِک دوست ہوں ابو کا ترے
وہ تو بے ہوش تھا اور لوگ مرا سمجھے تھے
اور پھر لوگ اسے دفن بھی کر آئے تھے
اور تم لوگوں نے ہجرت میں بڑی جلدی کی

بھول کر پھر کبھی واپس نہ وطن کو لوٹے
اس بے چارے نے جو زندہ تھا بہت روتا تھا
ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہمت نے بھی دم توڑ دیا

"آؤ مَیں جانتا ہوں وہ کہاں رہتا ہو گا"

بچہ چلنے کو تھا تیار وہ لپکا لیکن
ریل گاڑی سے وہ ہر بار اتر جاتا تھا

مَیں نے یہ خواب کئی بار کئی بار بُنا
ایک موہوم سی امید پہ ہر شخص کی سمت
ایک ترسی ہوئی نظروں سے ترس کر دیکھا
خواب پھر خواب ہے ....

آج کی شام اسی شخص کے نام
آج پھر گال پہ ہونٹوں کی نمی ڈھونڈوں گا
مجھ کو معلوم ہے اس بار بھی ناکامی ہے

میرے اس درد کی گہرائی کو
آپ محسوس کریں گے بھی تو کیسے کیوں کر؟
یہ تو تقدیر سے ملتی ہے کسی بچے کو
منفرد قسم ہے احساس یہ محرومی کی

درد پاگل کا سمجھنا تو بڑا مشکل ہے
کیوں کہ ظاہر میں تو وہ مست نظر آتا ہے
خواب پھر خواب ہے ....

☆☆☆

نوٹ:

9اگست 2007ء کی وہ شام جب ''افکارِ حسن'' کی تقریبِ تعارف جمیل الدین عالی اور ذاکر علی خان کی صدارت میں منعقد ہوئی، کراچی شہر کی خوفناک بارش میں گزرتی وہ شام جب کہ تمام حاضرین اس یادگار تقریب میں دم بخود بیٹھے تھے، حسن اسمٰعیل نے اپنے اَن دیکھے ابو کی یاد میں لکھی اپنی یہ نظم نم آنکھوں سے پیش کی۔ حاضرین کی آنکھوں سے برستی برسات شہر کی بارش کا مقابلہ کرتی رہی۔

نوشابہ صدیقی

No. 48.
MINUTES
of the
Annual (Budget) Meeting of the Court
of the
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
held on
20th April, 1947.

MUPA—12824—500

CONTENTS.

(No. 48. dated 20th April 1947)

ii

بسم اللہ الرحمن الرحیم

No. 48.

MINUTES

of the

Annual (Budget) Meeting of the Court of the Aligarh Muslim University held on Sunday, the 20th April 1947, at 10 a.m. in the Rampur Hamid Hall.

PRESENT;

1. Lt.-Col. Dr. Ziauddin Ahmad, Vice-Chancellor (in the chair). 2. Nawab Mohd. Yusuf Sahib. 3. Seth Mohammadally Allabux. 4. K.B., S. Sh. Wahiduddin. 5. Nawab Syed Mubarak Ali Sahib. 6. K S. Aijaz Mohammad Khan Sahib. 7. Dr. Ghulam Imam. 8. K. B. Akhtar Adil Sahib. 9. Maulvi Ghulam Mohiuddin Sahib. 10. Haji Mohd. Hamza Sahib. 11. Mr. Mohd. Asghar. 12. Mr. S. A. Latif. 13. Mr. Mohd. Abdul Jalil Khan Sahib. 14. Lt.-Col. M. H. Kureishy. 15. Khan Mohd. Yamin Khan Sahib. 16. Sahibzada Wali Ahmad Khan Sahib. 17. Haji Rashid Ahmad Sahib. 18. Hafiz Mohd. Yunus Sahib. 19. Mr. A. M. Kureishy. 20. Dr. Mohd. Razi Uddin Siddiqi. 21. Moulvi Abdul Majid Sahib. 22. Mr. Mohd. Habibullah. 23. Khan Bahadur Syed Nawab Ali Sahib.

2

24. K. B. Sh. Abdullah Sahib. 25. Mr. K. M. Abdul Ghaffar. 26. Dr. Moulvi Abdul Haq. 27. Nawab Sadr Yar Jung Bahadur Dr. Moulvi Mohd. Habibur Rahman Khan Sahib Sherwani. 28. Dr. Hadi Hasan. 29. Moulvi Haji Mohd. Obaidur Rahman Khan Sahib Sherwani. 30. Nawab Nazir Yar Jung Bahadur Dr. Nazir Uddin Hasan. 31. Mr. Syed Ahmad Rafique. 32. Dr. K. A. Hamied. 33. Mr. Sajjad Mirza. 34. Dr. Syed Mohd. Tahir Rizvi. 35. Moulvi Haji Zafar Hasan Sahib. 36. Dr. Mohd. Babar Mirza 37. Mr. M. I. Khusro. 38. Dr. Kazi Saied Uddin Ahmad. 39. Mr. Tauqir Mirza Risci. 40. Mr. M. M. Sharif. 41. Mr. M. Sultan Haider Josh. 42. Dr. Barkat Ali Kureishy. 43. Mr. Abdul Majid Khan. 44. Mr. Mohd. Anwar Samdani. 45. Haji Abul Hasan Sahib. 46. Mr. Zafar Ahmad Siddiqi 47. Moulvi Fazlul Hasan Hasrat Mohani Sahib. 48. Sh. Mohib-i-Ahmad Sahib. 49. Mr. Mohd. Nihal Uddin. 50. Mr. Khalil Uddin Ahmad. 51. Shifaul Mulk Hakim Abdul Moid Sahib. 52. Mr. Mohammad Uddin Ahmad. 53. Mr. Mohd. Mir. 54. K. B. Islam Nabi Khan Sahib. 55. Nawab Saidul Mulk Dr. Hafiz Mohd. Ahmad Said Khan Sahib. 56. Nawab Mohd. Ismail Khan Sahib. 57. Mr Kh. Nazim Uddin. 58. Mr. G. A. Madani. 59. Mr. S. M. Aziz Uddin Ahmad. 60. Kr. Abdul Jalil Khan Sahib. 61. Dr. Abdus Sattar Siddiqi. 62. Mr. A. B. A. Haleem. 63 Moulvi Haji Mohd. Moonis Khan Sahib Sherwani. 64. Lt.-Col. M. Haider. 65. Mr. Anis Mujtaba Zuberi. 66. Mr. Abdul Jalil. 67. Mr. K. M. Akram. 68. Dr. Mohd. Ishaq. 69. Mr. Kh. Abdul Ali. 70. Kr. Mohd. Abdul Jamil Khan Sahib. 71. Kr. Mohd. Abdul Salam Khan Sahib. 72. Mr. Mustaq Khan. 73. Mr. Zahid Husain, 74. Moulvi Abdul Muqit Khan Sahib. 75. Mr. A. M. Khwaja 76. Mr. Agha Taj Mohd. 77. Mr. Abdul Qayyum Malik. 78. Mr. Mohd. Habib. 79. Nawab Hafiz Mohd. Jamshed Ali Khan Sahib. 80. Hon'ble Mr. Liaquat Ali Khan. 81. Mr. Syed Asad Ali Anwari. 82. K. B. Syed Faiyaz Ali Sahib. 83. Nawab Syed Aizaz Rosool Sahib. 84. Begum Aizaz Rasool. 85. Mr. Amir Uddin Ahmad Birlas.

3

Moved (from the Chair) and unanimously Resolved —

مسلم یونیورسٹی کورٹ کا یہ جلسہ ڈاکٹر عزیز الحق صاحب کے انتقال پر ملال پر دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم تعلیمی اور سیاسی کاموں میں ہمیشہ گہری دلچسپی لیا کرتے تھے۔

یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مسلم یونیورسٹی کورٹ کا یہ جلسہ سر سید لیاقت علی صاحب کی وفات حسرت آیات پر دلی صدمہ و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم تعلیمی معاملات میں ہمیشہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔

یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ باری تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مسلم یونیورسٹی کورٹ کا یہ جلسہ مسٹر حسن عبداللہ کے انتقال پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم نے یونیورسٹی کی خدمت بحسن و خوبی انجام دی۔

یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

Fateha was offered by all members standing.

4

1. The proceedings of the special meeting of the Court held on the 2nd March, 1947 were confirmed.

2. Considered:—The Annual Report. The Vice-Chancellor read a portion of the Annual Report which is printed as Appendix A.

3. Considered:—The financial estimates for the year 1947-48 together with the annual accounts and Auditors' Report for the year 1945-46 under Section 35 (3) of the Aligarh Muslim University Act (XL of 1920).

Before discussing the financial estimates and the Auditors' Report, Alhaj Mohd. Moonis Khan Sherwani proposed that in future the Budget of the University be printed in Urdu.

Dr. B. A. Kureshi moved an amendment that the budget should also be printed in English. After some discussion on the subject it was unanimously Resolved:—That in future the budget should be printed both in Urdu and English.

The Honorary Treasurer read his note on the financial position of the University and explained to the court about the accounts of the medical college collection fund.

Resolved:—That the foregoing financial estimates for the year 1947-48 and the Auditors' report for the year 1945-46 be adopted.

4. Nawab Mohd. Ismail Khan proposed that His Highness the Nawab Ruler of Rampur be elected Pro-Chancellor under Section 18 (1) of the Aligarh Muslim University Act.

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاالدین احمد اور پرو وائس چانسلر اے بی اے حلیم نے سندھ مدرسہ کراچی کے سیکرٹری بورڈ قاضی خدا بخش کے نام لگ بھگ 1943ء میں حسن عبداللہ کی بطور لکچرر تقرری کے لیے تعارفی خطوط لکھے تھے۔ یہاں اِن خطوط کی نقول پیش کی جارہی ہیں۔ یہ خطوط تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب کے آغاز میں مضمون "قدر دانیِ عالمِ بالا......" میں دی گئی ہے۔ مُرتّب

My dear Kazi Khuda Buksh.

I am forwarding the application of Mr. Hasan Abdullah, for the post of a Lecturer in Urdu in your College from the next Session.

He is an Old Boy of this institution, and he comes of a highly respectable family of these Provinces. He took his M.A. Degree In Urdu in 1938, in second division from this University, and joined PH.D. Course in the School of Oriental and African Studies at London, where he did Research in Urdu for full three Terms. His thesis is ready but he could not submit it to the University of London due to the untimely out-break of the war in Europe.

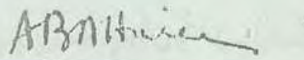
He is a very conscientious and amiable young man, and a Musalman with firm beliefs. I have personally known him for years and from my very intimate knowledge of him I certify that he bears an excellent moral character. He possesses sound knowledge of his subject. He has taught Urdu and Persian to the Intermediate and Degree classes in the Agra College, Agra, and the Principal seems to have formed a high opinion about his capabilities and conduct.

I shall be glad if you can accommodate him in your College. He will accept any reasonable salary, and I am confident that he will satisfy you with his good work and painstaking qualities.

Yours Sincerely,

(Dr Ziauddin)

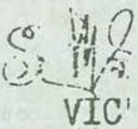
Kazi Khuda Buksh Esqr.,
Sind Madrasa,
Karachi.



DM,

ABA Haleem
Pro – Vice – Chancellor.

I gladly endorse the certificate given by the Pro – Vice – Chancellor, as to the high qualifications, great capacity for work, and excellent character of Mr. Hasan Abdullah, who is personally known to me. He created a very good impression during his University career, not only on his fellow students but also on his teachers.



قطعاتِ مادّۂ تاریخ

از

حسن عبداللہ حسن

صفحہ

صفحہ

☆☆☆

پیدائش محبّ اللہ سلمہٗ خلفِ اکبر برادرم مولوی حمید اللہ احراری

2 اگست 1925ء مطابق 11 محرم الحرام 1344ھ

روز یک شنبہ وقتِ ظہر، مقام پہتیا

حمید اللہ تم کو مبارک پسر ہو | ہزاروں میں یکتا یہ عالی گہر ہو
یہ آیا ہے دنیا میں یک شنبہ کے دن | سنِ عیسوی کیوں نہ خوش سر بسر ہو
اگست کے مہینے میں پیدا ہوا ہے | خدایا یہ بڑھ کر جلیل القدر ہو
ظہر اس ستارے کا کیا ہو گا یا رب | طلوع ہونے کا وقت جس کے ظہر ہو
دعا کر ادب سے حسن پیشِ یزداں | نمایاں محبّ اللہ تم کو ظفر ہو

1925ء

اسمِ تاریخی مطابق سنِ ہجری محمد ظہور عالم شدہ

1344ھ

پیدائش اسم تاریخی مدینہ سلمہا

مولوی محمد حمید اللہ احراری سرلوی مطابق سنِ ہجری

مظہر النساء بانو شدہ

1346ھ مطابق 1927ء

پیدائش حسن اختر سلمہٗ، خلفِ اکبر خود
بمقام سلیم پور، ضلع غازی پور

بتاریخ 16 اکتوبر 1928ء مطابق 20 ربیع الثانی 1347ھ
بوقت ڈھائی بجے شب

جمعہ کی شب تھی مہینہ تھا ربیع الثانی
بیسواں روز تھا وہ جس روز ہوا وضعِ حمل

قاصدِ غیب نے آ کر یہ خبر دی مجھ کو
ضمیراں حبیب و گریباں میں تو باں زیرِ بغل

ہو مبارک یہ خوشی خویش و اقارب کو حسنؔ
تجھ کو لازم ہے کہ ہو شاکرِ قسامِ ازل

جب ضیا بخش تواقب حسن اختر آیا
دیدۂ مہرِ منوّر نظر آیا احوَل

دیکھ کر اس کی ضیا چاند خجالت سے چھپا
سرنگوں شرم سے فوراً ہوا چرخِ اسفل

دل نے پوچھا ہوئی جس دم مجھے فکرِ تاریخ
اُس کے اوصاف جو مسطور ہوئے روزِ ازل

یوں پئے سال صدا آئی لبِ ہاتف سے
5
ہمت و دولت و اقبال و حیا علم و عمل
1342 + 5 = 1347ھ

نخلِ باغِ مراد
1928ء

☆☆☆

دیگر

تاریخِ ولادتِ باسعادت حسن اختر سلمہٗ پسرِ خود کہ در سلیم پور تولّد شد

کسی کی آمد آمد تھی مجھے تھا انتظار اس کا
مری راتیں بہت اختر شماری میں کٹیں تنہا

وہی مَیں تھا وہی زنداں فلک کی سمت آنکھیں تھیں
سراپا گوش تھا مَیں اور دل میں ایک دھڑکا تھا

یکایک مَیں نے دیکھا اِک ستارہ دفعتاً چمکا
ضیا سے جس کی سب کو صبح کے تڑکے کا دھوکا تھا

امید و بیم سے ہیجان جو تھا ہو گیا زائل
وہ ساعت آ گئی صد شکر جس کا منتظر مَیں تھا

طلوع ہوتے ہی اس کے محفلِ انجم ہوئی پھیکی
نہ زہرہ رقص میں تھی اور نہ سیاروں میں نغمہ تھا

مسرت سے بنات النعشِ گردوں محوِ حیرت تھیں
زمیں تھی وجد میں اور ابلقِ ایام ساکت تھا

بریدِ آسماں نے یہ خبر ہر سمت پھیلائی
طلوع ہونے میں خورشیدِ منوّر کو تامّل تھا

برستی تھی خوشی ہر چار جانب نور پھیلا تھا
مرا بیت الحزن بھی غیرتِ فردوسِ رضواں تھا

نظر آتا حسنؔ مجھ کو نگوں سرِ اخترِ جوزا
وجہ پوچھی ندا آئی حسن اختر ہوا پیدا
1348ھ -1 = 1347ھ

☆☆☆

فرزانہ سلمہا، صبیۂ خود،

بتاریخ 18 ستمبر 1932ء

مطابق 14 جمادی الاوّل 1351ھ

بروز یک شنبہ

پنجم ساعت زدہ بوقت سہ پہر

در سلیم پور

تولّد شد

پیدائش دخترِ نیک اختر برادرم منظور عالم صدیقی صاحب

بھائی منظور اب قبول کریں
قطعۂ تاریخ حسبِ فرمائش

قرۃ العین بختِ سعد ہے یہ
روحِ شادی و جانِ زیبائش

زندگی صدقہ کبریائی کا
ہو بسر یاخدا بہ آسائش

فیض و ہمت کرم سخا عصمت
عمر و علم و حیا کی افزائش

حُسنِ ذاتی کو چار چاند لگیں
جملہ اوصاف سے ہو آرائش

فکرِ تاریخ میں تھا سرگرداں
آئی آواز ہاتفِ دانش

لکھ حسنؔ از سرِ بشارتِ حق
2

دختِ شیریں ادا کی پیدائش
1927ء +2 = 1929ء

اسمِ تاریخی جمیلہ اختر بانو
1348ھ

☆☆☆

پیدائش دخترِ نیک اختر برادرم ڈاکٹر انوار احمد صاحب

بتاریخ 13 جنوری 1932ء مطابق 4 رمضان 1350ھ
مقام گورکھپور تولد شد

چہارم تھی رمضان کی جب حسنؔ
تولّد ہوئی دخترِ خوش ادا

یہ دو نور سے مل کے پیدا ہوئی
نہ کیوں سب کہیں مرحبا حبّذا

مبارک ہو ماں باپ کو یہ خوشی
یہ نعم البدل خوب حاصل ہوا

ثمرِ نو رسیدہ ہے پھولے پھلے
ہمیشہ رہے اس کا حامی خدا

حیا، عصمت و علم و اقبال و عمر
رکھیں اس کو محصور مثلِ ہوا

سنِ عیسوی کی مجھے فکر تھی
رجوع ہاتفِ غیب نے جب کیا

بصد التجا ہاتفِ غیب نے
مبارک ہے تولیدِ دختر کہا

1932ء

☆☆☆

بیادگار رحلتِ سلمیٰ بیگم مرحومہ بنتِ سیّد ضمیر الدین سب جج، غازی پور

تاریخ 3 نومبر 1934ء

کوچ سلمیٰ ہے دارِ فانی سے
یہ نومبر ہے یا محرّم ہے

حادثہ اس قدر یہ سخت ہوا
پشتِ افلاک دیکھ لو خم ہے

گوشِ شنوا کو مل رہی ہے خبر
فرصتِ زیست بس کوئی دم ہے

گیارہویں سال انتقال کیا
جس قدر غم کرے کوئی کم ہے

سربریدہ ہوا بلوغ حسن

2

روح فرسا شباب کا غم ہے

1936ء - 2 = 1934ء

سالِ ہجری کبوترِ کشتہ

1353ھ

عیسوی میں یہ "طُرفہ غم" ہے

1934ء

☆☆☆

پیدائش دخترِ نیک اختر
برادرم مولوی محمد مقبول احمد صاحب

وقت چھ بجے صبح تاریخ 25 جولائی 1935ء
مطابق 23 ربیع الثانی 1354ھ روز پنج شنبہ، مقامِ حسن منزل، غازی پور

جولائی کی پچیس جمعرات کا دن
ملی صبح دم یہ نویدِ مسرت

کہ پیدا ہوئی دخترِ نیک اختر
خوشی باپ کی ماں کا نورِ بصارت

رواں اشکِ شادی ہوئے چشمِ تر سے
ہر اِک دل سے سب دھل گئی گردِ کلفت

صدا ہر طرف سے یہی آ رہی تھی
مبارک مبارک سلامت سلامت

چہکتے تھے طائر ہوا میں تھی خنکی
سہانا سماں تھا برستی تھی فرحت

حسن مَیں جو تاریخ لکھنے کو بیٹھا
ملائک نے کی دل سے میری اعانت

خبر خوش گوار عیسوی سال میں لکھ
1935ء
ندا غیب سے آئی یومِ ولادت

پئے سالِ ہجری یہ ہاتف پکارا
مکرر کہو نونہالِ سعادت
677x2 = 1354ھ

دعا ہے پھلے اور پھولے ہمیشہ
رہے اس سے سرسبز باغِ مسرت

☆☆☆

پیدائش صبیّہ برادرم مولوی حمید اللہ صاحب احراری

بوقت صبح صادق بروز سہ شنبہ، مقام پہتیا، ضلع غازی پور
10 دسمبر 1935ء مطابق 13 رمضان المبارک 1354ھ

وہ رمضان کی تیرہویں صبح تھی
مطابق دسمبر کی دسویں ہوئی

سہ شنبہ کے دن دخترِ مہ لقا
تولد ہوئی مجھ کو مژدہ ملا

حمیداللہ دختر مبارک تمہیں
اسے دیکھ کر یک زباں سب کہیں

یہ ماں باپ کی قرۃ العین ہے
یہ بے شک ہر اِک قلب کا چین ہے

حسن فکرِ تاریخِ ہجری ہوئی
رہے نام بھی اس میں خواہش یہ تھی

کیا نام ہاتف نے جب انتخاب
ہوئی میری فکرِ رسا کامیاب

عظیم النّساء بیگم اس نے کہا
بحمداللہ فی الفور مَیں بول اٹھا

سنِ عیسوی بھی ہو درکار اگر
لکھوں ''مظہرِ معرفت'' بے خطر

دعا ہے رہے شاد و خرم مدام
رہیں اس کے ماں باپ بھی شاد کام

☆☆☆

پیدائش حسن اظہر پسرِ خود

بوقت 9 بج کر 55 منٹ شب مقام غازی پور، حسن منزل
بتاریخ 13 مارچ 1936ء مطابق 19 ذی الحج 1354ھ

شبِ جمعہ ذی الحج کی انیس تھی
مطابق تھی جو تیرہویں مارچ کی

حسنؔ دس بجے رات کا وقت تھا
سنا مَیں نے جب مژدۂ جاں فزا

چلی ہر طرف سے ہوائے طرب
ہوا دُور ہر دل سے رنج و تعب

یہ لڑکا رہے شاد و خرمِ مدام
رہیں جاہ و اقبال اس کے غلام

اسے جس نے دیکھا دعا گو ہوا
فلک پر اٹھا شور آمین کا

یہ ہاتف نے ہجری میں آواز دی
زہے حشمت و عزت آسودگی

1354ھ

اسمِ تاریخی ''حسن اظہر سلمہ اللہ تعالیٰ''

1936ء

☆ وفات سات بجے شام روز جمعرات تاریخ 16 اپریل 1936ء
مطابق 23 محرم الحرام 1355ھ

عذابِ انتقال

1355ھ

☆☆☆

قطعہ سالِ وفات زیب النّساء بی بی

1352ھ

نوحۂ درد از دلِ مہجور میر علی رضا

1934ء

حسبِ فرمائش جناب خان بہادر میر علی رضا صاحب
ڈپٹی کلکٹر، غازی پور 24 فروری 1936ء

جسے سمجھتے ہیں دنیا سرائے عبرت ہے
یہاں قیام بجز ایک پل کسی کو نہیں

جو پھول ہوتا ہے خوش رنگ باغِ ہستی میں
اُسی کو چھانٹ کے چنتا ہے بے وفا گل چیں

محض یہ رسم نہیں مقتضائے فطرت ہے
کہ ہجرِ یار میں ہوں چشمِ خوں فشاں رنگیں

رضاؔ یہ فکر تھی مجھ کو کہ سالِ فوت لکھوں
کہ جس سے ہو دلِ اندوہگیں کو کچھ تسکیں

صدائے ہاتفِ غیبی یہ آئی ہجری میں
کُھلا دوام کہ زیب النّساء ہے خُلد نشیں
1352ھ

مزید فکر ہوئی سالِ عیسوی کی مجھے
ندا یہ آئی کہ لکھ دو ''غزالِ خُلد بریں''
1934ء

جگہ ملے اُسے یارب جوارِ رحمت میں
مری دعا جو پڑھے، کہہ دے ایک بار آمیں

☆☆☆

مبارک حجِ بیت اللہ تم کو سیّد احمد ہو
قطعہ تہنیت از صفا کیش حسن عبداللہ حسنؔ

1354ھ — 1936ء

خدا کا شکر ہے اِس عمر میں حج کر لیا تم نے
نصیبوں میں شرف تھا جس کو یوں حاصل کیا تم نے

عزیزان و اقارب دوست اور احباب شاداں ہیں
سعادت تم نے وہ پائی ملائک جس سے حیراں ہیں

خدایا ہر مسلماں کو وہاں اِک بار پہنچا دے
برستے ہیں جہاں صبح و مسا انوار عرفاں کے

حسنؔ خواہش ہوئی جس دم مجھے تاریخ لکھنے کی
صدائے ہاتفِ غیبی مرے کانوں میں یہ آئی

سرو پا ابتلا کے کاٹ کر ہجری میں یہ لکھ دو
(2) (=1+1)

مبارک حجِ بیت اللہ تم کو سیّد احمد ہو
1356ھ - 2   1354ھ

☆☆☆

نوحۂ درد مع سالِ وفات جناب سیّد فدا حسین صاحب

از بندۂ بے نیاز حسن عبداللہ حسنؔ

1354ھ — 1936ء

ڈاکٹر سیّد احمد ذیشان
حجِ کعبہ کے واسطے شاداں

اپنے والد کو ساتھ لے کے چلے
اور کراچی بخیریت پہنچے

جھونکے ٹھنڈی ہوا کے کشتی پر
ضعفِ پیری حریف ہو کیوں کر

اُن کے والد ضعیف و لاغر تھے
نم ہواؤں کی خنکی سہہ نہ سکے

سینہ جکڑا وہیں بخار آیا
حیف اِک ہفتہ اِس طرح گزرا

چارہ گر ہر طرح دوا کر کے
اپنے بس میں جو تھا وہ کر گزرے

کامراں سے اُدھر جہاز چلا
طائرِ جاں قفس سے چھوٹ گیا

بھائی سیّد یہ سانحہ سن کر
کوئی قابو میں دل رکھے کیوں کر

باپ کا سایہ بیش قیمت ہے
سر پہ جب تک رہے غنیمت ہے

تم سے کیسے کہوں کہ صبر کرو
ہاں مگر کیا کرو گے جبر کرو

مر گیا راستے میں جو حج کے
اُس کی آنکھوں سے اُٹھ گئے پردے

اُس نے پائی سعادتِ ابدی
کیسی اچھی یہ موت ہے بھائی

جب کہ مرنا ہے ایک دن سب کو
ایسے مرنے کا کس لیے غم ہو

یادگارِ وصال لکھنی تھی
ہاتفِ غیب کی صدا آئی

سالِ ہجری میں کر حسنؔ یہ رقم
ہو گیا زیبِ بزمِ باغِ اِرم

1354ھ

☆☆☆

پیدائش شاہ زمانی بیگم سلمہا بنتِ محبّی منظور عالم صاحب

ایک ہیں رنج فزا نام ہے منظور عالم
مائلِ ظلم ہیں وہ خوگرِ داد ہیں ہم

مجھ سے اِک روز کہا شعر لکھا کرتے ہو
اور تاریخ کی بھی مشق بہت ہے تم کو

ہر کہ و مہ نے جو تعریف تمہاری کی ہے
ایک ہلکی سی جھلک اُس میں غلو کی سی ہے

ایک لڑکی ہے مری شاہ زمانی بیگم
اس کی تاریخ ذرا کیجیے اِس طرح رقم

چاہیے مادۂ سال مسیحی اُس کا
نام بھی مصرعِ تاریخ میں آئے پورا

مَیں نے کی عرض کہ تاریخ تو دشوار نہیں
اتنی پابندیاں عاید کوئی کرتا ہے کہیں

ہنس کے فرمانے لگے شرط ہے بے شک مشکل
شرط آسان ہو تو جانچ سے پھر کیا حاصل

بھائی منظور کی ضد مجھ کو حسنؔ رکھنی تھی
چار و ناچار بہر حال مجھے فکر ہوئی

مَیں نے ہاتف سے مدد چاہی سخن گوئی میں
عیسوی سال میں فی الفور کیا مَیں نے رقم

''نو گلِ باغِ مراد'' آئی ندا ہجری میں
1354ھ

مصدرِ فضل و عِلم شاہ زمانی بیگم
1936ء

☆☆☆

قطعۂ تاریخ بیادگار تقریبِ ختنۂ نورِ چشم حسن اختر سلمہٗ

بروز دوشنبہ بمقام تعلیم منزل، علی گڑھ،
بتاریخ 12 اکتوبر 1936ء مطابق 25 رجب المرجب 1355ھ
بوقت سہ پہر بکمال حسن وخوبی تکمیل یافت

تقریبِ ختنہ ہے یہ مرے نورِ عین کی
لختِ جگر کی راحتِ جاں دل کے چین کی

دوشنبہ بست و پنج رجب وقت عصر کا
ساعت بھی خوب دن بھی مہینہ بھی حبّذا

اے واہ آج پوری ہوئی سنتِ خلیل
فخرِ رسلؐ کے اُمتیوں کے لیے دلیل

بولا خبر یہ ہاتف غیبی نے جب سنی
''خرسند خوش پسند'' لکھو سالِ عیسوی

1936ء

مَیں نے جب اے حسنؔ دُرِ مقصود پا لیا
ہجری میں ''حمدِ ایزدِ غفار'' لکھ دیا

1355ھ

ہو عمرِ خضر و جاہِ سکندر اِسے عطا
ثابت قدم ہو راہِ شریعت پہ دائما

ختمِ کلام پر یہ دعا ہے مری حسنؔ
آمین کہنے والے پہ ہو فضلِ ذوالمنن

☆☆☆

عبداللطیف خان پسر فرخ شیر خان صاحب

بتاریخ 2 فروری 1936ء مطابق 8 ذی قعد 1354ھ
بوقت ہشت ساعت زدہ بہ شب بعارضۂ تپِ جگر انتقال کرد
بفرمائش خان صاحب موصوف

قطعۂ تاریخ بیادگار پُر ملال

1936ء

عبداللطیف خان فرزندِ عزیز از جان

1354ھ

آٹھ ذی قعد روزِ یک شنبہ
فرخ خستہ یومِ ماتم ہے

میرا لڑکا لطیف اکلوتا
جس کی فرقت میں چشم پُرنم ہے

میری حالت یہ اُس کے غم میں ہوئی
واسطے میرے شہد بھی سَمّ ہے

تھی مشیت یہی جو خالق کی
اُس کی مرضی پہ میرا سر خم ہے

سالِ ہجری و عیسوی ہر ایک
دونوں مصرعوں میں نظم باہم ہے

دوسری فروری سے بے کل ہوں
عمر بھر کے لیے محرّم ہے

عمر چھبیس سال تھی اُس کی
کیا کہوں کس قدر مجھے غم ہے

سینہ چھلنی ہوا کمر ٹوٹی
میرے ہونٹوں پر آج کل دم ہے

مَیں نے سوچا کہ سالِ فوت لکھوں
جب کہ ہاتف شریکِ ماتم ہے

مُرد عبداللطیف خان برنا
1354ھ
روح فرسا شباب کا غم ہے
1936ء

☆☆☆

پیدائش فرزندِار جمند برادرم مولوی حمید اللہ صاحب احراری

تاریخ 22 ربیع الثانی 1357ھ مطابق 8 جولائی 1938ء
بروز سہ شنبہ بوقتِ ظہر بمقام پہتیا، ضلع غازی پور

اے حمید اللہ مبارک ہو پسر
راحتِ قلب و جگر نورِ نظر

ہے دعا اپنی خدائے لایزال
یہ رہے دنیا میں با عزّ و جلال

باعثِ صد نازشِ خیرالامم
یہ رہے اسلام پر ثابت قدم

سالِ پیدائش کی مجھ کو فکر تھی
چاہتا تھا مادّہ ہو عیسوی

یوں کہا دل نے کہ ہے دانائے راز
''شکرِ غفارِ مجیدِ بے نیاز''

1938ء

سالِ ہجری ''عیش و عشرت'' لکھ حسنؔ

1356ھ

از سرِ الطافِ ربِ ذوالمنن

+1 = 1357ھ

☆☆☆

پیدائش میاں آفتاب احمد (ظہور احمد) سلمہٗ خلفِ برادرم مولوی مقبول احمد صاحب

''ظہورِ مقبولِ رحمت''

1937ء

☆☆☆

قطعہ، سالِ رحلت عبدالغفور خاں صاحب

26 مئی 1939ء لندن میں قیام کے دوران لکھا گیا

چوں شنیدم حیف در لندن حسنؔ
مرگ آں صالح جوان و مردِ حق

شد ز رنجِ فرقتِ او دفعتاً
دل دو نیم و دیدہ ہم رنگِ شفق

شد بہ سالِ رحلتش توخّی مُصِر
من سراسیمہ بہ جانم صد قلق

سر نہادم بر سرِ زانوئے فکر
طفلکے خواند بہ مکتب چوں سبق

عیسوی تاریخِ رحلت خواستم
شاعری شد بر منِ بے چارہ شق

گفت ہاتف چوں بگوئی نامِ او
گویمت سالِ وفاتِ مردِ حق

من چو اسمش گفتمش ''عبدالغفور''
1393
گفت ہاتف گو ''شدہ واصل بحق''
546

1393+ 546= 1939ء

☆☆☆

تاریخ سالِ رحلت مولوی رونق علی صاحب مرحوم ومغفور

حسبِ فرمائش جناب سیّد محمود صاحب

غیب سے آئی ندا دل کو پئے سالِ ہجر
لکھ طرفِ رب شدہ مولوی رونق علی

1358ھ

☆☆☆

یادگارِ پیدائش میاں انوار حسین سلمہٗ نورِ نظر مولوی سیّد مشتاق صاحب، اٹاوہ

ضوفشانِ جوہرِ اوّل ہیں انوار حسین

1939ء

☆☆☆

بارگاہِ شاہ محمد اویس غازی پوری

1940ء

محبِّ حق رضی اللہ عنہ

1359ھ

اویس پاک باطن صاف طینت
کہ جس کے غم میں ہر اِک ماتمی ہے

چلا منہ موڑ کر اڑتیسویں سال
اسے دنیائے دوں سے بے رخی ہے

نکل کر شورش دارالمحن سے
نصیب اُس کو حیاتِ دائمی ہے

حسنؔ وہ خوش ہے اور ہم مضطرب ہیں
وہاں شادی رچی ہے یاں غمی ہے

مجھے تھی خواہشِ تاریخِ رحلت
کہ رسمِ یادگارِ غم یہی ہے

یہ آئی ہاتفِ غیبی کی آواز
''مظفر گشت'' سالِ عیسوی ہے
1940ء

نویدِ گلشنِ فردوسِ راحت
1359ھ
پئے بتاریخِ ہجری مل رہی ہے
وفات 29 دسمبر 1940ء مطابق 29 ذی قعد 1359ھ

☆☆☆

اسمِ تاریخی فرزندِ مشرف النّساء بیگم سلمہا

محمد رفاقت اللہ احراری
1940ء

☆☆☆

قطعۂ تاریخِ پیدائش پسر منظور عالم

میاں منظور کے لڑکا ہوا ہے
مبارک ہو خدایا اُن کو شادی

امید و بیم میں بارہ مہینے
گزرنے پر ہے شکل اُس نے دکھائی

جو گزرا ہر مہینہ سال بھر کا
بحمداللہ ساعت نیک آئی

دکھایا انتظار اتنا جو اُس نے
تو اِس میں مصلحت پنہاں یہی تھی

کہ بارہ سال پر لڑکا یہ پا کر
نویدِ شادمانی کام گاری

یہ بارہ ماہ کی تکلیف کے بعد
مسرت ہو بقدرِ کامیابی

حسنؔ یہ مژدۂ جاں بخش پا کر
مجھے تھی خواہشِ تاریخِ ہجری

تمنا تھی پڑھوں تحریرِ قسمت
کہاں مَیں اور کہاں یہ رازِ غیبی

مگر یہ عقدۂ مشکل ہوا حل
مدد جب ہاتفِ غیبی سے چاہی

محمد شیث سن کر نام اُس کا
902
کہا ہاتف نے ''عیشِ جاودانی''
455
902 + 455 = 1357ھ
پسر دل شادِ منظور عالم
1938ء
مجھے سالِ مسیحی میں خبر دی

☆☆☆

قطعۂ تاریخِ پیدائش پسر دوم منظور عالم

خدا کا شکر ہے منظور عالم
ہوئی پھر تم پہ یہ بارانِ رحمت

ملا لڑکا تمہیں پہلا کہ جب چار
ہوئی تھیں دخترانِ باسعادت

یہ لڑکا دوسرا پیدا ہوا ہے
تمنا باپ کی اور ماں کی راحت

یوں ہی ہوتے رہیں گے چار لڑکے
ملی ہے غیب سے مجھ کو بشارت

ہے جولائی کا جو شمسی مہینہ
اِسی میں آیا پیغامِ مسرت

حسؔن انیس دن پورے گزر کر
ہوئی اُس کی ولادت باسعادت

پئے تاریخِ ہجری تھا مَیں حیراں
طلب ہاتف سے کی مَیں نے امانت

محمد آصف اُس نے نام سن کر
263
کہا شہزادۂ بہرام صولت
1096
263 + 1096 = 1359ھ
لکھوں مَیں "نخلِ باغِ دلربائی"
1940ء
پے سالِ مسیحیٔ ولادت
خدا یہ رہے دنیا میں قائم
بہ اقبال و جلالت تا قیامت

☆☆☆

''کامگارِ ابد خلیل الرحمٰن خان''

1939ء

انتخاب شد
1358ھ

ہو کے آمادۂ صلح گھر سے چلا جب خلیل حیا دار فرخ سیر
روز سہ شنبہ تھا سیزدہ جون کو بے حیاؤں نے گھیرا سرِ رہگزر

ایک وہ مرد تھا بیس نامرد تھے وار کرنے لگے اُس پہ سب بے جگر
چور زخموں سے ہو کر جری گر پڑا شکرِ خالق میں سجدہ کناں خاک پر

مجھے تاریخ لکھنے کو فرماتے ہیں اُس کی دشواریوں پر نہیں کچھ نظر
مَیں نے ناچار توخّی کے اصرار پر اِس اہم کام پر اپنی باندھی کمر

دی بشارت مجھے ہاتفِ غیب نے مجھ کو افسردہ و نوحہ گر دیکھ کر
خوش نصیبی سے اُس کو شہادت ملی یہ سعادت ہے واللہ فرحت اثر

پھر یہ آواز کانوں میں آئی مرے زانوئے فکر سے اب اٹھا اپنا سر
''دلکشا باغ'' ہجری میں لکھ دے حسنؔ عیسوی سال ہے ''خانِ خستہ جگر''
1358ھ 1939ء

☆☆☆

''یادگارِ زبدۂ عُبّاد عرب صاحب غازی پوری''

1940ء

''محبِّ حق رضی اللہ عنہ''

1359ھ

(عرب صاحب کے مزار پر یہی قطعۂ تاریخ درج ہے)

حسنؔ حافظ حبیب اللہ مکی
خضر صورت جواں سیرت معمر

عرب صاحب جو تھے مشہورِ عالم
جنہوں نے دل کیے سب کے مسخّر

کبھی سالک کبھی مجذوب تھے وہ
بہر حالت امامِ نیک محضر

گئے سوئے جناں دنیا کو چھوڑا
اُنہیں حاصل ہوا وصلِ پیمبرؐ

فدا دینِ نبیؐ پر تھے جو حضرت
ملی جنّت محمد آباد جا کر

جمعہ تھا تین شعبان المعظم
مطابق عیسوی تھی چھ ستمبر

نمازِ جمعہ بے شک ہو چکی تھی
نمازی تھے ابھی مسجد کے اندر

کہ اُن کا طائرِ روحِ مقدس
ہوا قیدِ مکانِ غم سے باہر

''حق اللہ'' نعرہ وردِ زباں تھا
صدائے بازگشتِ قلبِ مضطر

یہی ہے جاں بحق تسلیم کرنا
یہ شاہِ مردِ حق اللہ اکبر

ہے اعظم اور عبداللہ کی خواہش
کہ ہو اِک یادگار اُن کی مقرر

لکھوں ہجری بھی سالِ عیسوی بھی
کہ ہو تاریخِ رحلت بھی مکرر

ہے ہجری ''جنتِ انوارِ رحمت''
1359ھ

مسیحی قوتِ روحِ مظفر
1940ء

☆☆☆

Queen Caroline Phylis Victoria

صبیّہ، خود مرجانہ بیگم سلمہا

بتاریخ 24 اپریل

مطابق 26 ربیع الاوّل

بوقت چھ بجے شام پیدا ہوئی

مَیں نے اُسے

نخلِ باغِ آرزوئے دل کہا

☆☆☆

جاوید حسن مظفر ہوا پیدا

(پسرِ خود)

اپریل کی تھی اکیس سولہ ربیع الثانی
تھی پنج شنبہ کی شب لائی جو شادمانی

گزری تھی نصف شب اور مَیں انتظار میں تھا
دل مضطرب تھا میرا لیکن قرار میں تھا

بارہ بجے سے پہلے قاصد یہ مژدہ لایا
ہو آپ کو مبارک پیدا ہوا ہے لڑکا

مَیں نے حسنؔ اذاں دی اور پھر کہی اقامت
پیشِ نظر تھا میرے اِک مطلعِ سعادت

اِک چاند آسماں پر اِک چاند تھا زمیں پر
تنویرِ شانِ یزداں سے گھر مرا منوّر

مَیں فرضِ عبدیت کی تلقین کر رہا تھا
معصومیت کی وہ بھی تلقین کر رہا تھا

غیرت رہِ تکلّم اُس کی وہ خامشی تھی
غایت سمجھ رہا تھا مَیں اپنی زندگی کی

بستر پہ لیٹ کر مَیں یہ غور کر رہا تھا
دن زندگی کے اتنے بے کار کھو چکا تھا

میری سمجھ میں آیا یہ راز زندگی کا
ہوتا ہے کیوں اذاں سے آغاز زندگی کا

کیوں بعد مرگ ہوتی ہے بے اذاں جماعت
گویا حیاتِ انساں ہے وقفۂ عبادت

ہو صرف زہد و تقویٰ مدت یہ زندگی کی
جس طرح صومعے میں بیٹھے کوئی نمازی

احساس مجھ کو اپنی بے صرفہ زندگی کا
بے چین کر رہا تھا مغموم کر رہا تھا

معصوم فلسفی نے خاموشیوں میں اپنی
واضح بیان کر دی تفسیر زندگی کی

ہجری میں یہ دعا ہے "جاوید حسن مظفر"
اور سالِ عیسوی ہے "وضاحِ نیک محضر"

اسلام پر الٰہی رکھنا تُو اِس کو قائم
اقبال و تندرستی اِس کو عطا ہو دائم

☆☆☆

''تہنیت در مبارک بادِ عیدِ صحت یابی''

1944ء

''بعالی جناب مطبوعِ خلق عبداللطیف صاحب''

1363ھ

''از جانب حسن عبداللہ حسنؔ ام اے علیگ، ال ال بی غازی پوری''

1944ء

مدحِ عبداللطیف کیا کیجیے
منبعِ خیر بے ریا کہیے

زہد و تقویٰ وظیفۂ صوم و صلوٰت
ذِکر اور شغل صدقہ و خیرات

یہ عبادات ہیں خدا کے لیے
اور جولان گہہ ریا کے لیے

خدمتِ خلق اور ہی شے ہے
شر نہ ہو جس میں کوئی وہ مئے ہے

اُس کا سرشار بے خود و مدہوش
جوشِ مستی میں رب سے ہم آغوش

کل وہ خالق سے پائے جو پائے
آج بھی خلق سر پہ بٹھلائے

اب زمانے کی ہے یہی رفتار
ہے زبردست زیردست آزار

کم نہیں ایسے کہ سب کے کام آئیں
بن پڑے جب نہ کچھ تسلّی دیں

دھوکا دینا یہ جانتے ہی نہیں
قول اِن کا ہمیشہ قولِ متیں

ایسے ہردلعزیز ہیں سب کے
سب دعا گو ہیں درگہہ رب میں

اُن کو تکلیف میں اگر دیکھا
سب نے محسوس دل میں درد کیا

اُن کو پھوڑے کی سخت اذیّت تھی
اُن کی کلفت سے سب کو کلفت تھی

سب کے دکھ درد میں شریک تھے یہ
آج غم خوار اُن کا ہر کِہہ و مہ

سب نے اُن کے لیے دعائیں کیں
اُن کی صحت کی التجائیں کیں

یہ دعائیں بھی کامیاب ہوئیں
دل سے نکلی تھیں مستجاب ہوئیں

سخت تکلیف سے نجات ملی
دولتِ صحت و حیات ملی

عیسوی سالِ تہنیت ہے حسنؔ
"غسلِ عبداللطیف مستحسن"
1944ء

جذبۂ فرطِ شادمانی میں
لکھ فضیلت مآب ہجری میں
1363ھ

ہے دعا یاخدا یہ شاد رہیں
تندرست اور بامراد رہیں
آمین

☆☆☆

قطعۂ تہنیت بعون اللہ الوحید

از حسن عبداللہ حسنؔ، ام اے علیگ، ال ال بی

1944ء

بتقریبِ مبارک باد ڈگری ڈی ایس سی

1363ھ

از نیکو نہاد پٹنہ یونی ورسٹی

1363

محمود و مکرم ضیاء الدین احمد انا اللہ برہانہ '

1363 + 581 = 1944ء

ضیاء الدین احمد ڈاکٹر سر لفٹنٹ کرنل
ترے اخلاص کا انعام تیری سر بلندی ہے

ضیا بارئ فضلِ ایزدِ مختار ہے مجھ پر
ترے ہاتھوں ہماری کشتِ دل کی آب یاری ہے

خبر اِک اور فی الدّارین خیرا ہے زبانوں پر
تری خدمات کا احساس گویا حق شناسی ہے

نہ بددل ہو اگر اعدا تجھے الزام دیتے ہیں
کہ اُن کا جذبۂ اصلاح و قفِ نکتہ چینی ہے

یہ مٹھی بھر مخالف ہیں شکایت اِن کی کیا کیجئے
کہ ساری قوم ہی اب مبتلائے ناسپاسی ہے

یہ بدبختی زبوں حالی پریشاں خاطری نکبت
شعار اپنا فقط محسن کُشی ہے عیب جوئی ہے

صلہ اپنا مساعیِ جمیلہ کا خدا سے لے
نہیں محتاج بندوں کا وہ ہمت جس کی عالی ہے

تجھے ڈگری ملی پٹنہ سے اعزازی مبارک ہو
مگر اعزاز یہ تیرے لیے بالکل اضافی ہے

تری شہرت ہے بالاتر سند سے اور ستائش سے
مسرت خیز لیکن یہ ثبوتِ قدر دانی ہے

مجھے تاریخ سالِ تہنیت کا یوں خیال آیا
زمیں سے آسماں تک انبساط و شادمانی ہے

سرورِ بزم یہ ڈگری مبارک ہو ضیاء الدین

1944ء

صدائے ہاتفِ غیبی پئے سالِ مسیحی ہے

یہ فالِ نیک ہے دل نے حسنؔ آواز دی بڑھ کر

بعون اللہ ضیاء الدین مبارک سالِ ہجری ہے

1364ھ

ترے اقبال و عمر و تندرستی میں ہو افزونی

تجھے ہم شادماں دیکھیں تمنا یہ ہماری ہے

آمین

☆☆☆

بہ تقریب عقدِ ثریا بیگم سلمہا دخترِ نیک اخترِ شیخ ظفراللہ صاحب، وزیرآباد (پنجاب)

لکھ دے حسن یہ سالِ مسیحی

''عقدِ ثریا عشرت فزا''

1944ء

☆☆☆

قطعہ بیادگارِ رحلتِ پُر ایمان

1364ھ

دامی البقا شیخ عبدالرؤف انصاری صاحب

1945ء

خوش خصال اِک بزرگِ باہمت
تھا شرف مجھ کو جن کی خدمت میں

اُن کے اجداد تھے ردولی کے
مستند علم اور مروّت میں

آ کے لشکر میں رہ گئے یہ بزرگ
نام پیدا کیا وکالت میں

حُسنِ سیرت سے چار چاند لگے
خاندانی وقار و عظمت میں

یہ وفا کیش قدردانِ وفا
مدح خواں ہر بشر ریاست میں

ایسے آئے کہ پھر کہیں نہ گئے
پاسِ آئینِ رسمِ الفت میں

خود حکومت تھی در پئے آزار
اس کی ذِلت تھی اُن کی عزت میں

آزمایش میں آل و مال سے بھی
فرق آیا نہ استقامت میں

یوں اعانت کی میری ہاتف نے
فکرِ تاریخِ سالِ رحلت میں

نام عبدالرؤف سن کے کہا
393
مصدرِ ناز ہے وہ جنّت میں
971
= 1364ھ

عیسوی سال کی تلاش ہوئی
یہ صدا آئی کُنجِ عزلت میں

پاک باز آہ شیخ ظِلِ اللہ
1945ء
اے حسؔن لکھ وفاتِ حضرت میں

اے خدا صدقہ کبریائی کا
ہو عطا فرطِ جوشِ رحمت میں

جملہ پس ماندگان کو صبرِ جمیل
اُن کو راحت جوارِ رحمت میں
آمین

☆☆☆

قطعہ تہنیتِ شادی

1364ھ

ازفکرِ عقیدت مند حسن عبداللہ حسنؔ

1364ھ

جشنِ بہارِ جاویدِ طوئے منظور الحق

1945ء

ایزدحمیتِ ظاہر و باطن نصیب کند

1945ء

تمہید عیش و عشرت ہے حبّذا سہرا
تردیدِ رنج و کلفت ہے مرحبا یہ سہرا

معراجِ آدمیت خود شانِ حق کا مظہر
احباب کی تمنا منظور کا یہ سہرا

اللہ نے دکھایا یہ دن کہ با صد ارماں
منظورِ حق کے سر پر باندھا گیا یہ سہرا

فرطِ طرب سے کلیاں پھولے نہیں سماتیں
ہے شرحِ زندگی کا عقدہ کُشا یہ سہرا

کافر نگاہِ نوشہ چلمن سے چھَن رہی ہے
گویا شریکِ رہزن ہے رہ نما یہ سہرا

محوِ نظارہ سب ہیں مرکز ہے رُوئے نوشہ
معصومیت میں اپنی ہے دل ربا یہ سہرا

تکمیل پا رہا ہے آئینِ رسمِ الفت
سر تا بہ پا ہے گویا مہر و وفا یہ سہرا

لایا ہے ساتھ اپنے دشواریاں ہزاروں
اِک کھیل یا تماشا سمجھے ہو کیا یہ سہرا

تاریک وادیاں ہیں پُرخار ہیں یہ راہیں
تم کو دکھائے دائم راہِ ہدیٰ یہ سہرا

ہے راہِ زندگی کی یہ اوّلین منزل
معراجِ زندگی کی ہے ابتدا یہ سہرا

ہو شمعِ راہِ ایماں، اسلام رہنما ہو
فضلِ خدا سے ہو پھر ظِلِّ ہما یہ سہرا

بے خوف و بے خطر ہے اللہ کا وہ بندا
اِلاّ کا جس کے سر پر باندھا گیا یہ سہرا

ہے دین اور دنیا دونوں کی سُرخروئی
اُس کے نصیب جس کو راس آ گیا یہ سہرا

مَیں نے حسنؔ حقایق واضح بیاں کیے ہیں
اِک درس معرفت کا گویا بنا یہ سہرا

بیٹھا تھا سر بہ زانو آئی صدائے ہاتف
ہجری میں لکھ دے ''فخرِ آفاق کا یہ سہرا''
1364ھ

کیا خوب ہے مسیحی تاریخِ سالِ شادی
منظورِ حق مبارک اوجِ وفا یہ سہرا
1945ء

لطفِ حیات عزت اولاد باسعادت
زوجین کو مبارک ہو اے خدا یہ سہرا

(روانگیٔ بارات از علی گڑھ تا چھنڈواڑہ، سی پی 30 مارچ 1945ء
دعوتِ ولیمہ 4 اپریل 1945ء)

☆☆☆

قطعۂ تاریخ بیادگارِ انتقال فضالہ بیگم بنتِ عمِ مصنّف

حیف اٹھارہ تھی وہ ماہِ رجب
جون کی انیس تھی صد حیف جب

دارِ فانی سے کیا عزمِ سفر
تھا اسے لذات دنیا سے حذر

داغِ فرقت دے گئی ہر ایک کو
حسرتیں دل میں رہیں تھیں دل کی جو

تھا شباب اُس کا مگر ہم رنگِ شیب
اُس کی فطرت میں نہیں تھا کوئی عیب

سارے دنیا کے بکھیڑوں سے بَری
جاگنے پائی نہ تھی اور سو گئی

ہے یہ خود غرضی کہ اُس کا غم کریں
جب وہ خوش ہے کس لیے ماتم کریں

ہاتفِ غیبی نے یہ آواز دی
اے حسن تُو شاد باش و شاد زی

عیسوی لکھ جس سے ہو ہر غم بہل
عیشِ اندک سے فضالہ تنگ دل

1945ء

سالِ ہجرت مژدۂ کرّوبیاں
جنّت الفردوس میں دل شادماں

1364ھ

☆☆☆

قطعۂ تاریخ بیادگارِ رحلت سلامت اللہ سلمہٗ اللہ تعالیٰ پسر ہمشیرۂ خود بمقام علی گڑھ

یہ رمزِ قدرت خدا ہی جانے
ہے رازِ سربستہ بزمِ امکاں

عدم سے آنا عدم کو جانا
ہے دارِ فانی سرائے ہماں

قیام دو روزہ سو بکھیڑے
دماغ کیسے نہ ہو پریشاں

بہار آئی کھلے شگوفے
ہر رشکِ فردوس ہر گلستاں

فضا معطر ز مشک و عنبر
ترانہ عندلیبِ شاداں

ہے رنج و راحت بہم جہاں میں
خزاں کی تمہید ہے بہاراں

چمن میں گل چیں کی آمد و شد
ہے فن پہ صیّاد اپنے نازاں

نظامِ عالم کو کون سمجھے
کہ عارفوں کی ہے عقل حیراں

نہ کوئی غم ہو نہ کوئی راحت
یہی حسنؔ ہے کمالِ انساں

ہے عافیت صبر و شکر ہی میں
کہ عاریت ہے تمام ساماں

گیا جو اُس کا نہیں ہمیں غم
ملا جو اُس پر نہیں ہیں نازاں

ہماری تسکین کو ہے کافی
ہمارا اسلام اور ایماں

تھی یادگارِ وصالِ مشکل
بعونِ ہاتف ہوئی وہ آساں

ہے ''غنچہ وش'' سالِ ہجرِ رحلت
1364ھ

اور عیسوی سال ''مرغِ خنداں''
1945ء

سلامتِ دائمی میں ہے اب
سلامت اللہ بفضلِ یزداں

☆☆☆

قطعۂ تاریخ بیادگارِ پیدائش حسن اسمٰعیل سلمہٗ اللہ تعالیٰ پسرِ خود

وقت صبح آٹھ بج کر دس منٹ، بمقام علی گڑھ

تھی نومبر کی سولہ اور ذی الحج کی دس
روزِ جمعہ عیدِ اضحیٰ کا عدیل

عیدِ قرباں کی مبارک صبح تھی
جب ہوا پیدا وہ فرزندِ شکیل

فکر سالِ عیسوی پیدا ہوئی
چاہتا تھا مادّہ ہو بے مثیل

بولا ہاتف نام اسمٰعیل رکھ
اور پھر لکھ میوۂ باغِ خلیل

یادگارِ سالِ ہجری لکھ حسنؔ
بامروت بے مثال و بے عدیل

رحمت اللعالمیں کا واسطہ
یہ دعا مقبول ہو ربِ جلیل

ہو عطا ایثار اسمٰعیل سا
اور استحکام ایمانِ خلیل

سرخروئی دین اور دنیا میں دے
ہو مزین یہ بہ اوصافِ جمیل
آمین

☆☆☆

درتہنیت خطاب یافتن مولانا ابواللیث فصیحی صاحب غازی پور، یو پی، بمقام علی گڑھ نوشتہ شد

بتاریخ یکم جنوری 1946ء

اے ابواللیث فصیحی مایۂ صد افتخار
جانشینِ اولیا والا گہر عالی جناب

خدمتِ اسلام تیرا خاندانی ہے شعار
وہ ترے اجداد جو رکھتے نہ تھے اپنا جواب

خاندانی اُن روایاتِ قدیم کے تحت
تیرے احسانات ملت پر ہیں بے حد بے حساب

عالمانِ عصر نے مسلم پہ لازم کر دیا
دشمنانِ ملتِ بیضا سے کر نا انتساب

تُو نے فرمانِ خدا رکھا سدا پیشِ نظر
کافر و مشرک سے یکساں تُو نے برتا اجتناب

لیگ کا حامی رہا تُو ابتدا سے آج تک
یہ تیری روشن ضمیری اور رائے باصواب

منتشر اجزائے ملت ہوں اگر یک جا بہم
کامرانی سے جلو میں فتح و نصرت ہم رکاب

تیرا یہ اعزاز ہم چشموں میں وجہِ امتیاز
لایقِ تحسین و تہنیت ہے تیرا انتخاب

یادگارِ سالِ ہجری ہے حسنؔ "خوش امتیاز"
1365ھ

عیسوی ہے "اوجِ دولت خاں بہادر کا خطاب"
1946ء

☆☆☆

قطعۂ تاریخ بیادگارِ وفات احمد حسن زبیری مرحوم

پسر مسٹر اسمٰعیل حسن زبیری، علی گڑھ

اے گلِ نورستۂ باغِ جہاں
نوجوان و پیکرِ انسانیت

جامۂ ہستی کیا یوں تار تار
تنگ ہو جیسے لباسِ عاریت

فرطِ مایوسی تھی یا دیوانگی
زیست کی جانی نہ کچھ بھی اہمیت

معصیّت کوشی سمجھیے کیوں اسے
اِس میں بھی پیدا تھی اِک معصومیت

صورتِ تسکین اسمٰعیل ہے
صبر کی تلقین و رسمِ تعزیت

فروری تیرہ، ربیع اوّل کی دس
حیف ہے تاریخ بزمِ تعزیت

چار شنبہ تھا وہ روزِ نا سعید
محفلِ ماتم بنی جب شش جہت

سالِ ہجری اور مسیحی کی حسؔن
فکر کی مَیں نے بھی حسبِ مقدرت

ایک میں خود اعترافِ جرم ہے
ہے دعا اِک بہرِ عفوِ معصیّت

"خودکشی اِک جرم ہے اندوہ گیں"
1365ھ

"یا وہاب احمد حسن کی مغفرت"
1946ء

اے خدا پس ماندگاں کو صبر دے
اور تسلیم و رضا روحانیت

☆☆☆

قطعۂ تاریخِ پیدائش دخترِ مقبول احمد صاحب

بوقت 7 بجے صبح، غازی پور، حسن منزل

سترہ تھی ربیع ثانی کی اور بائیس مارچ کی تھی حسنؔ
روز جمعہ تھا جب ہوئی پیدا لڑکی ایسی کہ باید و شاید

ہو کہ و مہ کی تھی دعا مقبول اور رحمت خدا کی تھی سر پر
آسماں سے برس رہی تھی خوشی، تھی مسرت ہر ایک کو بے حد

مَیں نے چاہا کہ ایک جملے میں ہو مسیحی بھی سالِ ہجرت بھی
بولا ہاتف لکھ بھی دے "اشرف" اور "خاتون" درجہاں آمد
581 + 1365 = 1946ء

سایۂ والدین میں یہ رہے تندرستی کے ساتھ دنیا میں
عصمت و غیرت وحیا وشعور، عمر و اقبال اس کو دے ایزد

☆☆☆

''حالِ زبونِ اسد علی خاں توخی''

1946ء

''بیادگار فضل بی بی گلمن زندگی''

1365ھ

مزیّن از ہمہ اوصاف و خوبی
مجسّم حلم و غیرت بنتِ توخیؔ

ہوئی ملکِ بقا کی سمت راہی
نہ راس آئی فضائے دارِ فانی

ربیع الثانیہ کی بِست و پنجم
مطابق مارچ کی وہ تیسویں تھی

ظہر کا وقت تھا اور یوم شنبہ
دیا جب اُس نے یہ داغِ جدائی

بمشکل عمر پائی پانزدہ سال
حیاتِ مستعار اُس کو نہ بھائی

حسنؔ لکھ دے پئے تاریخِ رحلت
مسیحی ایک مصرع ایک ہجری

"فضل بی بی پہ ہے فضلِ ید اللہ"
1946ء

"فضل بی بی بگلزارِ معانی"
1365ھ

☆☆☆

"قطعۂ تاریخ بیادگارِ جاں گداز عبدالواحد صاحب"

1946ء

حیف صد حیف ہنر مند بود
کُشتۂ گروشِ چشمِ حاسد

شاد کے بود بہ بزمِ کثرت
وحدت آگاہ شد عبدالواحد

حُسنِ ایمان و عقایدِ راسخ
او ندانست خیالِ فاسد

آشنائے مئے پندار نہ بود
نے شناسائے فریبِ زاہد

زینش جُبّہ و دستار نہ بود
او وفا کیش و وفا کوش عابد

سیم و زر ہیچ شمارد کہ بود
زیورِ حسنِ عمل را شاہد

ہاتفِ غیب دو مصرع فرمود
از پئے سالِ وصالِ ماجد

حاصلِ عیش بہارِ رحمت
1365ھ

رفت حالی بخدائے واحد
1365ھ

☆☆☆

بیادگارِ رحلت اَمت القدیر بنتِ مجتّٰی منظور علی فاروقی المتخلص بہ تمنّا بجنوری

بنتِ تمنا شد ...... سالِ وصال خورستم

رب قدیر مژدہ داد زینتِ خُلدِ نو بہار

581 + 1365 = 1946ء

''اَمت القدیر شد نجباں نزدِ حق'' حسن

1365ھ

خونِ قرار و صبرِ تمنا ہے عیسوی

1946ء

☆☆☆

یادگارِ سالِ فرخندہ کدخدائی بنتِ محبّی حاجی حفظ الرحمٰن صاحب المتخلص بہ وفاؔ ڈبائیوی

ہجری میں سالِ فرخندہ اے حسنؔ
"عنوان کدخدائی بنتِ وفا" لکھوں
1365ھ

☆☆☆

''طفیلِ احمدؐ بخت رفت وخوابید''

1946ء

''غریقِ معبدِ مہر و وفا طفیل احمد''

1946ء

''نصیب اُن کو ہوئی اور آسایشِ دل''

406

طفیل احمد ہیں فردوسِ بریں میں

959 = 1360ھ

☆☆☆

تاریخ بہ یادگارِ انتقالِ پُر ملال

عالی جناب محمد ملتانی بادشاہ قادری مشائخ مرحوم ومغفور ساکن گلشن آباد، عرف میدک، ریاست حیدرآباد، دکن

عابد و زاہد محمد بادشاہ
قادری تھے شیخ کہلاتے تھے آہ

پنج شنبہ کو گیے سوئے جناں
بے محابا، بے دریغ و شادماں

دس ربیع الثانی، نو جون کی
چار تاریخ امرداد حیف تھی

گلشن آباد آج سُونا ہو گیا
ایک بلبل تھا یہاں سے جو گیا

فکر جب تاریخِ رحلت کی ہوئی
عیسوی و ہجری و فصلی لکھی

''عفوِ تقصیرات'' ہجری کا ہے سن
1357ھ
''فضل میں اللہُ اِغفر'' لکھ حسنؔ
1347ف

عیسوی میں سالِ رحلت ہے یہ آہ
عندلیب اُو منِ جنّت بادشاہ
1938ء

☆☆☆

نوٹ:

بتاریخ 10 جون 1938ء بمقام میدک حسب فرمایش مخدوم قادری وکیل میدک بہ سفارش عزیزم مولوی امیر الدین حیدر صاحب ساکن موضع کٹیلہ ضلع غازی پور، حال ٹھیکیدار میدک، ریاست حیدرآباد، دکن نوشتہ۔

حاجی حافظ محمد علی قاری

ترتیب

☆☆☆

ہمارے پَرداداموولوی محمد علی قارؔی سرولوی، غازی پوری

مولوی حافظ محمد علی کاذِکر ''تذکرۂ مشاہیرِ غازی پور''
(تالیف: عزیزالحسن صدیقی غازی پوری)
کے صفحہ 249 پر درج ہے

''آپ ذی علم، متین اور باوقار بزرگ تھے۔ اچھے شاعر وادیب تھے۔ آپ کا مطبوعہ فارسی دیوان ''کلیاتِ قارؔی'' آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزندِار جمند حاجی مولوی ابوالحسن نے 1349ھ (1931ء) میں چھپوا کر دیا تھا۔ یہ دیوان محمد مقتدیٰ خان کی نگرانی میں مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ میں طبع ہوا۔

آپ موضع سرولی عرف پہتیا ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے اور نسباً شیخ صدیقی تھے۔ سلسلۂ پدری خواجہ عبیداللہ احرار تک اور سلسلۂ مادری حضرت خواجہ سیّد بندہ نواز گیسو دراز تک پہنچتا ہے۔ آپ جس طرح علومِ شرقی میں کمال رکھتے تھے اسی طرح علومِ مغربی میں بھی آپ کو پوری دستگاہ حاصل تھی اور آپ کے اعزّہ کو بھی یہ کمال حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کے بھتیجے مولوی محمد یحییٰ بیرسٹرایٹ لاگوالیار میں جج تھے اور حاجی مولوی ابوالحسن آئی ای ایس انسپکٹر آف مدارس پھر کشمیر میں

ڈائریکٹر آف ایجوکیشن رہے۔ آپ نے ایک مدت تک عدالتِ دیوانی میں وکالت کی۔ بعد میں چھوڑ دیا۔ ابتدا ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ سولہ سال کی عمر میں ملا محمد احسن بلگرامی مرحوم کی شاگردی اختیار کی اور کلام کی اصلاح لی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں غزلیں کہا کرتے تھے اور قادر الکلام شاعر تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کے فارسی دیوان کا آخری حصہ تاریخ ہائے وفات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں شیخ الہند کی وفات پر آپ نے جو مرثیہ لکھا تھا، موجود ہے جس سے آپ کی شیخ سے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ سنِ وفات کا علم نہ ہوسکا۔"

☆☆☆

مَیں یہاں اپنے پَردادا مرحوم کی تاریخ وفات لکھنا چاہوں گی۔ آپ کا انتقالِ پُرملال 26 نومبر 1935ء مطابق 29 شعبان 1354ھ کو بمقام سرولی، ضلع غازی پور میں ہوا۔ میرے والد نے اپنے دادا کا قطعہ تاریخِ وفات لکھا ہے جسے مَیں نے پہلے "افکارِ حسن" اور پھر اس کتاب میں بھی شامل کیا ہے۔

آپ کے انتقال سے متعلق جو حقائق میرے علم میں آئے وہ کچھ یوں ہیں کہ آپ آخری عمر میں خاصے بیمار تھے اور اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف محسوس کرتے تھے۔ میری دادی اشرف النساء اُن کی بھانجی بھی تھیں اور بہو بھی۔ وہ اُن کی تیمارداری بڑی محبت اور احتیاط کے ساتھ کرتی تھیں۔ ایک دن مغرب کا وقت ہوا تب مولوی صاحب نماز کے لیے اٹھے۔ اُس دن اُن کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔ میری دادی نے اُن سے کہا ماموں جان آپ ہر نماز میں بستر سے اٹھتے ہیں، تخت تک جاتے ہیں، آپ کو زحمت ہوتی ہے۔ ایسا کریں بستر پر ہی فرض ادا کرلیا کریں۔

آپ تخت تک پہنچ چکے تھے، جواباً کہا۔ اچھا بھئی تم کہتی ہو کہ مَیں آتا جاتا ہوں۔ تو اب واپس نہیں جاؤں گا بستر پر۔ تین فرض پڑھنے کے بعد آپ نے سنت کے سجدے میں جا کر ابھی سورۃ الحمد ہی پڑھی ہوگی کہ پھر سر نہیں اٹھایا۔ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔

اپنے کہنے کے مطابق واپس بستر پر نہیں گئے۔

مُرتّب

حسن عبداللہ حسنؔ

جدِّ بزرگوارم حاجی حافظ مولوی محمد علی صاحب مرحوم

بہ مقام سرولی عرف پہتیا، بوقت شام، در نماز مغرب بعد ادائے فرض
بہ حالتِ سجدہ، بروز سہ شنبہ، بتاریخ 26 نومبر 1935ء
مطابق 29 شعبان 1354ھ رحلت کرد

سالِ رحلت

لفظ جدّ کے ساتھ آیت "کُـلُّ نـفـس" کی حسنؔ
7 + 1928 = 1935ء

پڑھ کے مَیں نے عیسوی میں سالِ رحلت لکھ دیا

"مقرب ظِلِّ یزدانی"
1354ھ

حافظ خموش
1935ء

حسن عبداللہ حسنؔ

اپنے دادا کے نام
قطعۂ تاریخ

بیادگار سالِ وفات جناب حاجی حافظ محمد علی صاحب قاریؔ مرحوم و مغفور

انتقال پُر ملال بتاریخ 26 نومبر 1935ء مطابق 29 شعبان 1354ھ

بمقام سرولی، ضلع غازی پور

مولوی و حاجی و حافظ محمد یا علی
فارسی میں شاعری کرتے تھے قاریؔ نام تھا

مُنصفی کے اپنے ہم عصروں میں تھے نامی وکیل
شاعری میں اُن کا ہمسر دُوسرا کوئی نہ تھا

درد کچھ ایسا اٹھا سینے میں اُن کے دفعتاً
صبح تک بے چین تھے وہ درد بڑھتا ہی گیا

نو بجے ہوں گے شبِ سہ شنبہ کو سوئے وہ جب
درد جب پیدا ہوا بارہ بجے کا وقت تھا

درد میں تخفیف وقتِ صبح کچھ ہونے لگی
جُملہ معمولات سے فارغ ہوئے کھایا پیا

پھر بہ یک ناگاہ اُن کی سانس میں تیزی ہوئی
سانس گو جانکاہ تھی اُن کو دمہ ہرگز نہ تھا

اپنے ہاتھوں کام سب چھوٹا بڑا کرتے رہے
کُل نمازیں بھی ادا کیں عُذرِ معذوری نہ تھا

خُوش دلی کے ساتھ سب سے بولتے ہنستے رہے
کھیلتے بچوں سے تھے آرام گو پل بھر نہ تھا

ہاتھ باندھا فرضِ مغرب پڑھ کر سنّت کے لیے
سُورتِ الحمد میں سجدہ کناں سر جھک گیا

روزِ سہ شنبہ نومبر کی تھی چھبیس حیف
اے حسؔن سایہ جب اپنے سر سے اُن کا اُٹھ گیا

لفظ ''جد'' کے ساتھ آیت کُلُّ نَفْس کی حسؔن
1935ء
پڑھ کے مَیں نے سالِ رحلت عیسوی میں لکھ دیا

سالِ ہجری ''مقرب ظلِ یزدانی'' شُد
1354ھ
سالِ عیسوی ''حافظ خموش''
1935ء

☆☆☆

إنّ من الشعر لحکمۃ و إنّ من البیان لسحرا

الحمد للہ کہ دیوانِ بلاغت عنوان فصاحت توامان از نتیجۂ افکار سعدی زبان جامی لسان علامۂ روزگار
حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ محمد علی صاحب متخلص بہ قاری مولوی غازی پوری سلمہ اللہ و دام اللہ برکاتہ

کلیاتِ قاری

مسمّٰی باسم تاریخی

اشراقاتِ دلِ قاری

سنہ ۱۳۴۸ھ

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

در مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء طبع گردید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حمد و نعت و منقبت را پایہ بیروں از بیاں　　کہ باندازِ زمیں آید فراخِ آسماں
چوں کنم وصفِ کلامِ قاریِ معجز نگار　　بے زباں دل آمد و آمد چو بیدل زباں
نے بآں و نے بایں یارا چو داری اے نگار　　بہ بود اینک کہ ہیچ سوئے دیباچہ عناں

غزل سرائیِ مدحت و ثنا برائے ناظمِ دیوانِ قضا و قدر واجب کہ بنائے عالم بر ارکانِ رباعیِ عناصر فرو گذاشتہ و در مثلث موالید انسان ضعیف البنیان را بعطائے خمسۂ حواس از خاک بر افلاک بر داشتہ و در ردیف حمد نعت بے منتہیٰ شاہ بیت قصیدۂ رسالت را مناسب کہ مطلع وجود و شہود و مقطع صفوت و نبوت بودہ و باوصف

۲

اُمیت قافیہ سنجانِ عرب را قافیۂ سخن تنگ فرمودہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

امابعد کمترین خاکسار سید قطب الدین فگار چشتی نیازی نظامی خادم آستانۂ چشتیہ نیازیہ غازی پور می گوید کہ بر ضمائرِ اربابِ بصائر نہفتہ نیست کہ جواہر زواہر الفاظِ منظوم حسنِ شاہدِ معنی را دوبالا می گردانند و موزونیٔ سخن رتبۂ کلام را تا جہا می رسانند۔ ازینجاست کہ گفتہ اند۔ ع

خوش ست نثر ولے شانِ نظم افزون ست

طبیعتِ انسانی بہ استلذاذ لذائذِ نظم بیش از نثر مجبول ست و شنفتن و گفتن آں از حضرات انبیا و ائمۂ ہدا علیہم التحیۃ والثنا منقول۔ بر قول مشہور حضرت ابوالبشر علیہ السلام ناظم اولین ست چنانچہ حضرت امیر خسروؒ را ترانۂ افتخار چنین ست ؎

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم

دل باین محنت نہ از خود دادہ ایم

دیگرے می گوید ؎

آں کہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود

طبعِ موزوں حجتِ فرزندیٔ آدم بود

و عطائے ردائے مبارک در جایزۂ سخن و دعائے تائید بروح القدس در حق حسّانؓ از سرورِ عالم صلعم بپایۂ صحت رسیدہ و بہ تحسین حضرت نبوی صلعم جناب خاتم الخلفا

۳

و دیگر فیض یابانِ مجلسِ صفا فرائدِ شاہوار بسلکِ نظم کشیدہ - ازین ست کہ اکابر علما و فحولِ اتقیا نبذے از اوقاتِ شریفِ خود را صرفِ این شغل فرمودہ اند و نکاتِ حکمت و رموزِ ہدایت بر حسبِ رغبتِ طبائع در پیرایۂ خط و خالِ شاہدان وا نمودہ

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

در پردہ سخن زدن از آدابِ پند و موعظت ست و تعریض بر فرو کنایت عین بلاغت لہذا باقتضاے آثارِ متقدمین و اقتداے سلفِ صالحین قدوۂ اربابِ فضل و کمال گام زن براہِ سعدیؒ و قدم فرسا بر جادۂ خسروؒ و جامیؒ، قاریِ شیریں زباں حافظِ معجز بیاں حضرتِ اوستاذی برادر عمہ زادِ من کہ نامِ نامی شاں حاجی مولوی حافظ محمد علی ست و تخلصِ شاں قادری، وطنش موضع سرولی عرف ہیتیا ست از مضافاتِ ضلع غازی پور حسبِ موزونیِ طبعِ فطری جواہر زواہرِ معانی را بآب و تابِ الفاظ ترکیب دادہ اند - و دودمانش نسباً شیخ صدیقی ست سلسلۂ پدری با خواجہ عبید اللہ احرار و سلسلۂ مادری بہ خواجہ سید بندہ نواز گیسو دراز می رسد و حسباً از ہر نمط علو یافتہ - بیشتر افراد بعہدِ سلاطینِ ماضیہ و بہ زمانۂ گورنمنٹ انگلشیہ بعہدہ ہاے جلیلہ فائز و ممتاز بودند و ہستند و بصلۂ خیر خواہی از سرکار انگریزی خلعت ہاے فاخرہ و جاگیر ہا یافتند - و ابا عن جدٍ چناں کہ در علومِ مشرقی کمال می داشتند

۴

دریں زماں ہم بعلومِ مغربی کامل دستگاہ می دارند الحال بیشتر افرادِ خاندانی بمدارج بی اے و ایم اے و ال ال بی فائز ہستند۔ برادر زادۂ ایشان مسٹر محمد یحییٰ بیرسٹرایٹ لا جج و مجسٹریٹ ضلع در ریاست گوالیار و فرزند دلبند شان حاجی مولوی محمد ابو الحسن بی اے آئی ای ایس انسپکٹر اسکولہا ہستند۔ خود شان در علوم شرقی کمال دارند و تا یک مدت وکالت عدالت دیوانی بکمال شہرت و اعزاز کردہ باوصف قوت کار ترک نمودند۔ در نظم بعمر شانزدہ سالگی بمولانا محمد احسن صاحب مرحوم بلگرامی تلمذ گرفتند و اصلاح محض بر چند غزل فارسی شدہ بود کہ از اوستاد ہجراں گردید ایدون ہر آنچہ ہست بے اصلاح ست۔ بیشتر غزل در مشاعرۂ اردو بہ تبدیل مصرع طرح بزبان فارسی غزل بفارسی گفتہ اند چنانچہ مصرع طرح اردو بر حاشیہ غزلِ فارسی ثبت ست و بر مصرع تبدیل شدہ بفارسی خط کشیدہ شدہ تا عیاں گردد کہ چہ بود و چہ شد و در تاریخ گوئی ہم کمالے و مہارتے خاص دارند کہ در ہیچ کس شنیدہ و دیدہ نہ شدہ و آں این ست کہ نخستیں اشعار متضمن سوانح در ہر بحر و قافیہ کہ می خواہند تمام می کنند۔ پس مادۂ تاریخ بہماں وزن و قافیہ از مصرعے کہ می خواہند بر می آرند۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ نمونہ ازاں ہا دریں کلیات دادند و بیش از بیش در بیاض گزاشتند۔

با ایں ہمہ کمال شاعری کلام خود را چاپ دادن روا نمی داشتند و اصرار

۵

مایاں را بہ لیت و لعل می گزاشتند۔ بارے الحمد للہ کہ از اصرار برادر زادۂ خود و پامردیِ فرزندارجمند خویش مجبور گشتند و من ہیچمیرز را دیباچہ نویسی نصیب آمد۔ ممدوح را اگر تلمیذ سعدیؒ و خسروؒ خوانم رواست و محاسنِ کلام را ستایش بہ نکتہ سنجانِ معانی حوالت کنم بجاست کہ من تا مبلغِ آں نمی رسم پس اہل آں نیستم الحق ع

ذرہ نتواند کہ سنجد حسنِ روئے آفتاب

ایں کتاب **کلّیات قاری** ست اما اسم تاریخی آں "اشراقاتِ دل قاری" ۱۳۴۸ھ مناسب می نماید۔ باری تعالیٰ ممدوح را برچار بالش امن و اماں تادیر متمکن داراد و عالمے را از فیوض و برکات ذات والا یش مستفیض گرداناد۔ بحرمت النبی صلعم و آلہ الامجاد آمین ثم آمین فثم آمین۔

———•—•⁘•—•———

نعتِ سرورِ کائنات

سلطانِ جہاں جنابِ احمدؐ — سردارِ جہانیاں محمدؐ
مکی مدنی و شاہِ کونین — اورنگ نشینِ قابَ قوسین
از باغِ وجود اولین گل — مختارِ خدا و سیّدِ کل
یکتا گہرے ز بہرِ تخلیق — اعلیٰ گہرے ز چرخِ تحقیق
بسم اللہِ دفترِ نبوت — ہم ختمِ رسالۂ رسالت
مقصود و مرادِ آفرینش — منظورِ نگاہِ عقل و بینش
اکسیرِ مسِ قلوبِ عالم — از آدم و فخرِ جانِ آدم
قبلہ پئے طاعتِ جنانہا — کعبہ ز پئے قلوبِ جانہا
مسجودِ ملک بروزِ اول — پیش از ہمہ کاملیں مکمل
از بہرِ جہاں ستارۂ بخت — در روزِ نشور صاحبِ تخت
تسکین دہِ تشنگانِ محشر — ساقیِ شرابِ حوضِ کوثر
از دُرجِ صفا دُرِ یتیمے — وز برجِ ہدا مہِ قدیمے
مہرِ عجم و مہِ عرب ہم — خاکِ درش افسرِ کے و جم
نورِ رخِ دین و قلبِ ایماں — سوزِ دل و جانِ پاکبازاں

نیاز نامہ بجناب مستطاب نواب صدر یار جنگ مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ در ۱۹۲۸ء

پیشِ کسیکہ آمد مستغنی از ثنا ہا | عرضہ دہم سلام و گویم پس از دعا ہا
کلکِ خواجہ یادت آمد چوں مستمندِ دیریں | از وے فدائے لطفت صد گونہ جانِ شیریں
اے واہ یادِ بندہ را تا چہا فزودی | خود نورِ چشم ما را پیغامبر نمودی
پیغمبرِ تو ایں ہم پیغام در رسانده | کاں ناظمِ یگانہ از من کلام خوانده
کالائے ہیچ نذرِ سلطاں۔ گدا چہ سازد | بیچارہ بر بساطِ ناکارہ اش چہ نازد
اما کجاست یارا از حکم سرکشی را | فرماں بری ز بندہ سرمایہ سرخوشی را
ز اصنافِ نظم چیزے ایدون بہ پیشت آرم | وز لطفِ عالیِ تو اصلاح امید دارم
خورشید چوں نگاہے از مہر بر فروزد | ذرہ برقص آید صد مایہ شکر توزد
اما ز صد ہزاراں یک شکر کے تواند | گرچہ زبانِ حالِ خود تیز تیز راند
حالا رجا ز خواجہ ایں ہم بود رہی را | در کارِ بندہ آرد الطافِ خسروی را
دُرہائے بحرِ معنی کاں در خزینہ دارد | در دامنِ دو چشم چیزے ازاں گزارد

ایں لطف دیگرے را ہم شکر ہا بگویم
اقبال و عمرِ خواجہ بیش از خدا بجویم

۱۵۴

قطعۂ بدیع سالِ حج مولانا سید سلیمان اشرف

سنہ ۱۳۴۶ھ

چو سید سلیمان اشرف زحج — مشرف شدہ شرف بر شرف یافت
سپس رنگ از شرفِ طیبہ گرفت — چو بر عتبۂ جانِ جاں طرف یافت
رفاقت بہ مام و بہ اہلیہ ساخت — بخود ہر دو را بہتریں حرف یافت
چو باز آمدند اہلیہ شد بہ خلد — وگر چند ازیں سانحہ صرف یافت
مگر کار بگرفت از صبر و شکر — چہا مایہ عالی زحق ظرف یافت

بہ ہجری زقاری شنو سالِ حج
بلے سید ما زحج ترف یافت
۱۳۴۶

قطعۂ سالِ وصالِ شاہ محی الدین احمد سجادہ نشین خانقاہِ نیازیہ نظامیہ بریلی

شاہ محی الدین احمد جانشینِ نیکواں ہمچو مہر و ماہ روز و شب ضیا بخشِ جہاں
بود بر سجادۂ شاہِ نظام الدین حسین در بریلی و ہر سو نورِ فیضش ضوفشاں
ہر کہ دستِ خود بدستش داد و دستش شد دراز تا بدامانِ جناب سیدِ ہر انس و جاں
از خفا پردہ بروے حسنِ باطن داشتہ کز ہجومِ غیر وقتِ او نہ گردد رائگاں
ہاں بخاصاں دادے آں جلوہ کہ جانِ روح بود کیفِ آں لذت نداند جز قلوبِ طالباں
در دوشنبہ شب بہ بست و ہفتم از اول ربیع بود اندر عرسِ شاہ منتقل آں شاہِ زماں
بہرِ نامِ شاہ منتقل آمدہ اول چراغ زاں پس آمد علی گشتہ ازاں روشن رواں
گرم آمد محفل از کیفِ سرود و نغمہ ہا شاہِ ما اندر سماعِ خاص با ذوقِ جناں
حکم با قوال دادہ ایں کہ ہاں نغمہ زند زاں غزل کاں زا بود ایں مطلعِ رحمت نشاں

باشد ایمانِ مسلماں مصحفِ روئے علی
سجدہ گاہِ ماست محرابِ دو ابروئے علی

چوں نبودہ ایں غزل قوال را در ضبطِ یاد با ادب اندر حضورش پیش کردہ عذرِ آں
پس نمود ارشاد با ہمشیر زادِ خویشتن کاں ظہور اللہ شاہ ہست اہلِ دل در سلکِ آں
گشت از و تکرارِ آں مطلع بالحانِ لطیف مصرعِ ثانی خود او ہم خواند چوں سجدہ کناں

آمدہ در سجدہ پیغامِ وصالِ دلربا شش ‏ گشتہ بیخود ساختہ جاں را نثارِ جانِ جاں
در رسید اندر حریمِ خاص قربِ لم یزل ‏ داشت فکرت بہرِ وصلت شد نصیبش در زماں
روشن او را جان و دل از وصلِ جاناں شد مگر ‏ تیرہ از ہجرانِ او ما را زمین و آسماں
قطعۂ تاریخ وصلش شاعرانِ ذی کمال ‏ گفتہ باشند آنکہ باشد دل پذیر و دل ستاں
خال زاد اخ عزیزم شاہ قطب الدین حسین[1] ‏ کرد مجبورم کہ گویم گرچہ ام کج مج بیاں
قطعہ گفتم خواستم چوں مصرعِ سال از سروش ‏ کاں دگر است اندر فکرِ صعبِ شاعراں

گفت اے قادری ہجری سالِ وصلِ او بگو
جائے او جائے سکون کانرا نثار آمد جناں

۱۳۲۳ھ

داستانِ رنج و غم را چوں نباشد انتہا ‏ واجب آمد ایں کہ پیچم سوئے خوشحالی زباں
جانشینِ او بحکمِ حق عزیز او شدہ است ‏ ہست پورِ دخترش خورشید ہیچ دودماں
نام ہم او را عزیزا حضور و ما ہمہ ‏ از محبت و ز ادب ضم می کنیمش بر میاں

کار را جد ادش خدایا در سلوک از وے بگیر
شادماں ہموارہ او را دار با امن و اماں

—·—·◦·—·—

---

[1] ساکن شہر غازی پور محلہ شاہی پورہ ۱۲

☆اشرف النساء کے والد

قطعۂ سالِ رحلت مولٰنا محمود الحسن صاحب شیخ الہند

چو اسلافِ اولوالعزم کہن رفت | چگویم ہائے دل سوزے زمن رفت
بحالِ ہندیاں شفقت طرازے | بری از حیلہائے ما و من رفت
زکس او را نبودہ ترس و بیمے | بہ بے باکی براہِ ذوالمنن رفت
چو بلبل نغمہ زن آمد بآفاق | زبانِ شورِ ہر زاغ و زغن رفت
تنِ ہندوستاں بے جاں شدہ حیف | کہ جانِ پاک وصاف آں زاں تن رفت
رمہ بودیم و راعی بود ذاتش | زہر گشن ہر طرف گرگِ فتن رفت

بتاریخ وصالش گفت قادری
شبانِ ہند محمود الحسن رفت

۱۳۳۹ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ قرآن کریم با ترجمۂ مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحؒ

ماہرانِ علمِ تازی کم زکم چوں گشتہ اند ۔۔۔ از جہالت ہر طرف برخواستہ شورِ فتن

ترجمہ قرآن رافرمود شیخ الہند ما ۔۔۔ نام شاں بودہ است مولانائے محمود الحسن

از تراجم ہائے دیگر گوئے خوبی در ربود ۔۔۔ نیک تر بادش جزا از فضلِ ربِّ ذوالمنن

آنکہ از بجنور اخبار مدینہ جاری است ۔۔۔ مالکش در کارہائے خیر بازو جان و تن

طبعِ قرآنِ مترجم راکنوں دل بستہ است ۔۔۔ بہرِ فہم ما کہ بے بہرہ شدیم از علم و فن

عیسوی و ہجری و فصلی و سمت ہر چہار ۔۔۔ بہرِ سالِ طبع ملہم گفت اے قاری بمین

بام قرآں فوق از توریت و انجیل و زبور ۔۔۔ مومنین را ہادی پُر نورِ قرآنِ حسن

سنہ ۱۹۲۵ء ۔۔۔ سنہ ۱۳۴۴ھ

ژندو استا شد بباز از اعجازِ جامیِ قرآن ۔۔۔ شاستر ہم وید شد از کبرِ قرآں بے دہن

سنہ ۱۳۳۳ فصلی ۔۔۔ سمت ۱۹۸۲

مرثیہ مولوی عبد الصمد بہ پنجاہ و پنج ابیات ہم عددِ سنِ اجلِ او

سنہ ۱۹۰۳ء

از محمد علی قاری برادرِ کہین آں آسودۂ علیین

سنہ ۱۳۱۰ فصلی

جہاں تیرہ و تار از بہر چیست
زمانہ پر اندوہ از دردِ کیست

زمیں از چہ غلطید بر خاکِ غم
زد آتش بافلاک برقِ الم

اگر روز ہست آں ز شب بدتر ست
دگر شب ز انجم بدل اخگر ست

نہ در تن توان و نہ در دل سکوں
رواں ست از دیدہا جوے خوں

نشانے نماندہ ز سور و سرور
فغانہا رسیدہ ز نزدیک و دور

بگیتی نماند آہ عبد الصمد
ملک خو فلک جاہ عبد الصمد

کمال و شرف را بد و ناز ہا
نوال و کرم را بد و سازہا

۱۶۶

بہر انجمن صدرِ فرماں روا | ہر گل زمیں بلبلِ خوش نوا
بسا در دلش ذوقِ سیر و سفر | بصد جاہ و تمکنت بصد کرّ و فر
ہر گوشۂ ہند آوازہ اش | کہ راندہ بہر سمت جمازہ اش
نہ تنہا دریں ملک ہندوستاں | کہ نامش گرفت از کراں تا کراں
بہ نثر آں چناں داشت زورِ قلم | کہ ہم پنجہ اش در جہاں بود کم
کمالش بہ نظم ارچہ بود از نخست | تلمذ بہ آسی زلبس کرد چست
مگر گفتہ اش را نیاندوختہ | ز آموزگار ایں ہم آموختہ
نہ مانند ہر کس وکالت نمود | بصد سروری و جلالت نمود
بہر بورڈ بودہ بد و ممبری | بہ ہیچ آمد از بہرِ او افسری
زوالیں چیرمینی امرش بلند | بہ درباریاں عمدہ و ارجمند
نہ خانِ بہادر خطابش رسید | بجاں با ختن انتخابش رسید
ز حکام تا عامیٔ سوگوار | ہمہ را بہر کار حاجت برآر
بہ پیشش کہین و مہین سرنگوں | مگر خویشتن را ندیدہ فزوں
چہ اسلامیان و چہ ہندوکساں | ہمہ گوش بودند و بود او زباں
چناں داشتہ سروریِ ہمہ | کہ او ہمچو راعی ہمہ چوں رمہ
بلطف و کرم فرقِ ملت نداشت | کہ انعامِ او عام و علت نداشت
تلطف با حباب و یاراں مدام | مدارا با عدائے بدیں تمام
دو کس را اگر جنگ بودے دراز | کشادے بر انہا درِ صلح باز
مگر مزد خواہاں نگشتے بداں | عزیزاں یکے دید و ہماں فلاں

۱۷۷

زمانہ گرفتش بسے آزموں فریبے نخوردہ ز دنیائے دوں

غیوریش او را ہمی داشت سیر نیاورد دستش ز بالا بہ زیر

شدہ از مہ مارچ چوں بست و پنج ز فالج شدہ امیش رنج سنج

مگر زود گشتہ علاجِ جمیل[۱] پس اندازیِ رنج او را کفیل

زباں شد بقا بود دستش بکار بر فتار شد پاش ہم استوار

بنومیدی اُمید شد جلوہ گر وے آسماں باخت نردِ دگر

چو لبت و سہ[۳۳] از جون گشت آشکار ہموں مادّہ ریختش بر لیار

بدیں نوبت آں مایہ محکم رسید کہ چارہ گرش باز چارہ ندید

بسے دست و پا زد بسے جہد کرد مگر با قضا چوں شود ہم نبرد

سوم روز شد خاتمت ہائے حیف الم بر زمانہ علَم کرد سیف

رسیدش چو پنجاہ و پنج[۵۵] از سنیں برید از جہاں شد بخلد بریں

از ابیات اشعار پنجاہ و پنج دریں نوحہ سر بسر درد و رنج

ہر جانب از شیون و نالہا تو گوئی کہ عالم گرفتہ بلا

ز تعطیلِ غم رنگ دیوان شکست کشیدند حکام از کار دست

دویدند پیر و جواں بہرِ دید کہ در دم نہاں ہست روے سعید

نہ اسلامیاں صرف ہم ہندواں نہادند بر دوش نعشش دواں

بہ ہمپایِ نعشش انبوہ جمع چو پروانہا گرد تابندہ شمع

بغازی پور او دل نوازش شدہ کہ بر چرخ سوز و گدازش شدہ

---

[۱] اشارہ ہست بہ حکیم جمیل الدین ۱۲

۱۷۸

پس نعش بردند سوئے وطن | سرِ ولی شد اے واے دار المحن
نمازش دگر اندراں جائگاه | ادا کرده در گور کردند آه
چه می پرسی اے قادی خسته حال | ز سالِ وصال و ز حسنِ مآل
دلم مضطرب بود و بے تاب و وش | ز حق در دعا در رجا از سروش
که مصراعِ روشن ز خورشید تافت
حیاتِ ابد عیشِ جاوید یافت

۱۳۲۱ھ

غم آں مایه و شکرِ خالق بدیں | که بگذاشت فرزند را جانشیں
که یحییٰ بود نام نامیِ او | سمر در جہاں نیک نامیِ او
به انگلینڈ تا ہفتده سال بود | امیرانه با فر و اقبال بود
بهر بابِ او فتح باب آمده | به بیرسٹری کامیاب آمده
چو ماهِ نہم آمد از مقدمش | فلک بر سر انداخت کوهِ غمش
خدا اش کرم گستر و یار باد
ازاں کش نباید نگهدار باد

۱۸۱

سالِ دیباجۂ وصال محمد عبد الرب ابن محمد ابو الحسن بن محمد علی ولد مولوی محمد سعید مرحوم

۱۹۲۳ء

چاردہ سالہ را کمال اللہ — دل ربودہ ز ہمگناں با دب

ہر دل از دیدِ او طرب انگیز — باب و مامش اگر فدا چہ عجب

در دو شنبہ بہ بست و پنج از عید — حیف در باخت جاں بشدتِ تب

قادرِ زار سالِ ہجری گفت

قربِ رب یافت جلد عبد الرب☆

۱۳۴۱ھ

☆ ہمارے چچا جن کا انتقال چودہ سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔

(مرتب)

حسن عبداللہ حسنؒ

یادگار کنواں

ہے کنواں یادگارِ رحمؒ اللہ
حال پر اُن کے رحم ہو اللہ

تھی محمد علی کو فکر اِس کی
اُن کے دم سے یہ یادگار رہی

بعد اُن کے ابوالحسن ذی جاہ
نیک دل نیک طینت ۔ عالی جاہ

جن سے سب خاص و عام راضی ہیں
جو زمانے کے فخرِ رازی ہیں

اُن کی خواہش ہوئی بصرفِ کثیر
ہو نئے سرے سے اِس کی پھر تعمیر

پیسہ اُن کا شعیب کی محنت
چونکہ دونوں کی نیک تھی نیّت

پانی ایسا لطیف اور شیریں
کہ اِس کے اطراف میں کہیں بھی نہیں

فکرِ تاریخ عیسوی تھی حسنؔ
مَیں نہ شاعر نہ کوئی ماہرِ فن

پانی پی کر سمجھ میں آئی بات
''آستاں بوس آبِ شاخِ نبات''
1937ء

ہو تر و تازہ جس سے قلب و دماغ
سال ہجری ہے بابِ ''چشمۂ باغ''
1356ھ

ہے اِسی ایک نام سے جاری
ہاں یہ چشمہ عرب میں بیرِ علی

ایسے محسن ہمیشہ رہتے ہیں
فیضِ جاری اِسی کو کہتے ہیں

سب کے لب پر یہی ہے شام و پگاہ
یہ رہیں شاد و بامُراد اللہ

☆☆☆

☆ جدّ امجد
سرولی عرف پہتیا کا ایک یادگار کنواں جس کی تعمیر اور دیکھ بھال
حاجی مولوی ابوالحسن آئی ای ایس کی مرہونِ منّت ہے۔
حافظ محمد علی دادا اور ابوالحسن والد ہیں۔
1937ء

حاجی مولوی ابوالحسن

ہمارے دادا

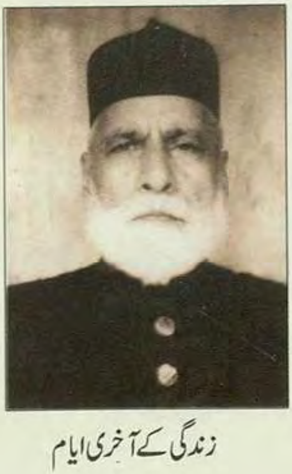
حاجی مولوی ابوالحسن (آئی ای ایس)



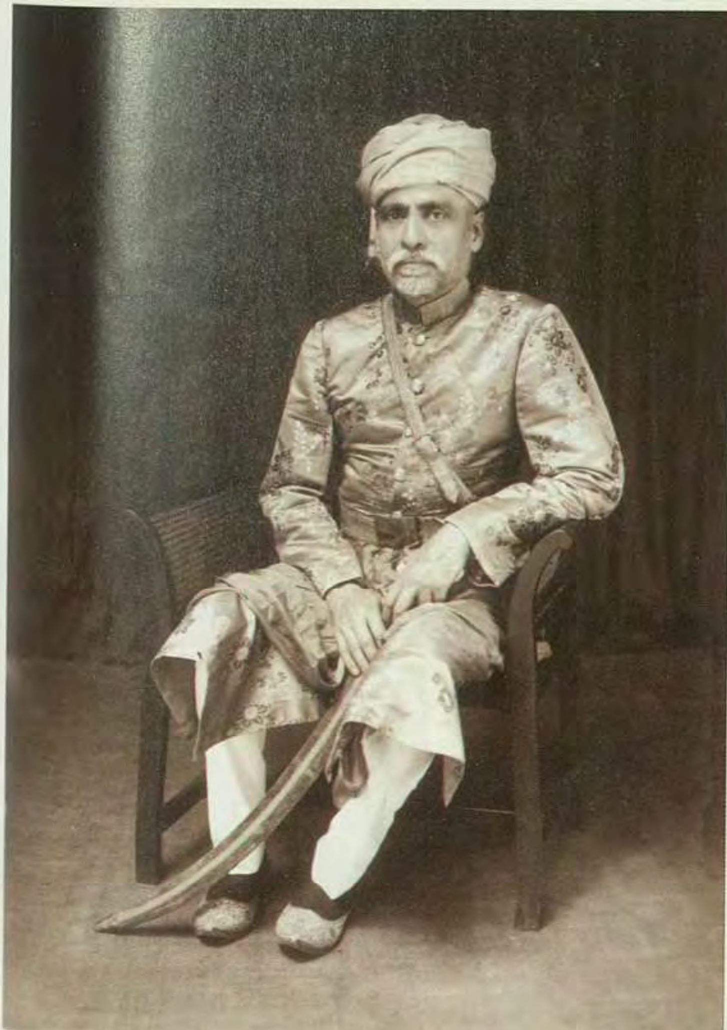
جوانی کی تصویر



آرام کی حالت میں



زندگی کے آخری ایام

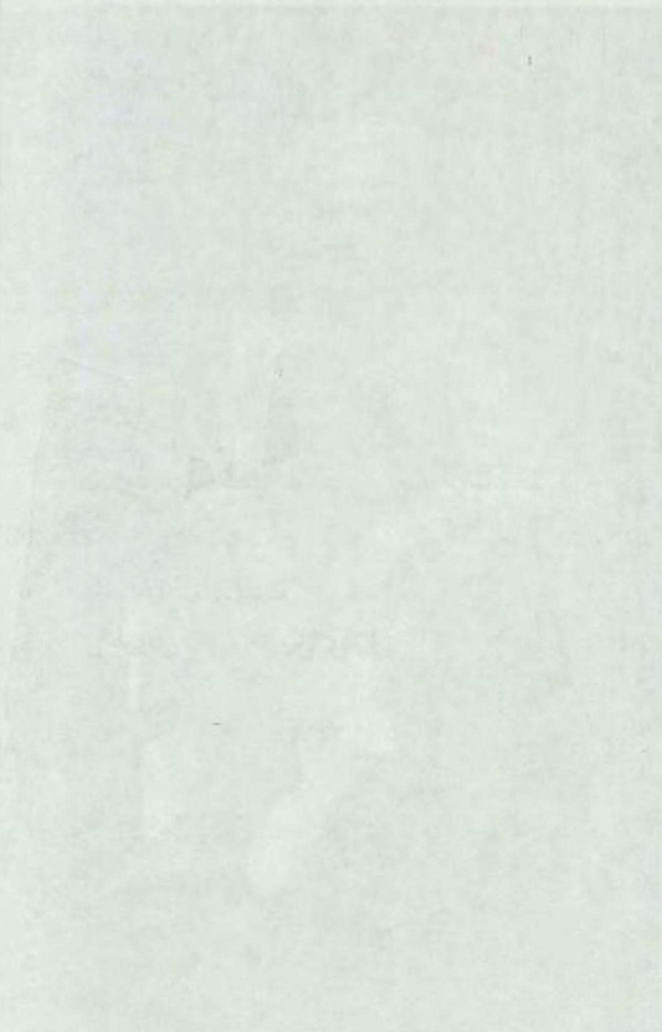


حاجی مولوی ابوالحسن، آئی ای ایس

(یہ تصویر کشمیر دربار میں لی گئی۔ جب وہ ریاست جموں وکشمیر میں محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر تھے)

ترتیب

☆☆☆



ہمارے دادا مولوی ابوالحسن

ان کا ذکر "تذکرۂ مشاہیرِ غازی پور"
(مؤلف، عزیز الحسن صدیقی)
کے صفحہ 165 پر درج ہے

"حاجی مولوی ابوالحسن بن مولوی محمد علی قارئ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باوضع و بااصول آدمی تھے۔ شکل وصورت، وضع قطع اور داڑھی بالکل مولانا آزاد جیسی تھی۔ طرزِ کلام بھی ان ہی جیسا تھا۔ اسلامی علوم کے ساتھ عصری علوم پر بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ سیرت و تاریخ ان کے خاص موضوع تھے۔ آئی ای ایس تھے۔ کشمیر میں ڈائرکٹر آف ایجوکیشن رہ چکے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے۔ ابتدا میں اسی یونیورسٹی میں سائنس کے شعبے میں استاد بھی رہ چکے تھے۔ یونیورسٹی جب مدرستہ العلوم کے نام سے جانی جاتی تھی اس وقت اس میں اسسٹنٹ سیکریٹری کے عہدے پر فائز تھے۔ محلّہ مچھر ہٹہ میں سڑک کے کنارے ان کا مکان "حسن منزل" کے نام سے تھا۔ 1955ء میں ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے اور وہیں 1965ء میں بہ مقام کراچی انتقال ہوا۔"

نوٹ:

(یہاں میں اپنے دادا اور ابّا کی تاریخِ وفات کی تصحیح کرنا چاہوں گی۔ دادا کا انتقال 16 جون 1965ء کو ہوا جبکہ کتاب میں 1957ء تحریر ہے۔ ابّا جان کا انتقال 14 ستمبر 1946ء کو ہوا جب کہ کتاب میں 1948ء تحریر ہے)

اس کتاب میں خاندان کے بیشتر بزرگوں کے بھی نام موجود ہوں گے۔ مَیں اُن کی تفصیل میں نہیں جا رہی ہوں۔

مُرتّب

□

نوشابہ صدیقی

وقت کا دل ——— مولوی ابوالحسن

گرومندر کی ڈسپنسری پر نظر پڑتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی سڑک کی جانب کھلنے والے کمرے کے اس ہلتے پردے کے پیچھے ایک بوڑھا جسم پورے عہد کو اپنی ذات میں سمیٹے خالقِ حقیقی سے لو لگائے لیٹا ہے۔ آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہے۔ اس کے گرد چند افراد ہیں خاموش اداس۔ مَیں کبھی اس ڈسپنسری کو نظر بھر کر نہ دیکھ سکی۔ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں ٹھہر نہیں سکی۔ مجھے وہ واقعہ یاد آجاتا ہے جو میری زندگی کا بڑا سانحہ ہے۔ مجھے میرے دادا میاں یاد آجاتے ہیں جنہوں نے اپنی آخری سانسیں یہیں پر لیں۔

میرے دادا میاں اپنے عہد کے بڑے بااثر شخص تھے۔ ہندوستان میں انسپکٹر آف اسکولز اور کالجز تھے۔ کشمیر اسٹیٹ میں ڈائریکٹر تعلیمات رہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں ریاضی اور سائنس کے پہلے پروفیسر تھے۔ نواب محسن الملک کے معتمد تھے جن کے ساتھیوں میں نواب مزمل اللہ، نواب اسحاق خان، نواب وقار الملک، سیّد سلیمان اشرف جیسے لوگوں کا نام آتا ہے۔ جو ڈاکٹر ضیاء الدین کے دوست تھے۔ جنہوں نے ٹی ماریسن، مولوی سمیع اللہ، مولوی مشتاق حسین پر اپنا گہرا اثر چھوڑا تھا۔ جن کی زندگی بے شمار واقعات کا محور رہی تھی۔ جو انگریزوں کے دور میں گنتی کے اُن مسلمانوں میں تھے جن کی دھاک ہر انگریز افسر کے دل پر جمی ہوئی تھی۔ وہی شخص اپنے عہد کے تمام انسانوں سے بچھڑ کر اِس ڈسپنسری میں اپنے خاندان کے تمام افراد کے درمیان بے حس و حرکت پڑا تھا۔ زندگی کی تمام عظمتیں اس کے قدموں تلے تھیں اور وہ آسمان پر اپنی نئی دنیا کے خاکے بنا رہا تھا۔

تاریخ میں کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں بڑا بنایا جاتا ہے اور بلاشبہ بعض ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنی کوششوں سے اپنا نام پیدا کرتی ہیں جبکہ قدرت بعض شخصیتوں کو خود بنا سنوار کر دنیا میں بھیجتی ہے۔

مولوی ابوالحسن کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اِن ہی حالات سے دوچار ہوئے۔ وہ ایک بڑی شخصیت بنا کر اس دنیا میں بھیجے گئے اور اس کے بعد انہوں نے بھی اپنے وجود سے غفلت نہیں برتی بلکہ اپنی زندگی کو برابر سنوارتے رہے، نکھارتے رہے اور اپنی زندگی کے درمیانی دور میں اُن کا وجود ہر طرح مہک رہا تھا۔ وہ ایک ایسے چھتنار درخت بن گئے تھے جس کا سایہ بڑا گہرا اور بڑا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ جو سرِ راہ جھومتا ہے اور ہر مسافر اُس کی گھنی چھاؤں تلے سانس لیتا ہے۔ اُن کی سانس کی ٹھنڈک اور پُرسکون چھاؤں سے پوری فضا مہک رہی تھی۔ وہ اپنی قوتوں سے ہر ایک میں توانائی بھر دینا چاہتے تھے۔ وہ اس ایمان کے ساتھ جیے کہ علم و اخلاق کی دولت لٹانے سے اور بڑھتی ہے۔ اخلاق و مروت کی تکرار سے شخصیت کا رنگ روپ اور نکھرتا ہے۔ وہ ساری زندگی علم و اخلاق کے خزانے لٹاتے رہے اور اُن کی زندگی کی آخری سانسوں تک اُن کی شخصیت میں نکھار آتا رہا۔

اُن کی زندگی کے اصول زندگی کے آخری لمحات میں بھی نہ بدل سکے۔ وہی سکون، وہی اطمینان اُن کے چہرے پر موت سے چند لمحے پہلے تک برستا رہا۔ وہ خدا سے براہِ راست لو لگائے بیٹھے تھے۔ موت کا خوف اُن کے چہرے پر دور دور تک نہ تھا۔ اپنی ضعیفی، اپنی بیماری اور اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اُن کی باتوں میں وہی چاشنی تھی۔ اُن کی آواز میں وہی رعب تھا۔ اُن کی قوتِ حافظہ کا وہی عالم تھا۔ اپنی علمیت کا وہی پرتو تھا اور اپنی دین داری کی وہی دھن تھی جس پر وہ ساری زندگی کاربند رہے۔ باتوں میں مٹھاس اور دل آویز مسکراہٹ سے ہر ایک کا استقبال کیا۔ اپنی تکلیفوں کا جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ اور حال پوچھنے والوں سے یہی کہتے رہے، ''اچھا ہوں''۔

حافظے سے اپنی زندگی کے اہم واقعات نہ بھلا سکے۔ اپنے دوستوں کو بسترِ مرگ پر بھی یاد کیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی تدفین کے واقعے کو دہراتے رہے۔ اپنے تمام دوستوں کے نام لیے۔ گویا

دوستی کی عظمت اور روایت انہوں نے آخری دم تک روا رکھی۔ رشتہ داروں کے ہجوم آتے رہے۔ ہر ایک سے یوں مخاطب ہوتے جیسے اُس وقت اُسی کا اُنہیں انتظار تھا۔ دعائیں اور نیک تمنائیں، بے دریغ لٹاتے رہے۔ امتحان کا زمانہ تھا۔ خاندان کے ہر طالب علم نے اُن سے اپنی اپنی کامیابی کی دعائیں لیں اور سب کامیاب ہو گئے۔

نوّے سال کے بوڑھے شخص نے ہر عمر کے انسانوں سے ویسا ہی رشتہ استوار کیا تھا جو دو ہم عمروں کا ہو سکتا ہے۔ بچے انہیں اپنا عزیز ترین دوست جانتے اور ان کے اردگرد یوں اکٹھے ہو جاتے جیسے کہ وہ کوئی مٹھائی کا ڈبہ ہوں۔

نوجوان اُن کے ساتھ مل کر ہنسی مذاق اور زندگی سے لطف اندوز ہوتے۔ زندگی کے قرینے اور ادب آداب سیکھتے۔ ادھیڑ دنیا سے ہٹ کر اُن مسائل پر گفتگو کرتے جو اُن کی عمر کا تقاضا بن چکے ہوتے۔ اور بوڑھے تو اُن کے ساتھ ہوتے ہی تھے۔ طالب علم اُن سے بہت کچھ سیکھ جاتے اور اَن پڑھ بہت کچھ سیکھنے کا شوق لے کر جدا ہوتے اور جب اُن کی عمر کا وہ ساتھی اُن کے قریب ہوتا جو اُن کا دوست ہوتا تب تو اُن کے چہرے کی دمک دیکھنے سے تعلق رکھتی۔ بابائے اردو سے وہ جی بھر کے باتیں کرتے۔ ورلڈ بینک کے شعیب صاحب جو بعد میں پاکستان کے وزیرِ خزانہ ہوئے اُن سے مل کر وہ اپنی استادی کے زمانے کو یاد کرتے۔ کشمیر روڈ پر عادل ہاؤس جا کر وہ اختر عادل سے یوں بغلگیر ہوتے کہ انہیں اپنی جوانی یاد آ جاتی۔ منظر عالم سے جنہیں ہم چچا کہتے مل کر بہت خوش ہوتے اور پاکستان کی سیاست پر گفتگو کرتے جو اُن کا شعبہ بھی نہیں تھا۔ اماں اور ہماری تینوں پھوپھیوں کے درمیان تو وہ سب کے ابا بن کر نہال ہو جاتے۔ پوتے، پوتیاں اور نواسے نواسیاں اُن کی جان تھے۔

اُن کی زندگی میں کتنی ہمہ گیریت تھی۔ اُن کی ذات کس قدر جامع تھی۔ خوش قسمتی اُن کا مقدر تھی۔ کامیابیوں اور کامرانیوں نے اُن کے قدم چومے تھے۔ اُنہوں نے اپنی زندگی کی تمام مہم کو بخوبی سر کر لیا تھا۔ وہ سارے خاندان کا محور تھے۔ سب اُن کے گرد گھومتے رہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اُنہوں نے نہ صرف اپنی زندگی کو کامیاب بنایا بلکہ نہ جانے کتنے بے سہارا لوگوں کو جینے کا قرینہ سکھایا۔ اُنہیں پڑھایا لکھایا اور یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ زندگی گزارنے کے لیے کسی

اصول کا ہونا ضروری ہے۔ وہ ساری زندگی اپنے اصول نبھاتے رہے۔ وفاداری، سچائی اور ذہانت اُن کی کامیاب زندگی کے تین ستون تھے۔ عمر کے اس دور میں آ کر قصے کہانیاں سنانا ہی اُن کا مشغلہ، ضعیفی اور پھر بینائی کی کمزوری اُنہیں کوئی عملی کام نہ کرنے پر مجبور کر چکے تھے۔ مگر اُس دور میں بھی اُنہوں نے کسی سے کبھی کچھ نہ مانگا۔ خود ہی اٹھ کر لے لیتے۔ وضو کے لیے بھی پانی خود حاصل کرتے۔ روزہ نماز بھی اسی باقاعدگی سے جاری تھا۔ چلتے میں کبھی لڑکھڑا جائیں اور کوئی اُنہیں سہارا دے دے یہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔ آخری عمر تک جمعے کی نماز کے لیے مسجد جانے پر اصرار کرتے۔ کوئی بچہ اُن کی رہبری کرتا۔ راستہ اس قدر پہچان گئے تھے کہ اگر کوئی کسی دوسرے راستے سے لے جاتا تو جان لیتے کہ یہ راستہ دوسرا ہے اور جھنجھلا جاتے۔ ''تم لوگ راستہ کیوں بدل لیتے ہو؟ پہلے بتاؤ اس راستے میں کیا خرابی ہے۔'' یوں چپکے چپکے مستقل مزاجی کی تربیت دیا کرتے۔ اپنے کمرے میں مخصوص کرسی پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتے۔ کوئی آہستہ سے بھی کمرے میں داخل ہو تو جان لیتے۔ اسے اپنے پاس بٹھا لیتے۔ اخبار سنتے یا خود کوئی قصہ چھیڑ دیتے۔ قصہ بھی کون سا اپنی زندگی کا۔ مجھے اُن کی زندگی کے کئی قصوں نے بہت متاثر کیا۔ قصے سے متعلق افراد کے نام تو بھول گئی لیکن خاکہ اب بھی موجود ہے۔ ایک بار اُنہوں نے بتایا۔ ہندوستان میں پہلی بار پنکھا آیا۔ ٹیبل فین جو بیٹری سے چلتا تھا۔ علی گڑھ میں یونیورسٹی سے متعلق کوئی ذمہ دار انگریز افسر تھے انہوں ہی نے منگایا تھا۔ پنکھا چلانے کی ترکیب ساتھ نہ تھی۔ انہوں نے ہر طرح کوشش کر لی کہ چل جائے لیکن نہ چلا۔ طے یہ پایا کہ یونیورسٹی کے سائنس پروفیسر کو بلایا جائے۔ لہٰذا وہ طلب کیے گئے۔ اب وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے۔ ''بھلا کاہے کو اس سائنس پروفیسر نے پنکھا دیکھا ہوگا۔'' اس زمانے میں سائنس، مقناطیس، بجلی اور اسی قسم کے دو چار عنوانات کے تحت پڑھائی جاتی تھی جن کی پتلی پتلی کتابیں انگلستان سے چھپ کر آتی تھیں۔ صبح وہ خود گھر پر اُن کا مطالعہ کرتے اور پھر کلاس میں لڑکوں کو پڑھایا کرتے۔ یہ وقت اُن پر ایسا آ پڑا تھا کہ عزت بحال کرنی مشکل تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں سائنس پروفیسر کی اہمیت کا کچھ پوچھنا نہ تھا۔ مختصر یہ کہ انہوں نے ڈھائی گھنٹے کی اُلٹ پھیر کے بعد جب ہرے اور لال رنگ کے تاروں کی اصلیت جان لی تو مثبت منفی تار جوڑنے سے پنکھا چل پڑا اور پھر جو اُن کی تعریف ہوئی وہ کم نہ تھی۔ یہ واقعہ آج

کے لحاظ سے بچوں کا کھیل ہے اور کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اب تو چھٹی جماعت کا طالب علم بھی یہ اصول جانتا ہے۔ لیکن یہ واقعہ اُس زمانے کا ہے جب اکثر نے بجلی سے چلنے والی کوئی چیز دیکھی ہی نہیں تھی اور پڑھانے والے نے بھی خود کبھی سائنس نہیں پڑھی تھی۔ اِس طرح کے کئی واقعات ہیں۔ ایک انٹرویو کے دوران انگریز کا یہ سوال کہ ''مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی کا اثر مسلم یونیورسٹی پر کس قدر ہے؟

جواب اگر اثبات میں دیتے ہیں کہ اثر نہیں ہے تو غلط ہے جسے وہ انگریز خود بھی جانتا ہے۔ پانچ منٹ کا وقت ہے اور اس میں اُنہیں جواب دینا ہے۔ اُنہوں نے انگریز افسر سے کہا جناب سوال آپ کا چھوٹا ہے لیکن جواب کے لیے پورا دن چاہیے اور آپ کے دفتر کی ہدایت ہے کہ آپ کے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔ انگریز اُن کی جرأت سے متاثر ہوا اور کہا اپنا وقت لو اور مجھے پورا جواب دو۔ اُنہوں نے اِس موقع پر دو گھنٹے تک گفتگو کی اور جب اٹھے تو وہ انگریز افسر اُنہیں خود دروازے تک چھوڑنے آیا اور مسلم یونیورسٹی میں ملازمت کی نوید سنا دی۔

مولانا سلیمان اشرف کو اُن کی مرضی کے خلاف میلاد شریف پڑھنے کے لیے تیار کرنا اُن ہی کا کام تھا۔ یہ سب اُن کی شخصیت کا سحر تھا۔ وہ خود کہتے نیک نامی، بڑائی اور اثر پیدا کرنے کے لیے دیانت اور سچائی کو اپنانا ضروری ہے۔ اِسی اصول کو اپنا کر انہوں نے اپنی شخصیت میں وہ رچاؤ پیدا کر لیا تھا کہ جس سے ہر فرد مرعوب ہو جاتا۔ اُن کی شخصیت تو بے شمار واقعات کا مرکّب ہے۔ اور اِن واقعات سے اُس دور کی سیاسی، انفرادی، سماجی اور معاشی قدروں کا پتہ چلتا ہے۔

پرنسپل میور، الہ آباد کالج اُن کی انگریزی اور ریاضی کی قابلیتوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''ابوالحسن محنتی اور شریف نوجوان ہیں۔ اُنہیں اُن کی انتھک محنت اور قابلیت پر گورنمنٹ سے وظیفہ ملا ہے اور ریاضی میں ساری یونیورسٹی میں اوّل آنے پر انہیں اقبال گولڈ میڈل دیا گیا ہے۔''

زمانۂ طالب علمی کے بعد وہ علی گڑھ کالج سے منسلک ہو گئے۔ جب ڈاکٹر ضیاء الدین لندن

گئے تو ان کی جگہ وہ ڈیوٹی سوسائٹی کے انچارج مقرر ہوئے۔ ماریسن نے کالج کی سالانہ رپورٹ میں اُن کی خوش اسلوبی سے متاثر ہو کر کہا۔

''مَیں اِس موقع پر ابوالحسن صاحب کی خدمات کا عمومی طور پر اعتراف کرتا ہوں۔''

ماریسن جو کسی کی تعریف کرنے میں بڑا سخت تھا۔ اُس نے اُن کے متعلق کہا۔

''اگر ہمارے (ایم اے او کالج) کے پاس اتنا سرمایہ ہوتا تو ہم انہیں کیمبرج ولایت پڑھنے کے لیے بھیجتے۔''

اُس نے اُن کی کھیلوں کی صلاحیت پر بھی لکھا ہے۔

''ابوالحسن گھوڑے کی سواری ماہرانہ اور شاندار انداز پر کرتے ہیں۔ وہ ٹینس اور کرکٹ کے بہترین کھلاڑی ہیں۔''

ماریسن نے انہیں رنگون کالج میں تقرری کے لیے اِس خط کے ساتھ بھیجا۔

''ہمارے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ ہم اُن کو اُن کی قابلیت کے لحاظ سے تنخواہ دے سکیں۔ مَیں انہیں قلق کے ساتھ چھوڑوں گا لیکن انہیں اتنی کم تنخواہ پر رکھنا ناانصافی ہے۔''

نواب اسحاق خان آنریری سیکریٹری ایم اے او کالج کے ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشنز کو آپ نے یہ تجویز بھیجی۔

''مَیں ابوالحسن صاحب کو آپ کے سامنے پیش کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ میرے دل میں ان کی بڑی عزت ہے۔ یہ چاق و چوبند، دفتری کاموں میں طاق ہیں۔ تعلیمی قابلیت اور انتظامی صلاحیت معیاری ہے۔''

نواب مزمّل اللہ نے لکھا:

''ابوالحسن صاحب کا تقرر اسسٹنٹ سیکریٹری کے عہدے پر یکم جون 1904ء سے ہوا ہے۔ اُس وقت سے جس خوبی، خوش اسلوبی، محنت، شرافت، دیانت، امانت، اطاعت، عزت اور قومی محبت کے ساتھ اُنہوں نے یہ کام انجام دیا ہے اُس کا حال ٹرسٹی صاحبان اور خود نواب محسن الملک کو بھی رہا ہے۔ مختصر یہ کہ اِس

عہدے کے واسطے ہر حالت کے اعتبار سے اُن سے زیادہ موزوں شخص میری رائے میں تو ملنا اگر محال نہیں تو سخت دشوار ضرور ہے۔ گویا خداوند تعالیٰ نے اُنہیں اِسی خاص کام کے واسطے پیدا کیا ہے۔''

نواب وقار الملک نے بھی اُن کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

''مَیں نے مولوی ابوالحسن کو بلحاظ اُن کی بہت سی اعلیٰ قابلیتوں کے اور بلحاظ اُن کے اعلیٰ اخلاق اور دین داری کے کالج کے کاموں کے علاوہ اور دوسری بہت سی مختلف الاقسام خدمات کے واسطے (جن میں مجھ کو اُن سے بہت مدد ملی) ہر طرح موزوں پایا۔ میری رائے مولوی صاحب کی نسبت بہت عمدہ قائم ہوگئی ہے۔''

مولوی مزمّل اللہ نے لکھا:

''جو پوزیشن کالج میں بہ لحاظ اہمیت اس عہدے کے اور بہ لحاظ ان کے ذاتی شریفانہ برتاؤ اور انہماک کا قومی محبت کے ہے اس کا قائم رکھنا اس کو بڑھانا ہمارا فرض ہے۔ اور اس عہدے کا نہایت کارآمد ہونا اور سخت ضروری ہونا واقعہ نفس الامری ہے جس کو اس خاص شخص کے تقرر نے اور بھی زیادہ خوش اسلوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔''

خان بہادر نواب مزمّل اللہ آنریری سیکریٹری ایم اے او کالج نے کہا۔

''دشوار گزار امر ہونے کے باوجود مولوی ابوالحسن نے یکساں اعتماد و اعتراف نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک بہادر اور اس خاکسار نیز موجودہ آنریری سیکریٹری بہادر کا حاصل کیا ہے۔ ان کا تعلق کالج سے ایک ملازم اور اہلکار کا سا ہرگز نہیں بلکہ وہ اس کام کو ذاتی کام اور قومی کام کی طرح پورے شغف، محنت اور ایمانداری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اُن کی لیاقت، تجربہ اور طریقۂ انجامِ خدمت ہر ایک تعریف سے بالاتر ہے۔ اُن کا درجہ قوم میں اہم ہے۔''

وہ زندگی بھر ڈاکٹر ضیاء الدین کے دوست رہے۔ اکثر انہیں یاد کرتے۔ تنہائی میں بیٹھے اُن

سے باتیں کرتے۔ ہم بچوں کو بٹھا کر اُنہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین کو اُنہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے احاطے میں دفن کرانے کے لیے بڑی محنت کی اور تمام تر مخالفتوں کا خوش اسلوبی سے مقابلہ کیا۔

مرنے سے قبل وہ اپنی تمام اہم دستاویزات جو بچا کر ہندوستان سے لا سکے تھے، مجھے سونپ دیں۔ میرے لیے یہ بڑے فخر اور اعزاز کی بات تھی کہ بڑے بڑوں کی موجودگی میں انہوں نے مجھے اِس لائق سمجھا۔ مَیں جو ابھی صرف طالب علم تھی۔

یہ کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ صفحات زمانے کی گردش سے پیلے پڑ رہے ہیں۔ اُن پر ایک صدی گزر چکی ہے اور دوسری صدی کا بھی دوسرا عشرہ چل رہا ہے۔ مَیں انہیں اپنی زندگی تک تو سنبھال کر رکھ پاؤں گی جن کے کونے بھی جھڑ رہے ہیں اور جن کی سیاہی بھی پھیکی پڑ رہی ہے۔ مگر حروف اب بھی چمک رہے ہیں اور اُن کی چمک اور روشنی سے ہم اپنی بقیہ زندگی کو اجالا بخشنے کی سعی کرتے رہیں گے۔

(24 جون 1968ء روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہوا اور برسی پر پڑھا گیا)

❑

کمال یار جنگ تعلیمی رپورٹ

مُرتّب

کمال یار جنگ تعلیمی کمیٹی

ابتدائیہ: برِ صغیر میں تعلیمی منصوبہ بندی کی بنیاد

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ 28 دسمبر 1939ء کی صدارت کرتے ہوئے نواب کمال یار جنگ بہادر نے اس بات پر بطورِ خاص زور دیا کہ مسلمانوں کی تعلیمی سماجی اور تہذیبی روایات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک سروے کیا جائے جو ان کے لیے کار آمد ہو۔ یہ برِ صغیر کی تاریخ میں مسلمانوں کی تعلیمی صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پہلا موقع تھا جو باقاعدہ کسی کانفرنس کی صورت میں منعقد ہوا اور مسلسل دو دن چلتا رہا۔ صدارتی خطبے کی اہمیت اپنی جگہ لیکن یہ موضوع عام لوگوں میں بھی زیرِ بحث رہا۔ اور بالآخر متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ یہ سروے ضرور کیا جائے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ کیا جائے کہ یہ مسلمانوں کے لیے ازحد ضروری ہے۔

اس موقع پر کمال یار جنگ تعلیمی کمیٹی کی نامزدگی کی گئی جس کی تائید اے کے فضل الحق نے کی۔

کمیٹی کے عہدیداران

صدر: نواب کمال یار جنگ بہادر

سکریٹری: پروفیسر عبدالمجید قریشی

ارکانِ کمیٹی

1۔ علامہ عبداللہ یوسف علی، ایم اے، ایل ایل ایم، سی بی ای، آئی سی ایس ریٹائرڈ
2۔ سر شیخ عبدالقادر بارایٹ لاء
3۔ سر عبدالعزیز الحق، بی اے، (آکسن) ایل ایل ڈی
4۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، ایم اے، ایل ڈی، بارایٹ لاء
5۔ ڈاکٹر سر احمد فضل الرحمٰن، بی اے (آکسن) ایل ایل ڈی
6۔ ڈاکٹر عبدالعزیز پوری، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن)
7۔ حاجی مولوی ابوالحسن، آئی ای ایس ریٹائرڈ
8۔ مولوی سیّد طفیل احمد
9۔ خان فضل محمود خان، ایم اے (کینٹب)

کمیٹی کا پہلا اجلاس

کانفرنس کے قیام کے فوری بعد نواب کمال یار جنگ بہادر کمیٹی کا اجلاس 4 جنوری 1940ء کو ہوا تا کہ بات آگے بڑھائی جائے۔ اس کے لیے تمام اراکین کو بذریعہ خطوط حیدرآباد میں 26 جنوری 1940ء کو پہلے اجلاس کے لیے مدعو کیا گیا۔ یہ اجلاس خان خاناں پیلس میں منعقد ہوا جس میں طے کیا گیا کہ ایک سوال نامہ ترتیب دیا جائے تا کہ رائے عامہ کا علم ہو اور یہ بھی کہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں جا کر اعداد و شمار حاصل کیے جائیں۔

اس کمیٹی کے چیرمین سر عزیز الحق تھے۔ مولوی ابوالحسن، ڈاکٹر عزیز پوری اور پروفیسر عبدالمجید اراکین منتخب کئے گئے۔

اس کمیٹی نے جن جگہوں کا دورہ کیا اُن کے نام یہ ہیں۔

بمبئی، مدراس، بنگال، دہلی، اجمیر، بلوچستان، پنجاب، متحدہ صوبہ جات بہار، اڑیسہ، آسام، NWFP، سندھ، حیدرآباد، میو، بھوپال، رام پور، کشمیر، اندور، گوالیار، پروداد، بہاولپور اور پٹیالہ۔

اس کمیٹی نے دسمبر 1940ء میں پونا کے اجلاس میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں سوالنامے کی تشکیل میں جو مشکلات درپیش تھیں، انہیں بیان کیا گیا۔ اس کے علاوہ سوال نامہ کی تقسیم کا مسئلہ

بھی زیرِ بحث رہا۔ اس رپورٹ کے صفحہ x پر درج ہے کہ میٹنگ میں شرکت کے لیے کچھ لوگ آتے تھے اور کچھ نہیں بھی۔ لیکن مولوی ابوالحسن وہ واحد ممبر تھے جو ہر میٹنگ میں پوری تیاری سے آتے اور انتہائی انہماک سے کام کرتے جس سے لگتا کہ اُنہیں ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی معیار، مسائل اور ان کے حل سے حد درجہ دلچسپی تھی۔ کمال یار جنگ تعلیمی کمیٹی کے مقاصد مسلمانوں کے لیے بڑے دُوررس تھے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کمیٹی کے اغراض ومقاصد کس قدر اہم تھے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اب بھی اس رپورٹ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اگرچہ یہ کتاب اب نایاب ہے اور ہمیں علم نہیں کہ یہ ہندوستان پاکستان کی کس کس لائبریری میں موجود ہے۔ یہ کتاب بہت ضخیم اور تقریباً 383 صفحات پر مشتمل ہے اور یہ Bhupendra Lal بینرجی کے زیرِ اہتمام یونیورسٹی پریس کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔

خوش قسمتی سے یہ کتاب ہمارے بھائی طارق صدیقی کے پاس موجود تھی جو انہوں نے ازراہِ مہربانی ہمیں عطا کردی ہے۔ ہم نے ویب سائٹ پر بھی اس کتاب کی تلاش کی جہاں صرف یہ لکھا ہے کہ کمال یار جنگ تعلیمی رپورٹ Available نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ نایاب اور بہت اہم رپورٹ کسی نہ کسی طور پر تاریخ میں موجود رہے۔

☐

REPORT
OF THE
KAMAL YAR JUNG EDUCATION COMMITTEE

CONTENTS

PAGE

PART II—REVIEW AND RECOMMENDATIONS

APPENDICES

(ii)

Personnel of the Committee

In terms of another resolution unanimously passed at the Conference, Nawab Kamal Yar Jung Bahadur was appointed president and Khan Bahadur Prof. Abdul Majeed Kureishy, M.A., secretary of the committee, and the president was also empowered to select the personnel of the committee from a list of persons unanimously agreed to at the Conference. After discussion with some of the leading educationists and public men, the President decided that the committee should consist of the following persons :—

1. Nawab Kamal Yar Jung Bahadur—*President.*
2. Allama Abdullah Yusuf Ali, M.A., LL.M., C.B.E., I.C.S. (Retd.).
3. Sir Shaikh Abdul Qadir, Kt., Barrister-at-Law.
4. The Hon'ble Sir M. Azizul Huque, Kt., C.I.E.
5. Dr. Sir Ahmed Fuzlur Rahman, B.A. (Oxon.), LL.D.
6. Dr. Khalifa Shujauddin, M.A., LL.D., Bar.-at-Law.
7. Dr. Abdul Aziz Puri, M.A., Ph.D. (Lond.).
8. Haji Maulvi Abul Hasan, I.E.S. (Retd.).
9. Maulvi Syed Tufail Ahmed.
10. Khan Bahadur Prof. Abdul Majeed Kureishy, M.A. —*Secretary.*
11. Mr. Khan Fazl Mohammed Khan, M.A. (Cantab).

PUBLISHED BY KHAN BAHADUR PROFESSOR A. M. KUREISHY,
SECRETARY, KAMAL YAR JUNG EDUCATION COMMITTEE
AND
PRINTED BY BHUPENDRALAL BANERJEE AT THE CALCUTTA UNIVERSITY PRESS

اسناد، ستائشی خطوط
اور دفتری مراسلت کی عکسی نقول

UNIVERSITY OF ALLAHABAD.

UNIVERSITY OF ALLAHABAD
QUOT RAMI TOT ARBORES

Bachelor of Arts.
B. Course.

This is to Certify that *Abul Hasan
Allahabad M. C. College
obtained the degree of Bachelor of Arts in this University in the Examination of 1896; and that he was placed in the Second Division. The subjects in which he was examined are English Literature, Mathematics, and ~~Physical~~ Science or Addl. Mathematics.

The 2nd March 1897

Vice-Chancellor.

*(1) Iqbal Gold Medal ...
(2) Govt. Scholarship hol...

بخدمت نواب وقار الملک آنریری سکریٹری

۱۹ ربیع الثانی — بسم اللہ الرحمن الرحیم — بلسیوراز

حضور عالی ! السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ ۔

سب سے اول مشرف بہ اطلاع خیریت مطلع کرتا ہوں ۔ اور اس کے بعد بکثرت مصروفیت کی وجہ سے تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں ۔
اب عرض حال کرتا ہوں جیسا کہ سنتا ہوں حضور نے آنریری سکریٹری کے عہدے سے علیحدگی کا عزم بالجزم کر لیا ہے اور
جہاں تک انسانوں کے افعال سے اس معاملہ کا تعلق ہے اس کا مجوزہ آپ اعلام از نحیل شدہ ہو گیا ہے ۔
ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۔ اندریں صورت میری ایک عرض ہے جو بے تکلفانہ پیش ہو کر توقع حاصل کرنا
چاہتا ہوں ۔ بالخصوص اس صورت میں کہ میں اپنے نزدیک اپنی علیحدگی کے بعد جانشین آنریری سکریٹری کا بھی فیصلہ کر لیا ہے
انشاء اللہ تعالیٰ وہو ولی التوفیق و خیر رفیق ۔

مولوی محمد ابوالحسن صاحب اسسٹنٹ سکریٹری کی ذاتی خدمات اس عہدہ کی اور نیز عہدہ اسسٹنٹ سکریٹری کی پوزیشن
مجھ کو اس امر کے عرض کرنے کی ربط معلوم کرتا ہے کہ قبل اس کے کہ جناب بار عہدہ آنریری سکریٹری سے سبکدوش ہوں ان کی خدمات
کا اعتراف کسی مناسب طریقہ سے ضرور فرمایا جاوے ۔ یہ عمل سنت رسول (ارواحی فداہ) صلے اللہ علیہ وسلم و خلفائے
راشدین و اکابر امت و رجال سلف کا عین اتباع ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ جناب بطرح خوب ہر ایک صفت میں
(گو کہ مجھ میں ایک بھی صفت حسنہ پائی نہیں جاتی) مجھ سے ہزار درجہ بہتر ہیں ۔ اسی طرح قدردانی اور قدرشناسی میں
بھی پورا تجربہ اور شعور رکھتے ہیں ۔ لیکن ممکن ہے کہ آپ کی قوت ہجوم کار و افکار کی وجہ سے یہ امر گوشہ خاطر سے کبھی
فراموش ہو گیا ہو ۔ لہذا اس عرض کی جرأت کی گئی اور چند وجوہ سے خاص طور پر اس کا خیال ہوا اول یہ کہ حال ہی کے
زمانہ میں اسسٹنٹ سکریٹری کانفرنس یا بہ الفاظ دیگر مولوی محمد اسحاق صاحب کی ذات کے متعلق جابجا طور پر

ترقی تنخواہ کا چار سو روپیہ ماہوار تک (انعام) بہ نوعی اقرار بالکل کم تذکرہ ہو چکا ہے۔ اسسٹنٹ سکریٹری غالباً (یا
بالفاظ دیگر مولوی ابوالحسن صاحب کی ذات کے متعلق) ایسی کسی ترقی کا موقع پر نکلنا ممکن ہو یا زیر قلم آجانا تصور
معلوم ہوتا ہے کہ یونیورسٹی کا زمانہ پیش نظر ہے اور بعض اگرچہ دوسرے نام سے دوسرے عہدے ہونگے لیکن جو کوئی
عہدہ ایسا ہو جو مسٹر ابوالحسن صاحب نائب سکریٹری ۵ کی خدمات منتقل ہوں اسکے واسطے کم سے کم تنخواہ کا ایک معیار
ایسا ہو جو اسسٹنٹ سکریٹری کانفرنس کی بابت جس تنخواہ تک کی ترقی کا ذکر اجلاس اوس ورقہ تک بہ عہدہ دار
بھی ہو سکے۔ بالخصوص اسکی عہدہ کی تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار تک کی ترقی تک محدود ہے۔ لیکن میں یقین
رکھتا ہوں کہ اگر حضور کے مبارک عہد میں یہ موقع آتا کہ انکی تنخواہ پوری تین سو کی ہو جاتی تو پھر ایک سال بعد
از راہ انصاف و قدردانی و امانت حضور ضرور انکے یہ تجویز فرماتے کہ ۵ ماہوار کی ترقی ہر سال
جاری رہے جتنے کہ انتہائی تنخواہ چار سو روپیہ ہو جاوے — اور اگر میرا تعلق عہدہ جائنٹ سکریٹری سے
باقی رہتا تو مجھکو امید تھی کہ میں بھی اس اوس فریضہ کی عزت حاصل کرتا۔ اب ایسی صورت ہے
تو کم سے کم جناب کی طرف سے کوئی تحریر یا یادداشت یا تذکرہ تحریری ایسا ہو نا جس سے یہ اسکیم ایک
ہو سکے عین مصلحت اور قدردانی و انصاف کیشی ہوگی۔ اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے کا بورڈ میں قائم
رکھنا اور اسکے واسطے ایسے توقعات پیدا کرنا جسکی وجہ سے قابل اشخاص بہ آسانی مل سکیں ایک نہایت
اہم مسئلہ ہے۔ جسکی ضرورت جناب سے زیادہ اور کون جانتا ہے۔ اس شریف نوجوان کی
بابت میں اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں کہونگا کہ اس قحط الرجال میں یہ ۵ لکھ کی خوش قسمتی ہے
کہ یہ شخص اس عہدہ پر ہے۔ میں نہایت خوشی سے خود اس سکیم کی کوئی یادداشت مرتب کر کے ملاحظہ اقدس

پیش کرتا یا اپنی طرف سے مجبور تھا — مگر — "لا ایاز قدر خود بشناس" - من آنم کہ من دانم۔

میں خوب جانتا ہوں کہ میری تحریر یا میری یادداشت جو و تحفت زرسنی ہے۔ خاتمہ پر دو لفظ اور عرض

کرتا ہوں وہ یہ کہ اس تحریر کا باعث خود میرا ذاتی خیال ہے کسی شخص کی طرف سے نہ اب نہ اس سے قبل

جیسا یا صراحتاً یا کنایتاً کبھی اس کی بابت یا الٰہی خواہش کی بابت حاشا کہ کوئی ذکر نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا

اس بارے سوائے ذات علام الغیوب کے کوئی متنفس واقف ہے - میں زبانی اس کی بابت عرض حال کرتا مگر بظاہر

توقع نہیں کہ عرصہ بعید تک شرف حصول نیاز نصیب ہو والسلام مع الاکرام

خادم الراجی الی رحمۃ اللہ
مزمل اللہ خان سکریٹری علی گڑھ کالج

وقائع ششم جولائی ۱۹۱۲ء سلام مسعود علی

مجھ کو افسوس ہے کہ [illegible] اس معاملہ میں اپنی طرف سے [illegible] نہ کر سکا۔ توقف کی [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مصائب ہو گئے۔ حسین آباد کی [illegible] طویل ترین ملازمت ہے اور مختلف حیثیتوں کی سکریٹری کی حیثیت سے مجھکو

[illegible] سکریٹری [illegible] کام لینے کا موقع ملا ہے اور [illegible] بلا خوف تردید

کہہ سکتا ہوں کہ [illegible] بیش قرار [illegible] کے عہدہ داروں سے [illegible] کسی بات میں [illegible] پایا بلکہ

[illegible] سے [illegible] ایسے [illegible] جناب [illegible] اعلیٰ [illegible] کو

[illegible] ب [illegible] اون کو زندہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور [illegible] ترجمہ [illegible]

[illegible]

کسی [illegible] کی [illegible]

[illegible] سکریٹری [illegible]

قومی [illegible]

[illegible] سکریٹری [illegible] ایک [illegible]

[illegible] گورنمنٹ [illegible] اور [illegible] جب کبھی [illegible]

[illegible] گذارا [illegible]

اون کی [illegible] سے اپنے [illegible] اور جب کبھی [illegible] اون کی [illegible] خبر [illegible]

تحریر [illegible] ۱۹۱۲ [illegible]

[illegible]

[illegible] سابق [illegible] سکریٹری [illegible]

June 1905

From

The Principal, M.A.O. College,
Aligarh. U. P.

To

The Principal, Rajkumar College,
Raipur. C. P.

Sir,

In compliance with your letter No. 141 d/ 25-5-'05, I have the honour to recommend Professor Abul Hasan of this College for the First Asst. Master's post and am glad to say that he possesses all the qualifications you require, as will be testified by the attached copies of the testimonials.

I fully endorse what Mr Morison and others have said about Professor Abul Hasan in the accompanying papers. I may however add that he is a good rider and in my opinion is quite capable of adapting himself to all the new circumstances he may be put in. Portions marked with red in his testimonials refer specially to the qualifications required by you.

I have the honour to be,

Sir,

Your most obedient servant,

Sd/- J. R. Cornish

Principal, M.A.O. College, ALIGARH.

True Copy

G. D. Oswell

Officiating Principal Raj Kumar College Raipur C.P.

21/7/05

ALIGARH,
U.P.

Abul Hasan has a very decent seat on a horse and I think very fair hands. He has, I believe, ridden a good deal in former years and during the past few weeks

Gerald Gardiner[?]

Offg. Pri[?]
m.a.o.

June 6. 1903:-

[illegible]

ریزولیوشن نمبر ۱ پاس شدہ اجلاس سنڈیکیٹ
ٹرسٹیان مدرستہ العلوم علی گڈھ منعقدہ ۱۲ جولائی ۱۹۱۴؁ء

ا - بعد طویل بحث کے جسمیں مولوی ابوالحسن صاحب کی لیاقت اور ذاتی قابلیت کا ہر ممبر سنڈیکیٹ نے اعتراف کیا اور اونکو ترقی تنخواہ اور استقرار درجہ کا مستحق قرار دیا - بالاتفاق قرار پایا کہ :—

(الف) بحالت خاص اونکا درجہ ذاتی طور پر بموجب سفارش آنریری سکریٹری صاحب کے پروفیسری کالج کا سمجھا جائے -

(ب) اونکی مجوزہ ترقی منظور کیجاتی ہے یعنی عـــہ ماہوار جنوری ۱۹۱۵؁ء میں اور دو دو برس پر عـــہ ماہوار کی ترقی تاآنکہ تنخواہ چار سو روپیہ ماہوار ہوجائے -

(ج) آئندہ کیلئے اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ کا درجہ اسسٹنٹ پروفیسری کی برابر ہوگا اور ترقی تنخواہ و مدارج حسب لیاقت و حسن کارگذاری کے ہوگی -

دستخط محمد اسحاق خان

آنریری سکریٹری کالج

MUHAMMADAN ANGLO ORIENTAL COLLEGE
ALIGARH

True copy of a letter to
The Principal Aitchison College Lahore.

from :-
T. Morison Esq. Principal Aligarh.

recommending M. Abul Hasan for a post in the Chiefs College Lahore. Salary Rs 200-300.

Dear Sir,

In forwarding to you an application of my Assistant Professor of Mathematics, Abul Hasan Sahib, I have not much to add to what I said when forwarding his application to the Director of Public Instruction of Burma, except to say that I still hold the same opinion of him.

I think that you would find that in addition to being a good teacher he would be of great use to you in the Boarding House of which work he has a great deal of experience and in athletics; he is of active habits & is a very good tennis player, besides being a fair cricketer.

He would I think take an active part the societies & clubs of your College as he has done with us.

His knowledge English is exceptionally good and besides writing it well he

| he speaks with a correct accent.
I think that you will find his application worth considering

Sd 7. XI. 04

Yours truly
Sd/. T. Morison

T Morison
True Copy.

Principal M.A.O. College Aligarh.
27. 2. 05

Copy of a letter to
The Director of Public Instructions
Bengal.

of 11th Jan 05.

from.
T. Morison Esqr.
Principal M.A.O. College Aligarh.

My dear Pedler,

I enclose today another application for Service in Bengal from a young Assistant Professor in our College, who wishes to get employment in the Calcutta Madrasah. Ross has seen him & likes him & of the two prefers this applicant Abul Hasan to Abdul Kadir Khan.

I think that he would make a good School-master. He can keep order well & speaks English with unusual correctness. He has had a great deal of experience as a Boarding House Master and takes an interest in all the pursuits of the boys. He was here a member of the Students' Clubs & plays tennis very well and cricket above the average.

I think if employed in the Madrasah he would throw himself into the work there and would prove an acquisition to the Staff.

I am,
Yours sincerely
Sd/- T. Morison

T Morison
True Copy

۵۸۶

تجویز جناب انریری سیکرٹری صاحب کالج علی گڈہ

میں اس امر کو قرین انصاف سمجھتا ہوں کہ بعد ڈیڑھ سال کے تجربہ کے جو میری نظر مولوی ابوالحسن صاحب کی حسن لیاقت
اور کارگذاری کی بابت میں قائم ہوئی ہے اوسکا اظہار کر کے ان کی خدمت کا اعتراف کروں۔ اگرچہ ہر اہلکار کا
فرض ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی بہترین طریقہ سے انجام دے۔ لیکن ساتھ ہی اوسکے یہ بھی ایک لازم اور ضروری
بات ہے کہ جن کے اختیار میں اونکی خدمات کا حسن و قبح دیکھنا ہو اوسکی قدر شناسی کرتا ہو۔
اونکی جانب سے اس قسم کا اعتراف بھی کام کرتا ہے جو موقع کا بار ان حرمت ایک سلسلہ آئی کینی کے بڑے
عموماً کیا کرتا ہے۔ میری نسبت غالباً یہ گمان کیا گیا ہے کہ میں اپنے عملہ کی ترقیوں کی سفارش عمداً نہیں کرتا۔
حالانکہ دیگر دفاتر کی سفارشوں کو روزمرہ سنڈیکیٹ میں پیش کرتا رہتا ہوں۔ یہ واقعہ ایک حد تک
صحیح ہے۔ مگر میں ایسی کوئی سفارش کرنا نہیں پسند کرتا جسکو میں اپنی ناقص رائے میں بالکل لازمی
اور ضروری نہ سمجھتا ہوں۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے جس قابلیت اور عمدگی سے تیز ساتھ کام کیا ہے اسکی تعریف میں ذکر
کرتا ہوں اور جو تجربہ اونکو حاصل ہے وہ بہت قابل قدر ہے۔

اور اونمیں بڑی خوبی یہ ہے کہ جدید طریقوں کے سمجھنے اور اختیار کرنے میں۔ انہیں کچھ تامل یا دریغ نہیں ہوتا۔
مجھے اونکی حساب و کتاب کے طریقوں کے بدلنے اور اونکو نئے سانچے میں ڈھالنے میں بہت مدد ملی ہے۔ اور دفتر کی
تنظیم اعلیٰ اونہوں نے میری مرضی کے مطابق کی ہے۔ ایسے لائق اور تجربہ کار افسر کا اس دفتر میں ہونا کالج کی

خوش قسمتی کا باعث ہے۔ اور نہایت افسوس ہوگا اگر وہ ترقی کی غرض سے کیمبرج اور انگلینڈ جائیں۔
میں اونکی ترقی کا ہرگز حارج نہ ہوں گا۔ بلکہ اگر کبھی ممکن ہوا۔ اور یہاں کوئی بندوبست ہو سکا تو اونکو اپنی
ضعیف قوت کے مطابق مدد دینے میں دریغ نہ کروں گا۔

اس لئے میری دلی یہ خواہش ہے کہ اون کی ترقی کا مسئلہ ٹرسٹیان کے اجلاس میں باقاعدہ
پیش کروں۔

میری رائے میں اونکی علمی لیاقت۔ اونکی ظاہری وجاہت اور اونکی جبلّی ذکاوت اونکو پروفیسری کے درجہ کے
قابل ثابت کرتی ہے۔ اور میرے خیال میں یہ ہر طرح ترین مصلحت ہے کہ اسسٹنٹ سکریٹری کا درجہ جو بہت اہم ہے
اس سے کم نہ ہونا چاہئے۔ لہذا میری یہ تجویز ہے کہ:

(الف) اون کا درجہ پروفیسری کالج کا قرار دیا جائے۔

(ب) اون کی تنخواہ میں چار سو روپیہ تک اضافہ ہو۔

(ج) اول ترقی پچیس ۲۵ روپیہ ماہوار کی یکم جنوری ۱۹۱۵ء سے ہو۔ اور بعد کو اسکیم درجہ بندی کے مطابق
پچیس روپے ماہوار کی ترقی بعد دوسرے سال ہوتی ہے۔ فقط

Mohammad Ishaq Khan
Hony Secy

محمد اسحاق خاں آنریری سکرٹری کالج

2

۲۰ جون ۱۹۱۴ء

True copy.

I have much pleasure in forwarding this application to the Director of Public Instructions N.P. for favourable consideration. Maulvi Abul Hasan B.A. has been Assistant Secretary of the M.A.O. College since the time of Nawab Mohsin-ul-Mulk & has performed his arduous duties, to the best of my knowledge, with much credit. I have much respect for him & have, since my appointment to the office of Honorary Secretary of this College, found him very useful. He is very energetic & possesses considerable experience of office work. His educational attainments are also of high order & his administrative + executive capacity great.

Sd/ Mohamed Ishak Khan
(Nawab)
26. 11. 13 Hony Secretary M.A.O. College.

True copy
Mohd Ishak Khan
Hony. Secy. 28/11

اقتباسات متعلق یادداشت مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۱۰ء

۱- ۲۷ر اپریل ۱۹۰۹ء کو ایک تحریر میں نے بجواب استفسار جناب نواب وقار الملک بہادر اس طرح
بطور یادداشت کے لکھی تھی جبکہ اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ کی اصلی تنخواہ کا معاملہ پیش تھا
اور یہ تحریر دفتر میں بجنسہٖ موجود ہے۔ اسکے ایک فقرہ کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔
"دیو بخش صاحب جو کہ فی الحقیقت اس عہدہ پر یکم جون ۱۹۰۷ء سے ہوا ہے۔ اس وقت سے جس
"خوبی خوش اسلوبی۔ محنت۔ شرافت۔ دیانت۔ امانت۔ اخلاص۔ عزت
"اور قومی محبت کے ساتھ انہوں نے یہ کام انجام دیا ہے اسکا خیال ٹرسٹی صاحبان
"اور خود جناب عالی پر بخوبی ظاہر ہے اور نواب محسن الملک مرحوم کی رائے
"اور میرے زمانۂ قیام مقامی کی تحریرات اسکی تائید ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ
"اس عہدہ کے واسطے ہر حالت کے اعتبار سے ان سے زیادہ موزوں شخص میری
"رائے میں تو ملنا اگر محال نہیں تو سخت دشوار ضرور ہے گویا کہ خداوند تعالیٰ نے
"انکو اسی خاص کام کے واسطے پیدا کیا ہے۔ پس اگر کسی اور اعتبار سے
"نہیں بھی ہوتا تو خاص اس وجہ سے کہ جو شخص جس قابل ہے اسکے ساتھ
"ویسا ہی سلوک کرنا چاہئے۔ یہ لازم ہے کہ انکو برابر ہر سال کا
"اضافہ دیا جائے تا وقتیکہ معاوضہ ہموار نہ ہو رہے ہوں اور اس وقت
"گذرنے کے بعد اگر انکو اور ترقی دیجائیگی تو سمجھا جائیگا کہ ٹرسٹیان کالج نے
"ایک کارگزار ملازم کی قدر کی۔ لیکن جو پوزیشن کالج میں بلحاظ اہمیت اس
"عہدہ کے اور بلحاظ انکی ذاتی شرافت نہ ہونے ــــــــــ مستحق قومی خدمت کے

"اسکا قایم رکھنا بلکہ اسکو بڑھانا ہمارا فرض ہے اور اس عہدہ کا
"نہایت کارآمد ہونا اور نہایت ضروری ہونا واقعہ نفس الامری ہے
"جسکو اس شخص خاص کے تقرر نے اور بھی زیادہ خوش اسلوبی کے ساتھ
"ثابت کر دیا ہے۔"

۲۔ ۱۹ر جون ۱۰ء کو میں نے ایک پرائیوٹ عریضہ بصیغہ راز جناب نواب وقار الملک بہادر کی
خدمت میں اسوقت پیش کیا تھا جبکہ جناب ممدوح عہدہ آنریری سکریٹری شپ
کالج سے عنقریب کنارہ کش ہونے والے تھے۔ اسکا ضروری اقتباس درج ذیل ہے
"حضور نے آنریری سکریٹری کے عہدہ سے علحدگی کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ اندریں
"صورت میں اب ایک فرض کے بار سے سبکدوشی کا موقع حاصل کرنا چاہتا ہوں
"مولوی محمد ابوالحسن صاحب اسسٹنٹ سکریٹری کی ذاتی خدمات اس عہدہ کی نیز
"عہدہ اسسٹنٹ سکریٹری کا پوزیشن مجھکو اس امر کے عرض کرنے کے واسطے
"مجبور کرتا ہے کہ قبل اسکے کہ جناب بار عہدہ آنریری سکریٹری سے سبکدوش
"ہوں انکی خدمات کا اعتراف کسی مناسب طریقہ سے ضرور فرمایا جاوے۔ بالفعل
"اس عہدہ کی تنخواہ تین سو روپیہ ہے اور اسکی ترقی تک محدود ہے۔ لیکن میں یقین رکھتا
"ہوں کہ اگر حضور کے مبارک عہد میں وہ موقع آتا کہ انکی تنخواہ بعد کی تشخیص ۴۰۰ روپیہ
"کی ہو جاتی تو پھر ایکسال بعد از راہ انصاف و قدردانی دانائی حضور خود بخود

"یہ تحریر فرماتے کہ عرصہ تنخواہ کی ترقی ہر سال جاری رہے۔ حتیٰ کہ انتہائی
تنخواہ چار سو روپیہ ہو جاوے۔ جناب کی طرف سے کوئی تحریر یا یادداشت یا تذکرہ تحریری
ایسا ہونا جس سے یہ اسکیم آئندہ بخشش ہو سکے۔ عین معدلت اور قدردانی و الطاف کیشی
ہوگی۔ اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ کا پوزیشن قائم رکھنا اور اسکے واسطے ایسی
قوت پیدا کرنا جسکی وجہ سے قابل اشخاص بہ آسانی ملسکیں ایک
ایک نہایت اہم مسئلہ ہے جسکی ضرورت جناب سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔
اس شریف نوجوان کی بابت اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں لکھونگا کہ اس زمانہ
قحط الرجال میں یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ یہ شخص اس عہدہ پر ہے۔
اس تحریر کا باعث خود میرا ذاتی خیال ہے کسی شخص کی طرف سے نہ اب نہ اس سے
قبل کنایتاً یا صراحتاً یا ضمناً کبھی بھی اسکی بابت یا ایسی کسی خواہش کی بابت
حالات کوئی ذکر نہیں ہوا اور نہ اسوقت تک اس راز سے سوائے ذات علام الغیوب کے
کوئی شخص واقف ہے۔"

[illegible] ہوم سکریٹری صاحب [illegible]

درباره [illegible] تنخواه [illegible] اسسٹنٹ سکریٹری [illegible] بالمجد [illegible] ۳۰۰

[illegible] جناب ہوم سکریٹری صاحب [illegible]

[illegible] اللہ

مسئلہ مندرجہ بالا کی بابت جناب کے کاغذات میری پاس [illegible] برائے ارسال [illegible]

لہٰذا اپنی بعض رائے اس بارہ میں حسب ذیل عرض کرتا ہوں۔

۱) ہوم سکریٹری حسب رزولیوشن ۱۱ اجلاس کابینہ میٹنگ منعقدہ ماہ [illegible] ۱۹۰۷ء [illegible]

آنکہ معاوضہ دار اسسٹنٹ سکریٹری کی تقرری منظور کی گئی [illegible] ماہوار تک ہو۔

نقل رزولیوشن ۱۱

قرار پایا کہ [illegible] ضروریات [illegible] ہوم سکریٹری کے فرائض کے متعلق اور [illegible]

تمامی کاموں کی نسبت [illegible] ہوم سکریٹری کو اور ان کاموں میں مدد کی

ضرورت [illegible] ایک مدد گار اسسٹنٹ سکریٹری ایسی قابلیت کا مقرر ہو کہ جو [illegible] دفتر کی ترتیب

اور درستی کر سکتا ہو [illegible] ہوم سکریٹری [illegible] انجام دے سکے [illegible]

کی [illegible] ہو اور اس عہدہ دار کی تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار تک ہو۔

چنانچہ اس رزولیوشن کی مطابق اسسٹنٹ سکریٹری کی تلاش کی گئی اور بہت سی درخواستیں آئیں بجز ایک

[illegible] اس کام کے قابل [illegible] تقرر اس عہدہ پر کیا گیا۔ میر [illegible] ابوالحسن صاحب [illegible]

ماہ

[illegible] سو روپیہ ماہوار [illegible] ایک سو پچاس روپیہ ماہوار [illegible] اور اس شرط

کی گئی تھی کہ حسب صلاحیت اون کی اضافہ متصور ہوگا۔ کس قدر سالانہ اضافہ ہوتا رہے گا؟ 2/

فائل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اجلاس

مجلس ٹرسٹیان منعقدہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیا تھا (ملاحظہ ہو روداد مجلس ٹرسٹیان [illegible])

" ابوالحسن صاحب کو اون کے تقرر کے وقت لکھ دیا گیا تھا کہ اون کو تنخواہ اس طرح دی جاوے گی کہ ابتدا میں [illegible] ماہوار

اور [illegible] سالانہ اضافہ جب تک دو سو روپیہ ماہوار پوری نہ ہو [illegible]۔ مگر [illegible]

سے بابت [illegible] ظاہر ہوتی ہے اس کی تشریح کر دی جاوے کہ حسب صلاحیت اون کی تنخواہ میں اضافہ کیا جاوے

جب تک اون کی تنخواہ پوری [illegible] نہ ہو جاوے"۔ [illegible] ٹرسٹیان [illegible] امر کے متعلق شیخ عبداللہ صاحب [illegible]

[illegible]" یہ امر اون کے [illegible] ہے [illegible] اون کی قابلیت [illegible] اور محنت [illegible]

کا ریکارڈ ثابت کریں" روداد مذکورہ میں کوئی فیصلہ اس امر کی بابت درج نہیں ہے [illegible] ٹرسٹیان کی

رائے [illegible] میں کیا ہوئی کہ آیا علاوہ اضافہ بموجب [illegible] صاحب [illegible] یا حسب منظوری

[illegible] ابوالحسن صاحب کو [illegible] تنخواہ [illegible] سالانہ [illegible] ماہوار تک اضافہ دیا جاوے۔

" [illegible] تقرر [illegible] تمام [illegible] دیکھنے سے کوئی تحریر ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا

کہ ابوالحسن صاحب نے دو سو روپیہ کی حد تک اضافہ کی [illegible] خدمت [illegible] کی ہو یا نہیں [illegible]۔

نواب محسن الملک مرحوم کی بابت کوئی تحریر حکم تقرر ابوالحسن صاحب در بارہ شرح تنخواہ [illegible] میں [illegible]

نواب [illegible] مرحوم کی ایک تحریر مورخہ [illegible] ۱۹۰۷ء موسومہ ابوالحسن صاحب کی نقل [illegible]

میں و بعض ہوں کہ جناب محبی مرزا [illegible] علیگڑھ کالج کے اور حالات سے واقف ہیں اور بعض اوقات تک مشتہر کر

قدر زر نہ پاکر انکو اوسکو پورا معاوضہ دینے میں جس کی بے لطفی تامل نہیں ہوتا ۔ تاہم جو کہ جناب نے

ہمارے یہاں محبی رائے و درخواست فرمائی اور جناب کی رو سے دو شعرا کے نام سے ہیں جو کہ شاعر ہیں تک برابر

ترقی مشاہرہ کے مسئلے کی بابت (باوجود منظوری سابقہ) مسٹر حبیب الرحمن شیروانی [illegible] (۵)

کسی قدر ناراضگی تھی لہذا اسقدر طوالت کی سے تمام مجمل آگیا گیا ۔ خاتمہ پر البتہ یہ لکھنا

اور ضروری خیال کرتا ہوں کہ شتیت آنریری جائنٹ سکرٹری کالج بہ زمانہ نواب محسن الملک مرحوم

جو مالی مشکلات پیش آیا تھا اور [illegible] جب کہ نواب عماد الملک [illegible] تنہائی کو

علیحدہ اسسٹنٹ سکریٹری درسمام ناموں کی تک تبدیل کے ترقی دلانا چاہتے تھے ۔ اور یہ زمانہ

تمام تعلیم آنریری سکریٹری حضرت [illegible] یہی خیال رہا اور اسی خیال کی بنا پر مشاہرہ دو سال تک بابت

ترقی [illegible] سالانہ انسٹیٹیوٹ علیگڑھ کے ذیل میں اونکی بابت ریمارک لکھے ہیں ملاحظہ ہو روداد

[illegible] کمیٹی میٹنگ منعقدہ ۲۷ اکتوبر [illegible] صفحہ ۳ و ۴ انسٹیٹیوٹ علیگڑھ ، و روداد [illegible]

کمیٹی میٹنگ منعقدہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۶ صفحہ ۷ و ۸ انسٹیٹیوٹ علیگڑھ ۔ ابھی اس طوالت تحریر کی معافی

چاہتا ہوں امید کرتا ہوں کہ اس کا [illegible] میں [illegible] بہ درج فرمایا جاوے گا فقط

دستخط ~~[illegible]~~ محمد مزمل اللہ خاں آنریری جائنٹ سکرٹری [illegible] ۵ اپریل ۔ ۷ اپریل ۱۹۰۹ء

مشتاق
آنریری [illegible]
[illegible] ۱۹۱۰

نقل مراسلہ [illegible] سرکار عالی [illegible] بنام جناب [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] حسب الحکم [illegible] جناب [illegible] صاحب [illegible] کی
اونکی [illegible] کے اجرا اونکے متعلق [illegible] آپ کا [illegible] فیصلہ [illegible]
اوس [illegible] مولوی ابوالحسن صاحب کو [illegible] دفتر [illegible]
[illegible] گذشتہ سال [illegible] کہ [illegible] اونکی [illegible]
اور اونکے [illegible] کیلیے [illegible] کہ اونکی [illegible] کوئی تحریک [illegible] نہ ہو اور [illegible]
[illegible] البتہ اگر کوئی [illegible] رعایت اونکی [illegible]
[illegible] ہو سکے۔ تحریر ۱۷ دسمبر ۱۹۰۹ء دستخط [illegible]

TRUE-COPY

[illegible]

10981/97 2/2

از دفتر [illegible] سکرٹری [illegible]

[illegible] کی تحریر کی نقل بطور [illegible] مولوی ابوالحسن صاحب کو [illegible]
تحریر ۱۷ دسمبر ۱۹۰۹ء دستخط [illegible] سکرٹری صاحب۔

[illegible]
[illegible]

جس میں شرائط تقرر حسب ذیل درج ہیں :-

۱- اس عہدہ کا نام ہز ہائینس اسسٹنٹ ٹو دی پرنسپل ایم اے او کالج ہوگا۔

۲- اور اس کے فرائض وہ ہوں گے جو منیجنگ اس عہدہ کا تجویز کرے وقت کمیٹی میں ہوں جس کی ایک نقل آپ کے دیکھنے کے لیے بھیجی جاتی ہے۔

۳- تنخواہ اس عہدہ کی شروع میں پانچ سو کی ہوگی اور ہر سال پچاس کا اضافہ ہوگا جب تک پوری ایک ہزار روپیہ ہو جاوے [illegible] ، شبہ ہے کہ نواب صاحب گیا عہدہ ایم اے او کالج [illegible] کالج سے وابستہ رہ سکیں گے۔"

اس خط کا کوئی جواب اقراری یا انکاری ابوالحسن صاحب کی طرف سے ملا معلوم نہیں ہے جس میں ایک خط مولوی عبدالحکیم صاحب سکرٹری کالج کا شامل ہے (یہ خط مورخہ ۸ اپریل [illegible]) اس تحریر سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب محسن الملک مرحوم کی تحریر مسودہ بالا کی منظوری ابوالحسن صاحب کو غالباً تھی لیکن انہی ایام میں ایک نزاع [illegible] درمیان [illegible] ہو گیا تھا، پھر جب [illegible] کالج میں آئے اور نواب محسن الملک مرحوم نے ان کو عہدہ اسسٹنٹ سکرٹری پر فوراً پرنسپل اسسٹنٹ کی جگہ مقرر کیا، اس امر کی بابت مرحوم نواب محسن الملک کی رائے متعلقہ اضافہ مسٹر ابوالحسن صاحب ہوتی ہے جو [illegible] اجلاس [illegible] منعقدہ [illegible] ہوئی پرنسپل تھے اور جس میں انہوں نے ابوالحسن صاحب کو اسسٹنٹ سکرٹری تجویز کیا ہے، اس کے علاوہ یوم تقرر برابر وہ اسسٹنٹ سکرٹری تھے اور ان کا کام نہ پرنسپل اسسٹنٹ [illegible] ۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ کیونکر

اونکو معلوم ہے کہ کمتر ہونے کے سبب آپکے اضافہ کی سفارش ہوئی تھی تنخواہ عہدہ مذکور کیلئے تین سو روپیہ ماہوار تک ترقی نہ دیجاوے جو اس عہدہ کیواسطے ایک فیصلہ شدہ بات ہے -

۳- فقرہ جملہ کے متعدد جوابات سے قطع نظر کرکے صورت واقعہ یہ ہے کہ ابوالحسن صاحب کا تقرر اس عہدہ پر [illegible] ہوا اور تجویز جس خوبی اور خوش اسلوبی کی محنت، اشرافت، دیانت، امانت، معاملت، عزت اور قومی محبت کی ساتھ اونھوں نے یہ کام انجام دیا ہے وہ حال ہر شخص پر [illegible] اور [illegible] جناب والا مرتبہ بخوبی تمام ظاہر ہے - اور ابوالحسن صاحب کی [illegible] رائے اور ہمدردی زمانہ [illegible] کی تحریرات سے اونکی تائید ہوتی ہے - مختصر یہ ہے کہ اس عہدہ کے واسطے ہر حالت کے اعتبار سے اونسے زیادہ موزوں شخص میری رائے میں تو نہ تھا اگر بحال نہ ہو تو سخت [illegible] ہوگی تو باوجود [illegible] اونکے کام کیا ہے پیدا کیا ہے - پس اگر کسی اور اعتبار سے [illegible] تو خاص اسوجہ سے کہ جو شخص جسقدر [illegible] ہو اوسکی [illegible] ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے لازم ہی کہ اونکو [illegible] کا اضافہ دیا جائے تاکہ [illegible] ماہوار ہو جائے - اور اس [illegible] اگر اونکو اور ترقی دیجاتی تو سمجھا جاتا کہ [illegible] ایک بار [illegible] کی - اونکا جو [illegible] بلحاظ اہمیت اس عہدہ کے اور بلحاظ اونکی ذاتی شرافت [illegible] اور [illegible] قومی محبت کے [illegible] رکھتا بلکہ اونکو [illegible] ہمارا فرض ہے - اور اس عہدہ کا [illegible] زائد ہونا اور سخت ضروری ہے ایک واقعہ نفس الامری ہے جسکو ہر شخص [illegible] نے اور بھی زیادہ خوش اسلوبی کی ساتھ ثابت کر دیا ہے -

No. 141

FROM:

THE PRINCIPAL

RAJ KUMAR COLLEGE,

Raipur C. P.

To

THE Principal

M. A. O. College

Aligarh.

Dated Raipur, May 20 1906

SIR,

I have the honour to request that you will be good enough to inform me whether you can recommend me one or two graduates for vacant posts at the College:

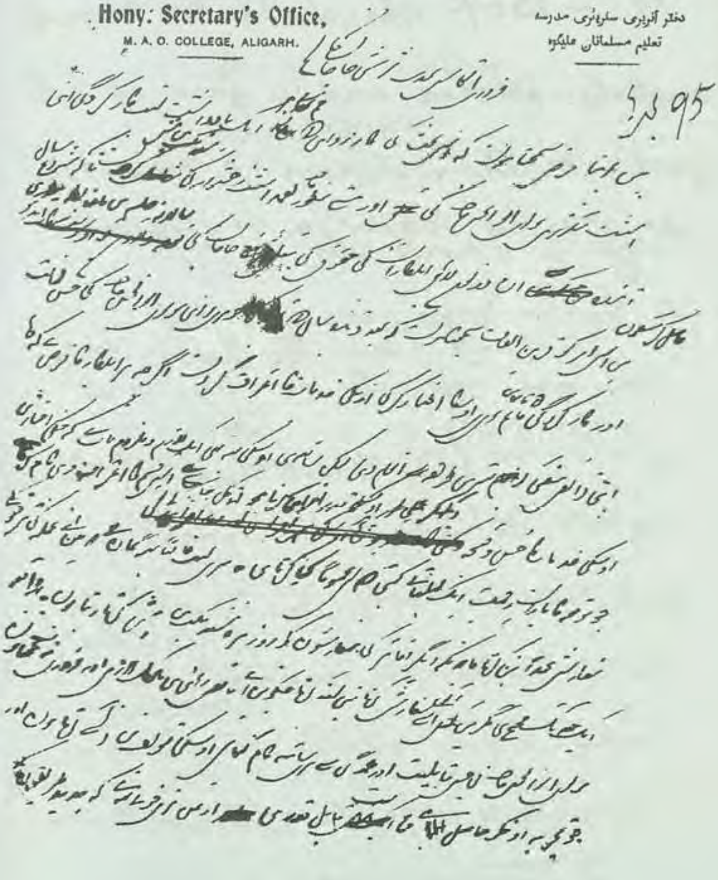
I require a First Assistant-Master on 250/- — 300/- who should be a good English Scholar, and a good Mathematical S[illegible]lar; a disciplin and who is likely to interest his

also require a III rd Assistant 80 — 100/- Eventually to become 10 — 150/- who should be a good english Scholar and a fair, if not good Mathematician: a man good at games would be an acquisition

I have the honour to be

Sir,
Your most obedient Servant

[signature]
Principal



Hony: Secretary's Office,
M. A. O. COLLEGE, ALIGARH.

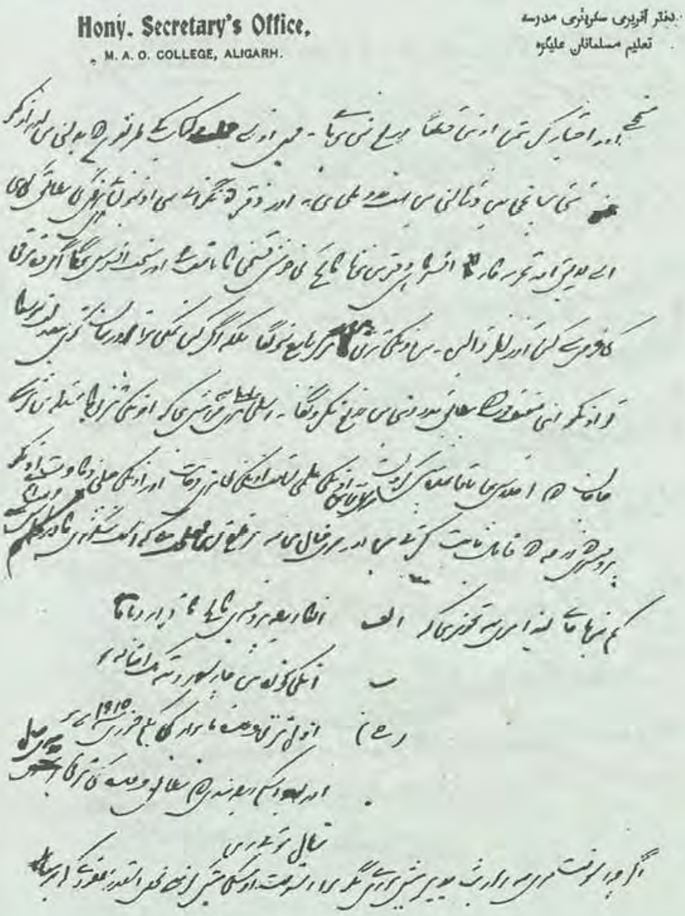
دفتر آنریری سکریٹری مدرسہ
تعلیم مسلمانان علیگڈھ

دفتر آنریری سکریٹری مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڑھ

Hony. Secretary's Office.

M. A. O. COLLEGE, ALIGARH.

[illegible]



Hony. Secretary's Office,
M. A. O. COLLEGE, ALIGARH.

دفتر آنریری سکریٹری مدرسہ
تعلیم مسلمانان علیگڑھ

M. Abul Hasan B.A. has been
reading in the Muir C. College
for more than four years.
His conduct has been excellent,
and he gave unvarying
satisfaction to all his Professors
by his industry and progress.
He possesses a very good
knowledge of English. He
was in enjoyment of a
Gov. Scholarship in the B. A.
and M. A. Classes. He has

recently been discharging the duties of Superint. of the Muh. Boarding House in a very satisfactory way.
He is a statutory Native of India.

G. Thibaut
Ph. D.
4th Febr. /97 Principal
Muir C. College

Principals' Annual Report for the Year 1903-04 - 17

(Page 13)

The opening of a new elocution society under the patronage of Mr. R. B. Kadri, Barrister-at-Law has done a great deal of good to quite a large number of members who take an interest in elocution and punctually attend the meetings of the society. We are very grateful to Mr. Kadri for the kind support he has been giving us and the interest he takes in the affairs of the club. The indoor games are a constant source of enjoyment, and members take a very lively part in them during the few hours that are allotted to them in the evening.

"A considerable number of papers and magazines is subscribed for as usual by the club.

"The library has been working very satisfactorily, and only recently there has been a further addition of 40 new volumes to it.

"The anniversary was joyfully celebrated as usual, and we are very thankful to Mr. J. R. Cornah for the kind support he gave us in its celebration. This six-monthly election has been conducted unusually calmly this year, and it is very fair to hope that the members in general are becoming more and more awakened to a better sense of their responsibilities and a right understanding of their position."

(Sd.) MOHAL-UL-ISLAM,
Offg. Honorary Secretary.

Report of the Duty, 1903-04.

The Duty has once again surpassed all its previous efforts, and during the past year the energy of servants and volunteers succeeded in collecting the sum of Rs. 16,757-5-1 which, together with income derived from other sources, produced a total income for the year of Rs. 19,265-8-1. Of this sum, Rs. 3,469-15 were handed over to the Mosque fund and Rs. 3,218-15 expended in wazifas and scholarships to poor students.

(Deputations this year went even further afield than heretofore, the most successful being one which, including the assistant keeper among its members, visited Hyderabad and succeeded in enlisting the sympathies and financial support of His Highness

the Nizam.) Other deputations went to Rohilkund, Behar, and Oudh, and though not uniformly successful contributed largely to the increased income of the Duty.

The great developement of the Duty and its increased importance and success during the last few years owes a great deal to the energy and labours of the assistant keeper, M. Abul Hassan, who, since the departure of Dr. Zia-ud-din for England in 1901, has been practically in sole charge of the Duty. Taking up the work with no previous acquaintance with its aims and methods, he has devoted much time and pains to putting it on a business footing and enlarging its scope and field of work. I more particularly wish to make this public recognition of his work, as most of it has been of an unobtrusive character and of a nature that rendered it liable to be overlooked.

The departure of Mr. T. W. Arnold, the first Keeper of the Duty, from India was made the occasion of the presentation of an address to him from the servants, and it was decided to name the next block of buildings erected by the Duty after him. Plans and estimates for a large building to be erected between the Zahoor gate and the cricket ground and to be used for shops have been prepared, and it is hoped shortly to set the work in hand.

With the increase in the number of servants and in the working of the Duty, the constitution of the Society had become cumbrous and unsuitable. A committee was therefore appointed who recommended several important changes which were accepted by the Servants in a genaral meeting. The principal alterations were the addition of an annually appointed committee, an Assistant Treasurer, and of a Council. The functions of the latter (which is made up of the Honorary Secretary, the Principal, and another Mahomedan gentlemen) are chiefly the appointment of the committee and a general control in cases of necessity. It is hoped that by this means the working of the society may be brought more into line with the executive of the College.

The present capital of the Duty amounts to Rs. 42,600, part of which is invested in college buildings, part on loan to the trustees,

Abul Hasan B. A studied in my class for three years. His conduct was uniformly good. He possesses unusual ability in Mathematics and in pure Mathematics was the first of his year. He received the Iqbal medal awarded to the Mahomedan student who stands highest in the B.A examination

Homersham Cox
Professor of Mathematics
Muir Central College
February 4th 1917

Muir Central College
Allahabad
Nov. 24/96

Mr. Abul Hasan has read chemistry under me during this College session. He worked hard and made remarkable progress both in theory and practical work. I believe him to be an able & ~~[illegible]~~ diligent student with a considerable power of application. He bears an excellent character.

Ernest G. Hill B.A.
F.C.S

Professor of Natural Science
Muir College

Muir Central College
Allahabad.
Nov: 25 - 1896

Abul Hasan B.A. (Allahabad University) has been personally known to me for the last three years, during which time he has been a student of this College, reading for his B.A. & B. Sc. degrees. I have formed a high opinion of his ability & powers of application. He took very creditable positions in all his College examinations, was first of his year in higher mathematics

in the B.A. examination & well up in the other subjects.

During the past year, he has been reading for the B.Sc. degree & his progress has been very rapid, & in every way satisfactory.

His moral character is above reproach

J. Murray.
Prof. Phys. Science
Muir Central College
Allahabad

Mahomed Abolhasan is an able student of the Muir College Allahabad. He comes from a family which I know well. The certificates he has obtained from his Principal & Professors amply testify to his literary abilities. For a few years he remained a boarder and afterwards the manager of the Mahomedan Boarding House attached to the Muir Central College; and his good character & tact in the management of the Boarding House is proved by the certificate he holds from the Secretary to the

Mahomadan Boarding House
Allahabad. If he is given a
trial in Government Service
I am sure he will prove himself
success. I give him this
Certificate with great p

Simla
25th Sep 1897 } M. Sameeullah
C.M.G.

Thomason College, Roorkee.

Dated 23rd December 1897.

Certified that Mr. Abul Hasan has studied in this College from 1st April 1897 to 23rd December 1897, and has during this period borne the character of a steady, hard-working and promising student. He leaves at his own request, for private reasons.

F. D. Sullen

Captain, R.E.,

Offg: Principal, Thomason College.

Pkt. 23-12/97

Copies of Testimonials.

Mr. Abul Hasan B.A. has been reading in the Muir C. College for more than 4 years. His conduct has been excellent, & he gave unvarying satisfaction to all his Professors by his industry & progress. He possesses a very good knowledge of English. He was in enjoyment of £ 9 St. Scholarship in the B.A. [illegible] ...tly been discharging the duties of Supdt. of the Mohamedan Boarding House in a very satisfactory way.

He is a Statutory native of India.

4th Feb. 1897 (Sd.) G. Thibaut Ph.D.
Principal
Muir Central College

True Copy.
G. Thibaut Ph.D.

2.

Abul Hasan B.A. studied in my class for three years. His conduct was uniformly good. He possesses unusual ability in Mathematics & in pure mathematics was the first of his year. He received the Iqbal medal awarded to the Mohamedan Student who stands highest in the B.A. Examination.

(Sd.) Homersham Cox
Professor of Mathematics
Muir Central College

F. 4th 1897.

True Copy.
G. Thibaut Ph.D.

Abul Hasan B.A. (Allahabad University) has been personally known to me for the last three years during which time he has been a student of this College, reading for his B.A. & B.Sc. degrees. I have formed a high opinion of his abilities & powers of application. He took very creditable positions in all College examinations, was first of his year in higher [illegible]
& well up in the other subjects.

During the past year he has been reading for the B.Sc. degree & his progress has been very rapid & in every way satisfactory.

His moral character is above reproach.

(Sd:-) J. Murray
Professor Physical Science
Muir Central College
Allahabad.

Nov. 23rd 1896

True Copy:
G. Thibaut Ph.D.

4. Mr. Abul Hasan has read Chemistry under me during this College session. He worked hard & made remarkable progress in theory & practical work. [I] believe him to be an able & diligent student [with] a considerable power of application. He bears excellent character.

(Sd/:-) Ernest G. Hill

Nov. 26th 1896

Professor of Natural Sc.
Muir College

True Copy
G. Thibaut Ph.D.

Abul Hasan was my pupil for half the Session 1895-96, when he was reading for his B.A. Examination. I have much pleasure in recording my good opinion of him. Such of his work as I saw was much above the average in the large class in which he was reading.

J. G. Jennings B.A.
Professor of English Lit.
Muir Central College

True Copy.

G. Thibaut M.A.

6.

Mohamed Abul Hasan, a student of the M. A. Class of the Muir Central College has been residing as a boarder in the Musalman Boarding House under the direct supervision of the Managing Committee for more than three years. I am glad to certify that his conduct has invariably given satisfaction to the committee. He was appointed an Honorary Supdt. of the institution by the Committee with the concurrence of Dr. Thibaut, the Principal of the College in 1896, & I have great pleasure in recording that he performed the difficult duties of a Supdt. to the entire satisfaction [of the] Committee.

[I] have known Mohamed Abul Hasan & his father [Ha]med Ali for some time. They belong to a [respecta]ble & influential family of the District of [...]bore & I know that Md: Abul Hasan's parents [are in] good circumstances & no doubt will enable [him to meet] his expenses at Rs. without any difficulty.

[...] Feb. 1897.

(Sd.) Syed Abdul Rauf
Hony: Secretary to the
Musalman Boarding House
Committee
Allahabad

True Copy
G. [...] M.A.

I am told by Maulvi Abdus-
Sammad that his nephew
Abul Hassan is being nomin-
ated by the Muir College
for a Deputy Collectorship
and that a certificate with
respect to his family is
required. I have much
pleasure in certifying
that Maulvi Abdussammad
belongs to an old Ghazipur
family, which still has

a ~~[illegible]~~ small Zamindari, the remains of what was 60 years ago much larger. His uncle received a village in Jaunpur as a Mutiny reward. He is himself a leading pleader of this District & a Vice-Chairman of the Municipality & a 2nd Class Magistrate on the Ghazipur Bench. He has always given me much help in all District work, & his prominent

position among his co-religionists makes his help effective.

I hope his nephew will be successful in getting his Deputy Collectorship he is trying for.

R H Hamber.

Ghazipur. 9/9 97

Visiting Card of
Haji Moulvi Abul Hasan

Haji Abul Hasan.

I. E. S. (*Retired*)

پھوپھیاں اور پھوپھا

پھُوپھیاں اور پھُوپھا



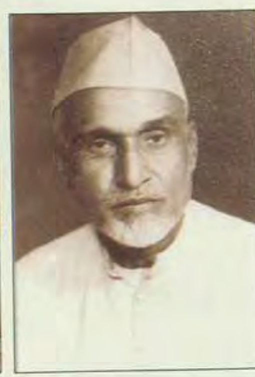
سلطانہ حمیداللہ صدیقی
وفات: 9جون1976ء



ریحانہ مرتضیٰ صدیقی



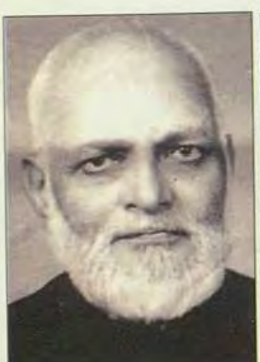
رحمت مقبول صدیقی



حمیداللہ صدیقی
وفات: 22اپریل1963ء



محمد مرتضیٰ صدیقی



مقبول صدیقی

کلام

□ سلطانہ حمید اللہ صدیقی

حمیداللہ صدیقی ہمارے سب سے بڑے پھوپھا تھے۔ آپ کا انتقال 22 اپریل 1963ء کو ہوا۔

- اس موقع پر میرے سب سے چھوٹے بھائی حسن اسمٰعیل نے جو اس وقت تقریباً 17 سال کا تھا، اپنے جذبات کا اظہار اشعار میں کیا۔
- اسی موقع پر میری سب سے بڑی پھوپھی سلطانہ بیگم نے بھی اپنے جذبات کو اشعار میں ڈھالا۔ اگرچہ وہ باقاعدہ شاعری نہیں کرتی تھیں لیکن علم وادب سے منسلک لوگوں میں رہیں لہٰذا اپنے جذبات کا اظہار شاعری کے ذریعے کر لیتی تھیں۔ اُن کے دادا، بھائی، والدہ اور بہنیں سب شاعری کرتے تھے۔

سلطانہ حمید اللہ

رخصتی حمید اللہ کی

افسوس رخصت ہو گئے تم مجھ کو تنہا کر گئے
حکمِ خدا پر چل دیے دنیا سے رخصت ہو گئے

ہم سب کو حیرت ہو گئی کہ اتنی جلدی چل دیے
یاد رب کو کر کے اقرارِ رسالتؐ کر گئے

عرش سے آئے فرشتے لینے کو پھر روحِ پاک
رحمتِ رحمان سے وہ گھر کو منوّر کر گئے

سنتی آئی ہوں ہمیشہ نیک بندوں کا نشاں
رہ گئے روتے ہوئے سب آپ ہنس کر چل دیے

چہرا تیرا دیکھ کر سب لوگ حیراں رہ گئے
ہو گیا سب کو یقیں جنّت مکیں وہ ہو گئے

قبر میں لائے فرشتے پھر شبیہِ مصطفےٰؐ
اور جمالِ پاک سے اس کو منوّر کر گئے

کرتی ہوں تسکین اپنی تیری رحمت سے رحیم
قبر کی تنہائی میں مونس فرشتے ہو گئے

کر دعا مقبول میری یااللہ العالمین
بخش دے سارے گنہہ دنیا میں جو کچھ ہو گئے

☆☆☆

سلطانہ حمیداللہ

حالِ دلِ تنہائی

بے کسی کا وہ عالم اور تنہائی اپنی
وہ منظر تو آنکھوں سے جاتا نہیں ہے

گزرتی تھی دل پر جو اس وقت مرے
بیاں اُس کے کرنے کی طاقت نہیں ہے

جو لکھا تھا قسمت کا پورا ہوا سب
یہ سچ ہے کرم کا لکھا مٹنے والا نہیں ہے

اگر آزمایش تھی مقصود میری
بظاہر تو اس کے لائق نہیں ہے

دلِ ناتواں کو تُو طاقت عطا کر
کہ اس کے سوا اور صورت نہیں ہے

بظاہر ہوئے ہیں کچھ اسباب ایسے
کہ بخشش میں اُن کی تو شبہہ نہیں ہے

بھلائی کا چرچا زباں پر ہے سب کی
بُرائی کوئی اُن کی کرتا نہیں ہے

بنا مجھ کو مومن اور مومن اٹھا لے
عمل کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہے

کروں شکر تیرا مَیں ہر دم الٰہی
دوا دردِ دل کی کوئی اب نہیں ہے

☆☆☆

حمید اللہ پھوپھا

کی یاد میں

دل کو کیسے یقیں کہ بجھ گئی شمعِ حیات
کون دے آ کر تسلی غمزدہ ہے کائنات

ساتھ رہبر چھوڑ بیٹھا مٹ گیا ہے سنگِ میل
ہم اکیلے رہ گئے ہیں اور ہے تاریک رات

منتشر ہیں تیرے ساتھی ڈھونڈتی ہے انجمن
کون اٹھ سکتا تھا محفل سے جہاں ہو تیری ذات

یاد جب آتی ہے تیری دل پہ اِک لگتی ہے چوٹ
وہ لطیفے وہ پہیلی وہ تری پُرکیف بات

عرش سے لیکن ہے یہ آواز رب العالمین
آ رہا ہے میرا بندہ لے کے کچھ عالی صفات

صبر کی تلقین کرتا ہے حسنؔ روتے ہوئے
روک سکتا کون ہے یہ زندگی کے حادثات

حسن اسمٰعیل

22 اپریل 1963ء

مطابق 28 ذیقعد 1382ھ

حسن اسمٰعیل

اپنے پھوپھا کی یاد میں

چل دیا لبیک کہہ کر اِس جہاں کو چھوڑ کر
ہم گنہہ گاروں سے اپنا روئے انور موڑ کر

موت سے پوچھا کہ جانا ہے مجھے آقا کے پاس؟
آؤ میرے پیچھے پیچھے مَیں چلا ہوں دوڑ کر

شام تھی بائیس کی اور ماہ تھا اپریل کا
جا ملا خالق سے وہ دنیا سے رشتہ توڑ کر

....

ہے فضا میں شور برپا ہر کوئی پوچھے ہے آج
بجھ گئی ہے شمع کوئی لُٹ گیا ہے تخت و تاج

کیا کوئی رختِ سفر ہے کچھ بتا شامِ غم
کس لیے ہے شورِ ماتم کیوں فسردہ دن ہے آج

☆☆☆

بہ یادگار برادرم حمید اللہ صدیقی

(اپنے بہنوئی کے انتقال پر)

رحمت مقبول صدیقی

وہ مردِ مومن گیا عدم کو تھی جس کے دم سے بہارِ دنیا
ملے گی اُس کو ہزار نعمت یہاں غموں کی تھی خار دنیا

جہاں میں آنا، جہاں سے جانا فقط یہ دو دن کا ہے ٹھکانا
کہا کسی نے ہے نیک بندو کہ ہے یہ فانی سرائے خانہ

یہ امتحاں گاہ ہے ہماری نہیں یہ سونے کا ہے ٹھکانا
یہ قولِ خالق ہے اور سچ ہے کہ یہ تو دارالمحن ہے دنیا

یہ مال دولت یہ عیش و عشرت نہ کام آئیں گے کچھ ہمارے
پکار جس وقت ہو گی اپنی بچا سکے گی نہ ہم کو دنیا

کُھلیں جو آنکھیں ہُوا سویرا جو بند کر لیں ہُوا اندھیرا
یہ راز ہے زندگی کا پیارے نہ کوئی میرا نہ کوئی تیرا

بہاریں آئیں گی پر ولیکن کِھلا سکیں گی کلی نہ دل کی
خزاں رسیدہ جو گُل ہُوا ہے ہنسا سکے گی نہ اُس کو دنیا

کرو وہ نیکی جو کام آئے کہ ایک دن ہے ہمیں بھی جانا
کرو گے جیسا ملے گا بدلہ کہ حق ہے اپنا انعام پانا

نبیؐ جو اپنے دکھا گئے ہیں وہی ہیں راہیں حصولِ جنّت
ملے گی تجھ کو بہشت بے شک رہے گی ثابت قدم جو رحمتؔ

☆☆☆

کلام

▫ رحمت مقبول صدیقی

ثنا باریٔ تعالیٰ

تُو عیاں بھی نہیں تُو نہاں بھی نہیں
تُو یہاں بھی نہیں تُو وہاں بھی نہیں
آسماں پر نہیں تُو زمیں پر نہیں
پھول میں تُو نہیں برگ و گل میں نہیں

تُو نہ مسجد میں ہے اور نہ مندر میں ہے
تُو کلیسا میں ہے اور نہ کعبہ میں ہے
چاند میں تُو نہیں اور نہ سورج میں ہے
خشک صحرا میں تُو اور نہ جنگل میں ہے

تُو نہ لہروں میں ہے اور نہ دریا میں ہے
تُو نہ دنگل میں ہے اور نہ منگل میں ہے
تُو کہیں بھی نہیں اور نہیں بھی نہیں
جستجو میں تیری چینِ دل ہی نہیں

جام و مینا نہیں تخت کے بھی نہیں
سچ تو یہ ہے کہ تُو کوئی شے ہی نہیں
اے خدا تیری تعریف کیا ہو بیاں؟
شان تیری ہے ہر برگ و گُل سے عیاں

سب نے ڈھونڈا تجھے مَیں نے پایا تجھے
شکر صد شکر تُو نے نوازا مجھے
سُن لے میری دعا بھر دے جھولی مری
میرے مولا ہے رحمتؔ بھکاری تری

☆☆☆

نعت

سنا ہے کہ محشر میں دیدار ہو گا
محمدؐ کا اپنے جو بیمار ہو گا
محمدؐ محمدؐ پکاریں گے ہم سب
محمدؐ شفیعِ گنہگار ہو گا

چلے جائیں گے ہم خراماں خراماں
نہ کھٹکا ہمیں کچھ نہ افکار ہو گا
کیا تھا جو اُمت کی بخشش کا وعدہ
محمدؐ سے رب کا یہ اقرار ہو گا

وہ جائے گا جنّت میں روزِ قیامت
جو رحمت کا تیری طلبگار ہو گا
خدایا مجھے اب وہ جنّت دکھا دے
جہاں سبز گنبد کا مینار ہو گا

گناہوں سے اپنے میں ڈرتی ہوں یارب
تُو ہی میرے مولا مددگار ہو گا
پڑا ہے بھنور میں یہ بیڑا ہمارا
کرم سے تمہارے ہی بس پار ہو گا

اندھیرے سے مرقد کے گھبرا نہ جاؤں
تُو ہی میرا مونس و غم خوار ہو گا
کہا دل نے میرے نہ گھبراؤ رحمتؔ
کہ حامی تمہارا وہ مختار ہو گا

☆☆☆

نعت

محمد مصطفیٰ نبیوں میں فخرالانبیا تم ہو
دو عالم میں خدا کے بعد ہر شئے سے سوا تم ہو

رسولِ ہاشمی تم ہو حبیبِ کبریا تم ہو
ہماری آرزو تم ہو ہمارا مدعا تم ہو

غم و رنج و الم سے واسطہ اُس کو نہیں رہتا
وہ جس کی کشتئ طوفاں زدہ کے ناخدا تم ہو

تم ہادی سارے عالم کے ہو رہبر ساری دنیا کے
خدا سے ہم کو ملوایا وہ رہبر حق نما تم ہو

یہ ایماں ہے مرا رحمتؔ سنو اِک بات کہتی ہے
کہ شہکارِ خدا بے شک محمد مصطفیٰ تم ہو

☆☆☆

صدائے دل

سُن میری صدا یثرب کے شہا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں
اے شاہِ دو عالم نورِ خدا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

ہے آس تُو میرے جینے کی، رکھ لاج یہ ٹوٹے سفینے کی
کر پار یہ بیڑا بہرِ خدا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

منجدھار میں ہے نیّا میری منزل کا کنارا دور کہیں
دے مجھ کو سہارا شاہِ زماں تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

اللہ سے ملوانے والے اللہ سے دِلوانے والے
دے بھیک مجھے محبوبِ خدا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

ہے حسرتِ دل پہنچوں یثرب بلوا لیں مجھے شاہِ یثرب
ہو مجھ پہ بھی ایسی نظرِ کرم تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

دربار ترا شاہانہ ہے ناچیز کا یہ نذرانہ ہے
ہے جان یہ اپنی پیش نذر تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

دن رات میں ڈھلتے جاتے ہیں حالات بگڑتے جاتے ہیں
کر مجھ پہ بھی چشمِ لطف و عطا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

اب کس سے کہوں یہ رازِ دلی جو اپنا ہے بیگانہ ہے
اب کون ہے میرا تیرے سوا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

ہو جائے دعا مقبول مری دِکھلا دے مجھے اپنی نگری
دے ایسی پَرِ پرواز خدا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

جب روح مری پرواز کرے کاشانے پہ فریاد کرے
بخشش کا سنا دیجیے مژدہ تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

رحمتؔ ہے تمہارے در کی گدا سن لیجیے اُس کی بہرِ خدا
بھر دیجیے جھولی بہرِ عطا تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں

☆☆☆

آرزوئے دل

نہ پوچھو یہ مجھ سے مَیں کیا چاہتی ہوں
محمدؐ کو دل میں بسا چاہتی ہوں

اندھیرا ہے آنکھوں میں شاہِ مدینہ
تجلّی تری برملا چاہتی ہوں

نہ حسرت ہے جنّت کی دل میں ہماری
نہ دنیا میں دل کو پھنسا چاہتی ہوں

زیارت کروں سبز گنبد کی تیرے
یہ سر تیرے در پر جُھکا چاہتی ہوں

مدینے بلا لیجیے مجھ کو حضرت
اجازت تری مصطفےٰؐ چاہتی ہوں

کٹی عمر اپنی گناہوں میں ساری
مَیں عاصی ہوں تجھ سے عطا چاہتی ہوں

نہ ثروت کی خواہش نہ عشرت کی طالب
نہ جنّت کی تجھ سے دعا چاہتی ہوں

مَیں عاصی ہوں مجھ پر بھی ہو چشمِ رحمت
سوالی ہوں تجھ سے دَیا چاہتی ہوں

غریبوں کے والی یتیموں کے مولیٰ
دعاؤں کا مَیں مُدّعا چاہتی ہوں

بھنور میں پڑی ہے یہ نیّا ہماری
سہارا ترا ناخدا چاہتی ہوں

عنایت ہو اِک خطۂ بابِ رحمت
جبیں کے لیے آستاں چاہتی ہوں

مَیں دُزدیدہ تیری نگاہوں کے صدقے
یہ خنجر تو دل میں چُبھا چاہتی ہوں

یہ رحمت ہی ہے تیری ادنیٰ بھکاری
مریضہ ہوں خاکِ شفا چاہتی ہوں

☆☆☆

کور چشم

یہ دو چشمِ انسان کیا دیکھتے ہیں
زمانے کی بدلی ہوا دیکھتے ہیں

ہیں اپنوں سے یہ دُور بیگانہ یکسر
عزیزوں کو یہ پُرخطا دیکھتے ہیں

بھٹکتے ہیں راہوں میں گم کردہ ایسے
کہ شیطان کو رہ نما دیکھتے ہیں

غریبوں سے نفرت امیروں سے الفت
یہ دنیا میں اونچے مکاں دیکھتے ہیں

خبر آخرت کی نہیں اُن کو پہنچی
پسِ پشت سُود و زیاں دیکھتے ہیں

نہ باز آئیں گے کج روی سے یہ ہرگز
وہ کب راہ پر سرگراں دیکھتے ہیں

شرف ہم کو خالق نے انساں کا بخشا
بلندی سے پستی کو ہم دیکھتے ہیں

دعا ہے یہ رحمت کی اے ربِّ باری
دکھا راہِ حق یہ کہاں دیکھتے ہیں

☆☆☆

شکستِ آرزو

خداوندا یہ حسرت تھی بناؤں آشیاں کوئی
بڑے ارمان سے یہ التجا درگاہ میں کی تھی

ترے ہی نام بسم اللہ سے رکھی بناء اس کی
مبارک نام ہے اللہ کا مَیں اِس پہ نازاں تھی

یکا یک کیا ہوئی لغزش بتا مجھ کو سہارا دے
نہیں واقف ترے اسرار سے یہ مصلحت کیا تھی

خزاں کا دور ہے یارب ہوا بدلی ہے گلشن کی
ترا جو راز پوشیدہ ہے اُس سے آشنا کب تھی

نہیں قسمت میں لکھا تھا اگر کوئی مکاں تُو نے
اِسی پر مجھ سی خاطی کا لیا ہے امتحاں تُو نے

دعا ہے یاالٰہی مَیں رہوں ثابت قدم اِس پر
ملے گا زندگی میں کیا کوئی نعم البدل اِس پر

تری رحمت سے نا امید ہوں کیوں کر یہ ممکن ہے
یہی تو رسمِ دنیا ہے اِسی پر سب کو ہمّت ہے

بہاریں ہو چکیں آخر ہوا بدلی ہے گلشن کی
کہ اب توڑ دے یارب ہوائے زورِ باطل کی

☆☆☆

''یادِ ماضی''

ایک دن تھا وہ کہ تھے ہم خوش نصیبوں میں شمار
ہر طرف چھائی خوشی تھی اور چمن تھا لالہ زار

باپ ماں بھائی بہن سب خوبیوں میں بے مثال
دولت و عزّت بڑائی نیک نام اور پُر وقار

دن خوشی کے تھے میسّر رات تھی ہر شب برات
یاد ہیں لطف و کرم آنکھیں ہیں جن سے اشک بار

لاڈ حاصل ماں کا تھا بھائی کی چاہت اور پیار
خواب ہے اپنا فسانہ دل میں آہیں بے شمار

چرخ کی نظرِ کہن نے دیکھے ہیں یہ سارے حال
پوچھ لو اُن سے کوئی گر ہو نہ میرا اعتبار

ہیچ ہیں اپنی نظر میں یہ چمن اور گل عذار
کیا مزہ اس زندگی میں جب ہو سینہ داغ دار

ہو گیا قصہ پُرانا پر مَیں ہوں زندہ مثال
پھول کی خوشبو بھی اڑ جاتی ہے مُرجھانے کے بعد

دل میں طاقت ہو مرے اب کس طرح اظہار کی
خاتمہ باخیر ہو ہے آرزو دیدار کی

بخش دے میری خطائیں رحم کر پروردگار
چشمِ رحمت سے الٰہی دیکھ لے پھر ایک بار

☆☆☆

اِظہارِ تشکّر

- سب سے پہلے مَیں اپنے بھانجے محمود صدیقی کا شکریہ ادا کروں گی جو مجھ سے بہت چھوٹا ہے۔ میری بہن اور بہنوئی دونوں کی بے پناہ محبت جو وہ مجھ سے کرتے تھے، محمود نے اپنے دل میں بھی میرے لیے بسالی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب مَیں نے اس سے کہا کہ وہ میری بہن اور پُھوپھی کے وہ کاغذات کھنگالے جو اُن چھوئے کہیں نہ کہیں پڑے ہیں تب اُس نے اپنی مصروفیت میں سے وقت نکالا اور دادی کے کلام کا خاصا حصہ تلاش کر کے مجھے دے دیا۔ یہ نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ اگر وہ اُنہیں نہ تلاش کرتا، نہ دیتا تب وہ ضائع ہو جاتا اور جیسا کہ ہم سب مایوس ہو گئے تھے کہ اُن کا کلام زمانے کی دست بُرد کا شکار ہو چکا ہے۔
- مَیں اپنے بھتیجے خالد صدیقی کی بھی مشکور ہوں جس نے مجھ سے تعاون کیا۔ ابّا کی شادی کا وہ کارڈ مجھے دیا جو میرے پَردادا کی جانب سے چھاپا گیا تھا اور ہم میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ 1927ء سے اب تک کہیں ہوگا اور محفوظ ہوگا۔ خالد نے مجھے میری بڑی پُھوپھی اور پُھوپھا کی نادر تصاویر بھی دیں۔ اُس نے دادی کی مبہم شبیہہ والی ایک تصویر بھی دی جو سب سے قیمتی دستاویز ہے۔ اُس نے میرے دادا کی دو نادر تصاویر بھی دیں۔ انہیں شائع کرنے کے بعد حسبِ وعدہ مَیں اُسے لوٹا دوں گی۔
- مَیں اپنی بہن طیبہ آپا کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے دبئی میں آ کر مجھ سے ملاقات کی۔ دادی کا کلام اور دادا کے کارنامے کتابی شکل میں مُرتب کرنے کے ارادے پر میرا

حوصلہ بڑھایا اور کراچی میں موجود اپنے تصویری خزانے میں سے دادی کی نایاب تصویر عنایت کی۔

- مَیں اپنی بھانجی رابعہ عالم کی بھی ممنون ہوں جس نے اپنی امّی طیبہ آپا کے تصویری خزانے سے وہ تصویر آپا کی ہدایت پر مجھے دے دی۔
- مَیں اپنی بہن عرفانہ کی بھی مشکور ہوں جو میری ہم عمر بھی ہے، دوست بھی ہے اور بچپن کی ساتھی بھی۔ وہ برسوں سے لندن میں مقیم ہے۔ اُس نے میری پُھوپھی اور پُھوپھا کی تصویر ایک دن کے نوٹس پر فوری ای میل کر کے مجھ تک پہنچادی۔
- مَیں اپنی بہن فرحانہ کی بھی مشکور ہوں جس نے گاہے بگاہے فون کر کے میرے کام کو سراہا اور دعا کرتی رہی کہ مَیں یہ کام کر گزروں۔ اُس نے پُھوپھی پُھوپھا کی تصویر اور ماضی کی کوئی بھی تحریر حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔
- مَیں اپنے بھائی حسن اسمٰعیل کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جس نے ہم دونوں کے مشترکہ ابّا کی یاد میں ایک آنسو بھری نظم اشاعت کے لیے ارسال کی اور اِس کام میں میری ہمت بندھائی۔
- مَیں اپنی چھوٹی بہن ناہید صدیقی کی بھی شکر گزار ہوں جس نے میری منجھلی پُھوپھی اور پُھوپھا کی تصویر مجھ تک پہنچائی۔
- مَیں اپنے بھائی طارق صدیقی کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے لاہور سے سے وقتاً فوقتاً فون کر کے میری ہمت بندھائی اور میرے دادا سے متعلق ایک نایاب کتاب عنایت کی جس میں ہندوستان کی مشہور تعلیمی پالیسی کے حوالے سے کمال یار جنگ کی سربراہی میں منعقد ہونے والی کانفرنس کی رُوداد موجود تھی۔
- مَیں اپنے کلاس فیلو دوست رشید بٹ کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے رب پبلشرز کے کرتا دھرتا کی حیثیت سے مسوّدہ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کئی ایک نشستوں میں ہم نے ماضی کی یادوں کے ساتھ ساتھ دادی کی شاعری، دادا کے کارناموں اور ابّا کی خوبیوں پر خوب خوب تبصرہ کیا۔ ابّا کے کم عمری میں انتقال کر جانے کے باوجود اُن کی کامیاب

زندگی پر رشک آمیز جملے ادا کیے۔ دادا کی تاریخی حیثیت پر گفتگو کی۔ دادی جو ایک گھریلو خاتون تھیں، اُن کی شاعری سے اُن کی جو علمیت جھلکتی ہے، اُس پر حیرت کا اظہار کیا اور اُن کی لسانی مہارت اور الفاظ کی صنّاعی پر لغت کے لغت کھنگال ڈالے اور پھر میری ہمت بڑھاتے ہوئے اپنی تمام تر پیشہ ورانہ سوجھ بوجھ (اگر کچھ ہے تو) اپنے میرے تعلقات کی نذر کر دی۔

- آخر (اور اوّل) نثار اختر کا ذکر آتا ہے۔ جو میرے میاں ہیں، میرے ہمزاد ہیں، جو میرے لکھنے پڑھنے کے ہر کام کے محرک ہیں، جو حوصلہ افزائی کرتے ہیں، وقت دیتے ہیں، دلچسپی لیتے ہیں، مسوّدے کی فوٹو کاپی لانے لے جانے کی سہولیات، مالی مدد، پروف ریڈنگ، اغلاط کی درستی، لغت سے استفادہ، پبلشر تک کی دوڑ لگانا اور مخصوص قلم کاغذ مہیا کرنا تاکہ مَیں روانی سے لکھ سکوں۔ جب کتاب چھپ کر آتی ہے تب مجھ سے زیادہ اُن کے چہرے پر خوشی ہوتی ہے۔ اور اگلی کتاب کا تقاضا کر کے مجھے پریشان بھی کر دیتے ہیں۔ مَیں اُن کی خوشی اور اپنی پریشانی دونوں پر اُن کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔
- اور کیا مَیں اپنے بچوں کا شکریہ نہ ادا کروں جو وقتاً فوقتاً مجھ سے سوال کرتے رہتے ہیں کہ میری نئی کتاب کب آئے گی؟

❑

شجرۂ نسب

آنے والی نسلوں کے لیے مختصر شجرۂ نسب

پَردادا حافظ محمد علی قاریؔ	پَردادی حلیمہ بیگم
وفات: 26 نومبر 1935ء	....
دادا مولوی ابوالحسن	دادی اشرف النّساء
وفات: 16 جون 1965ء	10 ستمبر 1949ء
ابّا حسن عبداللہ حسنؔ	امّاں سلمیٰ حسن
وفات: 14 ستمبر 1946ء	16 اکتوبر 2000ء
حمیداللہ احراری (پھُوپھا)	سلطانہ بیگم (پھُوپھی)
وفات: 22 اپریل 1963ء	9 جون 1976ء
محمد مرتضیٰ صدیقی (پھُوپھا)	ریحانہ بیگم (پھُوپھی)
مقبول احمد صدیقی (پھُوپھا)	رحمت بیگم (پھُوپھی)

بچوں کی تعلیم سے بڑھ کر اُن کی تربیت اس کے ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج ہمارے سب بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور ہاں اُس نے انہیں کبھی ٹیوشن کا عادی نہیں بنایا۔ اس طرح آپ سمجھ لیں کہ اُس نے مجھے گھر کے ہر کام سے آزاد رکھا۔ لیکن ہاں باہر کے کسی دفتری کام مثلاً بینک، بجلی، گیس، ٹیلیفون کے بل، بچوں کی فیس جمع کرانا اُس کے مزاج سے بہت دور ہے اور انتہائی مجبوری میں بھی وہ یہ کام ہرگز نہیں کر سکتی۔

گرمی سے سلگتے کچن میں درجنوں روٹیاں بغیر منہ بنائے پکاتی ہے۔ سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے ڈھیروں کپڑے دھوتی ہے اور استری کرتی ہے اور نہیں تھکتی۔ رات میں سلائی کڑھائی کرتی ہے اور نہیں اکتاتی۔ کون سا کام ہے جو اسے نہیں آتا۔ ہاتھ سے سویٹر بنتی ہے۔ چادر پر پھول کاڑھتی ہے۔ میز پوش پر کروشیا سے بیل بُن کر ٹانکتی ہے۔ کپڑوں پر پینٹنگ کرتی ہے۔ اپنے کپڑے خود سی لیتی ہے۔ ملازمت کرتی ہے۔ اس کے لیے وقت کی تنگی کبھی آڑے نہیں آتی۔ مہمان نوازی کرتی ہے۔ دوستوں کی محفل سجاتی ہے۔ عزیزوں سے مل کر خوش ہوتی ہے۔ ادبی تقاریب میں جی جان سے شریک ہوتی ہے۔ پیسے کبھی طلب نہیں کرتی۔ جتنا پرس میں ہوتا ہے اس سے زیادہ خرچ کرتی ہے۔ بینک بیلنس نہیں رکھتی۔ کہتی ہے پیسہ چیزوں کی شکل میں معنی رکھتا ہے۔ میک اپ نہیں کرتی۔ بہت ہلکی جیولری پسند کرتی ہے۔ کپڑوں کی بے انتہا شوقین ہے۔ غالبؔ نے آم کے بارے میں کہا تھا۔ بہت سے ہوں اور میٹھے ہوں۔ وہ کہتی ہے کپڑے بے شک سستے ہوں مگر اچھے سلے ہوں اور بہت سے ہوں۔

ہمارے گھر میں اس کی بدولت چار (ک) رہتے ہیں یعنی کتابیں، کیسٹ، کپڑے اور کراکری۔ ہمارے بیڈروم میں ہی صرف سرھانے اور دائیں بائیں اتنی کتابیں ہیں کہ وہ اکثر کہتی ہے "خدانخواستہ اگر کبھی زلزلہ آیا تو ہم کتابوں میں دب کر مریں گے۔ کیا خوب موت ہوگی"۔

اُس نے اپنی کسی کتاب پر اپنے بارے میں کسی سے کچھ نہیں لکھوایا ماسوائے مجنوں گورکھ پوری کے۔ کہتی ہے بہت عام سی بات ہے اور مجھے اچھا نہیں لگتا۔ مگر بہت سوں کی فرمائش پر اس کا تعارف اس سے چھُپ کر مَیں کرا رہا ہوں کہ یہ میری اور رشید بٹ کی مشترکہ سازش ہے۔

ہندوؤں کے یہاں کئی جنم ہیں۔ اگر ہمارا بھی یہی عقیدہ ہوتا تب مَیں ہر جنم میں اسے ہی بیوی کے طور پر حاصل کرنا چاہتا کہ اس کی ہر وقت کی چیخ پکار میں ہی میرے گھر کا حُسن پوشیدہ ہے۔

نثار اختر

Klam-e-Ashraf

Kamal-e-Hasan

Edited & Compiled

Naushaba Siddiqui



میرے قلم سے اور بھی

A Text Book of Economic Theory
by
Stonier & Hague for BA.BCom.MA
(Translation)

کتاب معاشیات ------------- انٹر کامرس کے لیے

صلیب کے زخم ------------------- ناول

افکارِ حسن ------------ مرتب (والد کی شاعری)

سرِ شام ------------------ خاکے، مضامین

زندگی بھر کی بات ------------------ ناول

کلامِ اشرف، کمالِ حسن ---------- ترتیب وتدوین

چشمِ حیراں ------------- خاکے (زیرِ تحریر)

ISBN 969946621-9

9789699466212